عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب شرح

حکیم الاُمت مجدد الملت حضرت مولانا مُحَمَّد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

22

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الاُمت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و آدب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
مُلتان

سلسلہ معارف اشرفیہ جلد نمبر ۲۳

یعنی

ایک عظیم اسلامی انسائیکلوپیڈیا

دفتر پنجم جزو دوم

کلید مثنوی

جلد ۲۲

از حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

ناشر

ادارۂ تالیفات اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

قصۂ آں شخصے کہ دعویٰ پیغمبری میکرد گفتندش کہ چہ خوردۂ کہ
اُس آدمی کا قصہ جو پیغمبری کا دعویٰ کرتا تھا، لوگوں نے اُس سے کہا تو نے کیا کھایا ہے
گیج شدۂ و یاوہ میگوئی گفت اگر چیزے یافتمے کہ خوردمے نہ گیج شدمے
کہ احمق بنا اور بکواس کرتا ہے اُس نے کہا کہ اگر میں کوئی چیز پا لیتا جو کہ میں کھا لیتا نہ احمق ہوتا
و نہ یاوہ گفتمے کہ ہر سخن نیک کہ با غیر اہلش گویند یاوہ گفتہ
اور نہ بکواس کرتا کیونکہ ہر بھلی بات جو نااہلوں سے کہتے ہیں، بکواس کہتے ہیں اگرچہ
باشند اگرچہ دراں گفتن مامور باشند
وہ اُس کہنے میں (خدا کی جانب سے) مقرر ہوں

آں یکے می گفت من پیغمبرم
ایک شخص کہتا تھا، کہ میں پیغمبر ہوں
وز ہمہ پیغمبراں فاضل ترم
اور میں تمام پیغمبروں سے بڑھ کر ہوں

گردنش بستند و بُردندش بشاہ
لوگوں نے اُس کی گردن باندھی اور اُس کو بادشاہ کے سامنے لے گئے
کایں ہمی گوید رسولم از الٰہ
کہ یہ کہتا ہے، کہ میں خدا کی جانب سے رسول ہوں

خلق بر وے جمع چوں مور و ملخ
لوگ اُس پر چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح جمع تھے
کہ چہ مکرست و چہ تزویر و چہ فخ
کہ کیا مکر ہے اور کیا مکاری اور کیا جال ہے؟

گر رسول آنست کآید از عدم
اور اگر رسول وہ ہوتا ہے جو عدم سے آئے
ما ہمہ پیغمبریم و محتشم
تو ہم سب پیغمبر اور معزز ہیں

ما ازانجا آمدیم اینجا غریب
ہم اُس جگہ سے آئے ہیں، یہاں مسافر ہیں
تو چرا مخصوص باشی اے ادیب
اے اُستاد! تو کیوں مخصوص ہوگا!

داد ایشاں را جواب آں خوش رسول
اُس بھلے رسول نے اُن کو جواب دیا
کاے گروہ کور و نادان و فضول
کہ اے اندھو اور بیہودہ اور نادانوں کے گروہ!

ایں ندانستید اے قوم از قضا
اے قوم! تم یہ نہیں سمجھتے کہ تقدیر سے
بیخبر اینجا رسید از عمیٰ
تم اندھے پن سے بے خبری میں یہاں آگئے ہو

ہمچو طفلِ خفتہ ایں جا آمدید
تم سوئے ہوئے بچہ کی طرح یہاں آگئے ہو
بیخبر از راہ و از منزل بُدید
تم راہ و منزل سے بے خبر تھے

از منازل خفتہ بگذشتید و مست
تم سوتے ہوئے اور بیہوشی میں منازل سے گذر گئے
بیخبر از راہ و از بالا و پست
راستہ اور نشیب و فراز سے بے خبر

آں یکے۔ یہ ایک مسخرا تھا جس نے اِفلاس سے مجبور ہو کر نبوت کا دعویٰ کیا تاکہ اُس کے ذریعہ سے کچھ کمائے وہ اپنی گفتگو میں ایسے جملے استعمال کرتا تھا جن کے دو معنی ہو سکتے تھے ایک معنی نبوت کے دعوے پر محمول ہو سکتے تھے دوسرے معنی کا نبوت سے کوئی تعلق ●

فخ۔ جال۔ گر رسول۔ اُس مسخرے نے اپنے رسول ہونے کا مطلب یہ بتایا تھا کہ وہ خدا کے پاس سے دنیا میں آیا ہے اور اُس کو اللہ تعالیٰ نے مُلکِ عدم سے دنیا میں بھیجا ہے۔

ما از انجا۔ لوگوں نے کہا اگر رسول کا مطلب یہ ہے تو ہم سب بھی مُلکِ عدم سے دنیا میں آئے ہیں لہٰذا ہم سب رسول ہیں تیری کیا خصوصیت ہوئی۔

ایں ندانستید۔ اُس مسخرے نے اُن کو جواب دیا کہ تم بھی مُلکِ عدم سے آئے ہو، لیکن ایسے اندھے پن سے آئے ہو کہ تمہیں راستہ کا پتہ چلا نہ منزل کا۔

ہمچو۔ مسخرے نے کہا تم لوگ سوتے ہوئے بچے کی طرح مُلکِ عدم سے راستہ طے کر کے دنیا میں آئے ہو۔ ما بہ بیداری۔ میں مُلکِ عدم سے بیداری کی حالت میں دنیا میں آیا ہوں۔ پنج۔ یعنی پانچوں حواس بشش۔ یعنی چھ جانبیں۔ قلاووز۔ رہبر

شاہ۔ لوگوں نے شاہ سے اُس کو سزا دینے کا مطالبہ کیا، شاہ نے اُس کو بہت کرید

● قصہ۔ پیغمبر۔ دنیا کی ہر چیز کوئی پیغام دیتی ہے یہ انسان تھا لہٰذا تمام کائنات سے افضل تھا نیز یہ معنی بھی ہیں کہ میں پیغمبر ہوں اور دنیا کے سب پیغمبروں سے افضل ہوں۔

ما بہ بیداری رواں گشتیم و خوش
ہم بیداری میں اور خوشی سے چلے

از ورائے پنج و شش تا پنج و شش
بغیر پلک اور چہرہ کی (جگہ) سے پانچ اور چھ (والی جگہ) تک

دیدہ منزل ہا ز اصل و از اساس
جڑ اور بنیاد سے منزل کو دیکھا

چوں قلاوزاں خبیر و رہ شناس
راہبروں کی طرح باخبر اور رہ شناس بنکر

شاہ [3] را گفتند اشکنجش بکن
لوگوں نے بادشاہ سے کہا اسکو شکنجہ میں ڈالدیجئے

تا نگوید جنس او ہیچ ایں سخن
تاکہ اس جیسا کبھی کوئی ایسی بات نہ کہے

شاہ دیدش بس نزار و بس ضعیف
شاہ نے اس کو بہت لاغر اور کمزور دیکھا

کہ بیک سیلی بمیرد آں نحیف
کہ وہ کمزور ایک طمانچہ سے مر جائیگا

کے تواں او را فشردن یا زدن
اس کو کب بھینچا یا مارا جا سکتا ہے

کہ چو شیشہ گشتہ است او را بدن
کیونکہ اُس کا بدن شیشہ کی طرح ہوگیا ہے

لیک با او گویم از راہِ خوشی
لیکن میں اُس کو خوشی سے کہوں گا

کہ چرا داری تو لافِ سرکشی
کہ تو بکواس کی سرکشی کیوں کرتا ہے؟

کہ درشتی ناید اینجا ہیچ کار
کیونکہ اس جگہ سختی کارآمد نہ ہوگی

کہ [1] بنرمی سر کند از غار مار
کیونکہ سانپ نرمی سے غار سے باہر آتا ہے

مردماں را دور کرد از گرد وے
لوگوں کو اس کے چاروں طرف سے ہٹا دیا

شہ لطیفے بود و نرمی وردِ وے
بادشاہ خوش مزاج تھا اور نرمی اسکی عادت تھی

پس نشاندش باز پرسیدش زجا
تو اس کو بٹھایا، پھر اس سے وطن پوچھا

کہ کجا داری معاش و ملتجا
کہ تو روزگار اور ٹھکانا کہاں رکھتا ہے؟

گفت اے شہ ہستم از دار السلام
اس نے کہا اے بادشاہ! میں دار السلام کا ہوں

آمدہ ز انجا بدیں دار الملام
اس جگہ سے اس ملامت کے گھر میں آگیا ہوں

نے مرا خانہ ست و نے یک ہمنشیں
نہ میرا گھر ہے اور نہ کوئی ساتھی ہے

خانہ کے کردست ماہے در زمیں
چاند نے زمین پر کب گھر بنایا ہے؟

پادشاہ [2] از روی لاغش گفت باز
بادشاہ نے مذاق میں پھر اس سے کہا

کہ چہ خوردی و چہ داری چاشت ساز
کہ تو نے کیا کھایا ہے؟ اور تیرے پاس ناشتہ کیلئے کیا ہے؟

اشتہا داری چہ خوردی بامداد
تجھے بھوک ہے! تو نے صبح کیا کھایا ہے؟

کہ چنیں سرمستی و پر لاف و باد
کہ تو اس قدر نشہ میں اور شیخی اور تکبر سے بھرا ہوا ہے

گفت گر نانم بدے خشک و تری
اُسنے کہا اگر میرے پاس باسی یا تازہ روٹی ہوتی

کے کنم من دعوی پیغمبری
میں پیغمبری کا دعویٰ کب کرتا؟

دیکھا۔ سیلی۔ طمانچہ۔ نحیف۔ لاغر۔ کے تواں۔ چونکہ وہ بہت کمزور ہے سزا کو برداشت نہ کر سکے گا۔ لیکن۔ شاہ نے سوچا کہ بجائے سزا کے اُس کو سمجھا دے۔

[1] کہ بنرمی۔ بین بجانے سے سانپ سوراخ سے باہر نکل آتا ہے۔ مرداں۔ شاہ نے تنہائی میں اُس سے پوچھا کہ کہاں کا رہنے والا ہے اور کیا کام کرتا ہے۔ گفت۔ اُس نے کہا دار السلام سے دار الملام میں آیا ہوں.... دار السلام سلامتی کا گھر، عالم بالا۔ دار الملام۔ ملامت کا گھر، دنیا۔ لہٰذا میں چاند کی طرح ہوں لہٰذا نہ میرا کوئی گھر معین ہے نہ کوئی ہمنشیں ہے۔

[2] پادشاہ۔ بادشاہ نے تفریحاً اُس سے کہا کہ تو نے کیا کھایا تھا اور ناشتہ کے لئے تیرے پاس کیا ہے۔ گفت۔ اُس نے کہا اگر کچھ ہوتا تو میں پیغمبری کا دعویٰ کیوں کرتا۔ دعویٰ۔ ان لوگوں میں پیغمبری کا دعویٰ ایسا ہی مشکل کام ہے جیسا کہ کوئی پہاڑ میں دل کی تلاش کرے۔

شرح مولانا نے رُبع اوّل کے آخر میں فرمایا تھا۔ گرد رابنان مرترا نانے بدرے۔ از خریداران دلت فارغ شدے۔

اب اس کے مناسب ایک شخص کا قصہ بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے ایک شخص نے دعوائے نبوت کیا۔ لوگ اسکو بادشاہ کے پاس لے گئے بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تو نے کیا کھایا ہے جو اتنا مدہوش ہوا کہ تجھے یہ بھی خبر نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور کتنا بڑا دعوائے کر رہا ہوں اس پر اس نے کہا کہ حضور اگر میرے پاس کچھ کھانے کو ہوتا تو میں ایسا دعوائے کیوں کرتا۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ میں پیغمبر ہوں اور تمام پیغمبروں سے بڑھ کر ہوں۔ لوگوں نے اسے گرفتار کیا اور بادشاہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ دعوائے کرتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں اور لوگ وہاں چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح جمع ہو گئے اور اس سے کہا کہ یہ کیسا مکر اور کیسا فریب اور کیسا جال ہے۔ تجھ میں رسول کی کوئی بات نہیں بجز اس کے کہ تو عدم سے آیا ہے پس اگر عدم سے وجود میں آنا ہی رسالت ہے تو ہم سب رسول ہیں۔ کیونکہ ہم بھی عدم سے وجود میں آئے ہیں اور ہمارا وطن اصلی بھی عدم ہے اور عالم وجود میں ہم مسافرانہ حیثیت سے ہیں پھر تو رسالت کے ساتھ مخصوص کیسے ہو سکتا ہے۔

یہ سنکر اُس قائل مدعی رسالت نے جواب دیا کہ اے اندھے! اور احمق اور بیہودہ لوگو! تقدیر الٰہی نے تمہاری عقلوں پر پردہ ڈال دیا ہے

تم اپنے اور میرے اندر فرق نہیں سمجھتے تم اتنا نہیں سمجھتے کہ تم یہاں اپنے اندھے پن کے سبب بے خبر آئے ہو۔ اور سوئے ہوئے بچے کی طرح آئے ہو کہ نہ تم کو راہ کی خبر تھی نہ منزل کی۔ تم منزلوں سے سوتے اور بے ہوشی کی حالت میں گذرے ہو۔ نہ تم نے رستہ کو جانا۔ اور نہ اس کی اونچ نیچ کو۔ برخلاف میرے

کہ میں بیداری کی حالت میں ماورائے عالم ناسوت سے چلا۔ اور اسی حالت میں عالم ناسوت
میں آیا۔ میں منزلوں کی جڑ بنیاد سے واقف ہوں۔ اور راہبروں کی طرح واقف اور۔۔
راہ شناس ہوں۔ پھر میں اور تم دونوں یکساں کیسے ہوسکتے ہیں اس پر لوگوں نے
بادشاہ سے کہا کہ حضور! اسے سزا دیں تاکہ یہ اس قسم کی باتیں نہ کرے۔ جب بادشاہ
نے دیکھا کہ وہ بہت دبلا پتلا اور کمزور ہے کہ ایک تھپڑ میں مر جائیگا اور اسلئے وہ
شکنجہ میں کسنے یا مار کا تحمل نہ کر سکے گا کیونکہ اس کا جسم شیشہ کی طرح کمزور ہے۔ تو
اس نے خیال کیا کہ اسکو سزا نہ دینی چاہیئے۔ ہاں اسکو نرمی سے سمجھانا چاہیئے کہ تو ایسی سرکشی
کیوں کرتا ہے کیونکہ اس جگہ سختی کام نہ دیگی۔ بلکہ نرمی کام دیگی اسلئے کہ نرمی مخالف کے
قابو میں لانے کے لئے اکسیر ہے چنانچہ نرمی سے سانپ بھی بل سے نکل کر قابو میں آجاتا
ہے ـــــ یہ خیال کر کے اس نے لوگوں کو اسکے پاس سے ہٹا دیا اور کہہ دیا کہ تم جاؤ
ہم خود نبٹ لیں گے۔ بادشاہ چونکہ نرم تھا اور نرمی ہی اس کا شیوہ تھا۔ اس لئے اس نے
اسے پاس بٹھلایا اور کہا کہ آپ کا مکان کہاں ہے اور آپ کی بود و باش اور ٹھکانہ کس
جگہ ہے۔ اس نے کہا کہ جناب! میں دارالامن عالم غیب کا رہنے والا ہوں اور اس
دار ملامت دنیا میں آیا ہوا ہوں۔ یہاں نہ میرا گھر ہے نہ کوئی دوست۔ میں بمنزلہ
چاند کے ہوں اور دنیا بمنزلہ زمین کے۔ اور چاند زمین میں گھر نہیں بناتا۔ اسلئے میرا
یہاں کوئی گھر نہیں۔ بادشاہ نے دل لگی سے کہا کہ جناب نے کچھ کھایا ہے اور کیا کھانا جناب کو
اور دوپہر کو کیا کھانا مرغوب ہے اور اس وقت کچھ بھوک ہے یا نہیں اور صبح آپ نے
کیا کھایا تھا کہ اسکے نشہ میں آپ اس قدر مست اور مغرور ہیں اس نے جواب دیا۔ کہ
جناب! اگر کسی قسم کی روٹی سوکھی ہوئی یا تر میرے پاس کھانے کو ہوتی تو میں پیغمبری
کا دعوٰے ہی کیوں کرتا۔ یعنی اگر میں سچا نبی ہوں جیسا میرا دعوٰے ہے تب تو یہ سوال۔۔۔
لغو بھی ہے لیکن اگر میں جھوٹا ہوں تو بھی یہ سوال لغو ہے کیونکہ اس وقت میرا یہ دعوٰی پیٹ

کے لیے ہوگا۔ پس میرا دعوائے پیغمبری کرنا خود دلیل ہوگا اس کی کہ میں نے کچھ نہیں کھایا۔ اسلیئے یہ سوال بالکل لغو ہے۔

اِس قصہ کو یہاں تک پہنچا کر مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

دعویِ پیغمبری با ایں گروہ ۔۔۔ ہمچناں باشد کہ دل جُستن ز کوہ
اس جماعت کے سامنے پیغمبری کا دعویٰ کرنا ایسا ہے جیسا کہ پہاڑ میں سے دل تلاش کرنا

کس ز کوہ و سنگ عقل و دل نجُست ۔۔۔ فہم و ضبطِ نکتۂ مُشکل نجُست
پہاڑ اور پتھر سے کسی شخص نے عقل اور دل کی جستجو نہیں کی ہے مشکل نکتہ کی سمجھ بوجھ کو نہیں تلاش کیا ہے

ہر چہ گوئی باز گوید کہ ہماں ۔۔۔ میکُند افسوس چوں مُستہزیاں
تو جو کچھ کہتا ہے وہ اس کو دہرا دیتا ہے، کہ وہی مذاق کرتا ہے جس طرح مذاق اڑانیوالے

از کجا ایں قوم و پیغام از کجا ۔۔۔ از جمادے جاں کرا باشد رجا
کہاں یہ قوم، کہاں پیغام (خداوندی) پتھر سے کس کو جان کی اُمید ہوتی ہے!

گر تو پیغامِ زنے آری و زر ۔۔۔ پیشِ تو بنہند جملہ سیم و سَر
اگر تو عورت کا پیغام لائے اور سونا تیرے سامنے سب چاندی اور سر رکھ دیں گے

کہ فلاں جا شاہدے می خواندت ۔۔۔ عاشق آمد بر تو و می داندت
کہ فلاں جگہ ایک معشوق تجھے بلاتا ہے وہ تجھ پر عاشق ہو گیا ہے اور تجھے جانتا ہے

ور تو پیغامِ خدا آری چو شہد ۔۔۔ کہ بیا سوی خدا اے نیک عہد
اور اگر تو شہد جیسا خدا کا پیغام لائے کہ اے قول و قرار کے سچے! اللہ کی جانب آ جا

از جہانِ مرگ سوی برگ رو ۔۔۔ چوں بقا ممکن بُود فانی مشو
موت کی دنیا سے ساز و سامان کے عالم کی جانب چل جب بقا ممکن ہو تو ہلاک نہ ہو

قصدِ خونِ تو کنند و جان و سَر ۔۔۔ نز برائے حمیتِ دین و ہُنر
تیرے خون اور جان اور سر کا قصد کریں گے ہنرمندی اور دین کی حمایت کی وجہ سے نہیں

بلکہ از چفسیدگی بر خانماں ۔۔۔ تلخ شاں آید شنیدن ایں بیاں
بلکہ گھر بار کی وابستگی کی وجہ سے اُن کو یہ بات سننا کڑوا معلوم ہوتا ہے

سببِ عداوتِ عام و بیگانہ زیستن ایشاں با اولیائے خدا کہ بحق
عوام کی عداوت اور اُن کے خدا کے اولیاء سے بیگانہ ہو کر زندگی کا یہ سبب ہوئے کہ وہ

شاں میخوانند و بآبِ حیاتِ ابدی ارشاد می نمایند
اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں اور ہمیشگی کے آبِ حیات کیطرف راہنمائی کرتے ہیں

[illegible] کس۔ پہاڑ اور پتھر کا طالب کوئی تلاش نہیں کرتا ہے نہ اُن سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ باریک اور مشکل نکتے سمجھیں گے۔ ہر چہ۔ پہاڑ سے تم جو کچھ کہو گے وہ بازگشت آواز سے تمہارا مذاق ہی اڑائے گا۔ از کجا۔ یہی حال اِس قوم کا ہے کہ خدا کے پیغام سے اِن کو کوئی مناسبت نہیں ہے۔ گر تو۔ ہاں اگر اُن کے پاس کسی حسین عورت کا پیغام لاؤ تو سب کچھ قربان کر دیں گے۔

[illegible] کہ فلاں۔ اگر ان کو یہ پیغام دو کہ فلاں جگہ ایک معشوق ہے وہ تم پر عاشق ہے اور تمہیں خوب جانتا ہے۔ ور تو۔ یعنی اگر انہیں خدا کی طرف بلاؤ تو ناگوار ہوتا ہے۔ از جہاں۔ یہ پیغام دو کہ فانی دنیا سے آخرت کی طرف رجوع کرو۔ قصد۔ تو یہ لوگ اِس پیغام پر پیغامبر کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔

[illegible] نز۔ یہ لوگ اللہ کے پیغام کو جو رد کرتے ہیں تو کسی دین کی حمایت میں نہیں کرتے ہیں بلکہ چونکہ اُن کو اِس فانی دنیا سے دلچسپی ہے اِس لئے رد کرتے ہیں؛ وہ اُن کو میٹھا پیغام تلخ لگتا ہے اور اُن کی مثال اُس گدھ کی سی ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے جو کہ۔

خرقہ بر ریش خر چفسیدہ سخت
پٹی گدھے کے زخم پر سخت چپکی ہوئی ہے

چونکہ خواہی بر کنی زو لخت لخت
جب تو اس سے ٹکڑے ٹکڑے اکھاڑے گا

جفتہ انداز د یقیں آں خر ز درد
وہ گدھا یقیناً تکلیف کی وجہ سے دولتی مارےگا

حبذا آں کس کز و پرہیز کرد
خوش نصیب ہے، وہ شخص جو اس سے بچ گیا

خاصہ پنجہ ریش و ہر جا خرقہ
خصوصاً جبکہ پچاس زخم ہوں اور ہر جگہ پٹی

بر سرش چفسیدہ در نم غرقہ
پیپ کی، نمی میں اس پر چپکی ہوئی ہو

خانماں چوں خرقہ ایں حرص ریش
گھربار پٹی ہے اور یہ حرص زخم ہے

حرص ہر کہ بیش باشد ریش بیش
جس کو زیادہ حرص ہوگی اُسکے زخم زیادہ ہونگے

خانمانِ چغد ویران ست و بس
چغد کا گھربار صرف ویرانہ ہے

نشنود اوصافِ بغداد و طبس
وہ بغداد اور طبس کی خوبیاں نہیں سنتا ہے

گر بیاید باز سلطانی ز راہ
اگر شاہی باز راستہ طے کرکے آئے

صد خبر آرد بدیں چغدان ز شاہ
ان چغدوں کو بادشاہ کی سینکڑوں خبریں سنائے

شرحِ دار الملک و باغستان و جو
دار السلطنت اور باغ اور نہر کی تفصیل

پس بر و افسوس دارد ہر عدو
تو پھر دشمن اُس کا مذاق اڑائے گا

کہ[1] چہ باز آورد افسانہ کہن
کہ باز پرانا قصہ کیوں لایا

کز گزاف و لاف میبافد سخن
کہ بیہودہ اور شیخی کی باتیں کرتا ہے

کہنہ ایشانند و بوسیدہ ابد
پرانے اور ہمیشہ کے لئے سڑے ہوئے وہ ہیں

ورنہ آں دم کہنہ را نو میکند
ورنہ وہ بات پرانے کو نیا کر دیتی ہے

مردگانِ کہنہ را جاں میدہد
پرانے مُردوں کو جان عطا کر دیتی ہے

تاجِ عقل و نورِ ایماں میدہد
عقل کا تاج اور ایمان کا نور دے دیتی ہے

دل مدزد از دلربائے روح بخش
روح بخشنے والے معشوق سے دل نہ چرا

کہ سوارت میکند بر پشتِ رخش
کیونکہ وہ تجھے عمدہ گھوڑے پر سوار کردیگا

سر[2] مدزد از سر فرازِ تاج دہ
سر بلند کرنیوالے تاج بخشنے والے سے سر نہ چھپا

کو زپائے دل کشاید صد گرہ
کیونکہ وہ دل کے پاؤں سے سینکڑوں گرہ کھولیگا

با کہ گویم در ہمہ دہ زندہ کو
کس سے کہوں، پورے گاؤں میں زندہ کون ہے؟

سوئے آبِ زندگی پوئندہ کو
آبِ حیات کی جانب دوڑنیوالا کون ہے؟

تو بیک خواری گریزانی ز عشق
تو ایک ذلت کیوجہ سے عشق سے بھاگ جانیوالا ہے

تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق
تو عشق کے نام کے سوا کیا جانتا ہے؟

عشق را صد ناز و استکبار ہست
عشق کے سینکڑوں ناز اور غرور ہیں

عشق با صد ناز می آید بدست
عشق سینکڑوں نازوں سے ہاتھ لگتا ہے

زخمی گدھے کے زخم دھونے کے لئے اگر کوئی شخص اس کے پھائے اکھاڑتا ہے تو وہ گدھا لاتیں مارتا ہے۔

[3] خاصہ۔ خصوصاً جب زیادہ اور خراب زخم ہوں اور پھائے اُنپر چپک گئے ہوں تو گدھا زیادہ لاتیں مارتا ہے۔ خانماں۔ ان دنیاداروں کی حرص انکے زخم ہیں، اور گھربار اُن زخموں کے پھائے ہیں۔ چغد۔ اُلو کا مسکن ویرانہ ہے اگر اُس کو کوئی بغداد اور طبس شہروں کی خوبی سنائیگا تو وہ کبھی سننے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ گر بیاید۔ اگر کوئی اللہ کا پیغمبر انکو اللہ کی باتیں سناتا ہے تو یہ دنیادار چغد اُسکا مذاق اُڑاتے ہیں۔

[1] کہ چہ۔ دنیادار پیغمبر کی باتوں پر کہتے ہیں کہ یہ پرانی کہانیاں ہیں۔ کہنہ۔ یہ خود پرانے اور بوسیدہ ہیں ورنہ یہ باتیں تو پرانے کو بھی نیا بنادیتی ہیں۔ مُردگاں۔ جن لوگوں کے دل مُردہ ہوچکے ہیں یہ باتیں اُنکو نئی زندگی بخشدیتی ہیں عقل کا تاج اور ایمان کا نور عطا کردیتی ہیں۔ دل مدزد۔ اُس دلربا کی اِن باتوں سے دل نہ چرا وہ تیرے سرکش نفس پر تجھے قابو دیدیگا۔

[2] سر مدزد۔ یہ پیغمبر وقت تجھے تاج پہنادیگا تیرے دل کی گرہیں کھول دے گا۔ با کہ گویم۔ لیکن ان باتوں کے سننے والے کہاں ہیں آبِ حیات کے طالب مفقود ہیں۔ تو بیک خواری۔ عشق میں اگر ایک ذلت اُٹھانی پڑجائے تو تو عشق

عشق چون وافی ست وافی میخرد | در حریفِ بیوفا می ننگرد
عشق چونکہ وفادار ہے، وفادار کا خریدار ہے | بیوفا دوست کی طرف نظر نہیں کرتا ہے

چون درخت ست آدمی و بیخ عہد | بیخ را تیمار می باید بجہد
انسان درخت کی طرح ہے اور (وفا) عہد جڑ ہے | جڑ کی کوشش سے حفاظت کرنی چاہئے

عہدِ فاسد بیخ بوسیدہ بود | وز ثمار و لطف ببریدہ بود
خراب عہد، سڑی ہوئی جڑ ہوتا ہے | اور مہربانی کے پھلوں سے کٹا ہوا ہوتا ہے

شاخ و برگِ نخل اگرچہ سبز بود | با فسادِ بیخ سبزی نیست سود
کھجور کی شاخ اور پتے اگرچہ سبز ہوں | جڑ کی خرابی کے ہوتے ہوئے سبزی مفید نہیں ہے

ور ندارد برگِ سبز و بیخ ہست | عاقبت بیرون کند صد برگ دست
اور اگر سبز پتے نہ ہوں اور جڑ (ہیچ) ہے | انجام کار سینکڑوں پتے ہاتھ نکالیں گے

تو مشو غرہ بعلمش عہد جو | علم چون قشر ست عہدش مغز او
تو اُس کے علم سے دھوکا نہ کھا، عہد کی جستجو کر | علم چھلکا جیسا ہے اُس کا عہد اُس کا مغز ہے

• جس شخص میں وفاداری نہ ہو وہ اُس درخت کی طرح ہے جو جڑ گل جانے سے پھلوں سے محروم ہوگیا ہو۔

در بیان آنکہ مرد بدکار چون متمکن شود در بدکاری و اثرِ دولت
اس کا بیان کہ بدکار انسان جب بدکاری میں لگ جاتا ہے اور نیکوں کی دولت

نیکوکاران ببیند شیطان صفت شود و مانعِ خیر گردد از حسد
کا اثر دیکھتا ہے شیطان جیسا بن جاتا ہے اور حسد سے شیطان کی طرح بھلائی کیلئے مانع

ہمچو شیطان کہ خرمن سوختہ ہمہ را خرمن سوختہ خواہد
بنتا ہے کیونکہ جس کا کھلیان جل گیا ہو سب کو جلے ہوئے کھلیان والا چاہتا ہے

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ
کیا تو نے نہیں دیکھا اس کو جو بندے کو منع کرتا ہے جبکہ وہ نماز پڑھے الخ

وافیان را چون ببینی کردہ سود | تو چو شیطانے شوی آنجا حسود
جب تو وفاداروں کو سودمند دیکھتا ہے | تو تو شیطان کی طرح اُس وقت حاسد بنتا ہے

ہر کرا باشد مزاج و طبع سست | او نخواہد ہیچکس را تندرست
جس شخص کا مزاج اور طبیعت مریض ہو | وہ کسی کو تندرست دیکھنا پسند نہیں کرتا

گر نخواہی رشکِ ابلیسی بیا | از درِ دعوے بدرگاہِ وفا
اگر تو شیطان کا سا حسد نہیں کرنا چاہتا ہے تو آجا | دعوے کے دروازے سے ہٹ کر، وفا کی درگاہ میں

کو چھوڑ بھاگتا ہے تو نے ب عشق کا نام سنا ہے اُس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہے عشق بہت منکسر اور نازوں بھرا ہے بہت مصیبتوں سے ہاتھ لگتا ہے
سے عشق۔ عشق وفادار ہے وہ وفادار ہی کو حاصل ہوتا ہے وہ بے وفا کی طرف نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتا ہے۔ بیخ عہد۔ انسان کی اصل اور جڑ وفاداری ہے اور درخت کی جڑ کی حفاظت ضروری ہے۔ عہد فاسد

سے شاخ۔ جس درخت کی جڑ گل گئی ہو اسکے پتوں کی سبزی کچھ مفید نہیں ہے۔ ور ندارد اگر جڑ درست ہے، پتوں کے جھڑ جانے سے کوئی نقصان نہیں ہے پتے پھر آجائیں گے۔ تو مشو۔ کسی انسان کے علم سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے یہ دیکھنا چاہئے کہ اُسمیں وفاداری کا مادہ ہے یا نہیں وفاداری انسان کا جوہر ہے۔
سے در بیان۔ انسان جب خود بھلائیوں سے محروم ہوتا ہے تو دوسروں کی بھلائیوں سے شیطان کی طرح جلنے لگتا ہے اور چاہتا ہے وہ بھی بھلائی سے محروم ہو جائیں یہی حال ابوجہل کا تھا آنحضور کو نماز پڑھتے نہ دیکھ سکتا تھا۔ وافیان۔ ناکام انسان بامراد انسانوں پر شیطان کی طرح حسد کرتا ہے۔ ہر کہ۔ بیمار آدمی سب کو تنگ دیکھنا چاہتا ہے۔ گر نخواہی اگر انسان اس ابلیسی صفت سے بچنا چاہے تو خود کو کامیاب بنائے

چون وفا نیست بارے دم مزن[1]
جبکہ تجھ میں وفا نہیں ہے اُس کا نام نہ لے

کایں سخن دعویست اغلب ما و من
کیونکہ یہ بات اکثر تکبر کا دعویٰ ہے

ایں سخن در سینہ دخلِ مغزہاست
یہ بات سینے میں مغزوں کی آمدنی ہے

در خموشی مغزِ جاں را صد نماست
چپ رہنے میں جان کے مغز کا بہت نما ہے

چوں بیامد در زباں شد خرجِ مغز
جب وہ بات زبان پر آئی، مغز خرچ ہو گیا

خرج کم کن تا بماند مغزِ نغز
خرچ نہ کر تاکہ عمدہ مغز باقی رہے

مردِ کم گویندہ را فکریست زفت[2]
کم گو انسان کا خیال مذہبی ہوتا ہے

قشرِ گفتن چوں فزوں شد مغز رفت
باتیں کرنے کا چھلکا جب بڑھا عمدہ مغز ختم ہو گیا

پوست افزوں گشت و کمتر گشت مغز
چھلکا بڑھا، اور مغز گھٹا

پوست کمتر شد فزوں شد مغزِ نغز
چھلکا گھٹا تو عمدہ مغز بڑھا

بنگر ایں ہر سہ ز خامی رستہ را
ان تین پکے ہوؤں کو دیکھ لے

جوز را و لوز را و پستہ را
اخروٹ کو اور بادام کو اور پستہ کو

ہر کہ او عصیاں کند شیطاں شود
جو نافرمانی کرتا ہے، شیطان بن جاتا ہے

کہ حسودِ دولتِ نیکاں شود
کیونکہ وہ نیکوں کی دولت کا حاسد ہو جاتا ہے

چونکہ در عہدِ خدا کردی وفا
جب تو نے خدا کے عہد کی وفا کی

از کرم عہدت نگہدارد خدا
عنایت کر کے، خدا تیرے عہد کی حفاظت کرتا ہے

از وفائے حق تو بستہ دیدہ
اللہ تعالیٰ کی وفاداری سے تو نے آنکھ بند کر لی ہو

اُذْکُرُوا اَذْکُرْکُمْ نشنیدہ[3]
"تم یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا" تو نے نہیں سنا ہے

گوش نہ اَوْفُوا بِعَھْدِیْ گوش دار
کان لگا "تم میرے عہد کی وفاداری کرو" کو سن

تا کہ اُوْفِ عَھْدَکُمْ آید ز یار
تاکہ دوست کی جانب سے "میں تمہارا عہد پورا کروں گا" کی جانب

عہد و قرضِ ما چہ باشد اے حزیں
اے غمگین! ہمارا عہد اور قرض کیا ہوتا ہے؟

ہمچو دانہ خشک کشتن در زمیں
(ایسا ہی ہے) جیسا کہ زمین میں خشک دانہ بونا

نے زمیں را زاں فروغ و لمتری[4]
اُس سے زمین کو کوئی اضافہ یا بڑھوتری نہیں ہے

نے خداوندِ زمیں را تا نگری
نہ زمین کے مالک کے لئے مالداری ہے

جز اشارت کہ ازیں می بایدم
سوائے اِس اشارے کے کہ مجھے اس میں سے درکار ہے

کہ تو دادی اصل ایں را از عدم
کیونکہ تو نے ہی اِس کی اصل کو عدم سے عنایت کیا تھا

خوردم و دانہ بیاوردم نشاں
میں نے کھا لیا اور ایک دانہ نشانی کے طور پر لے آیا ہوں

کہ ازیں نعمت بسوئے ما کشاں
کہ اِس نعمت کو ہمارے لئے بھیج دے

---

[1] چوں۔ جب انسان وفاداری سے خالی ہے تو اُسکو خاموش رہنا چاہئے اسلئے کہ اِس صورت میں اُسکے دعوے میں دو برائیاں ہونگی ایک بیوفائی دوسرے دروغگوئی۔ کایں سخن۔ انسان کی زیادہ باتیں عموماً تکبر پر مبنی ہوتی ہیں۔ دخل۔ آمدنی جب تک بات سینے میں ہے وہ روح کا جوہر ہے اُسکو خرچ نہ کرنا چاہئے۔ چوں بیامد۔ بات کرنے سے روح کا جوہر صرف ہوتا ہے تو اُسکو خرچ نہ کرنا چاہئے۔

[2] مرد۔ اس خیال مغز ہے اور اُس کی تعبیر کے الفاظ چھلکا ہیں جس قدر چھلکا کم ہو گا گودا بڑھے گا۔ بنگر۔ اخروٹ اور بادام اور پستہ کو دیکھ لے اُن کا اگر چھلکا موٹا ہے گری کم نکلے گی۔ ہر کہ۔ گنہگار شیطان صفت ہو جاتا ہے۔ چونکہ۔ جب انسان عہدِ الست یا فرائض کے عہد میں وفاداری دکھاتا ہے تو پھر خدا اُس کے عہد کی نگہبانی فرماتا ہے اور عہد شکنی سے بچاتا ہے۔

[3] اذکروا۔ قرآن پاک میں ہے "اُذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ" تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور کفر نہ کرو۔ اَوْفُوا قرآن پاک میں ہے "اَوْفُوْا بِعَھْدِیْ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ" تم میرے عہد کی وفا کرو میں تمہارے عہد کی وفا کروں گا۔ عہد و قرض۔ ہم جو اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں یا اُس کو قرض دیتے ہیں اُس میں ہمارا ہی فائدہ ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ہم زمین میں ایک دانہ بوتے ہیں اس سے زمین کو فائدہ نہیں تو ہمارا فائدہ ہے۔

[4] لمتری۔ مثلاً پانا۔ تا نگری۔

پس دعائے خشک ہل اے نیک بخت
کہ فشاند دانہ می خواہد درخت

اے نیک بخت! خشک دعا کو چھوڑ دے
جو کہ دانہ بکھیرتا ہے، درخت چاہتا ہے

گر نہ داری دانہ ایزد زاں دعا
بخشدت نخلے کہ نعم ما سعیٰ

اگر تیرے پاس دانہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ اس دعا سے
تجھے کھجور عنایت کردے گا کیونکہ اپنی جو کوشش کی ہے وہ اچھی ہے

ہمچو مریم[1] درد بودش دانہ نے
سبز کرد آں نخل را صاحب فنے

جس طرح کہ حضرت مریمؑ انکے پاس درد تھا دانہ نہ تھا
صاحب تدبیر نے اس کھجور کو سرسبز کردیا

زانکہ وافی بود آں خاتونِ راد
بے مرادش داد یزداں صد مراد

کیونکہ وہ دانا خاتون وفادار تھیں
اللہ نے ان کے مانگے بغیر سیکڑوں مرادیں دیدیں

آں جماعت را کہ وافی بودہ اند
بر ہمہ اصناف شاں افزودہ اند

جو لوگ وفادار ہوتے ہیں
تمام طبقوں پر ان کو فضیلت دیدی گئی ہے

گشت دریاہا شکم پردازِ شاں
صحن میدانہا نتاند رازِ شاں

دریا ان کی پرورش کرنے والے بنے ہیں
میدانوں کی وسعت ان کے راز نہ سما سکی

گشت دریاہا مسخر شان و کوہ
چار عنصر نیز بندہ آں گروہ

دریا اور پہاڑ ان کے تابع فرمان بنے
اس جماعت کے چاروں عناصر بھی غلام ہیں

ایں خود اکرامیست از بہرِ نشاں[2]
تا ببیند اہلِ انکاراں عیاں

یہ دکھلانے کے لئے اکرام ہے
تاکہ منکرین واضح طور پر دیکھ لیں

آں کراماتہائے پنہاں شاں کہ آں
در نیاید در حواس و در بیاں

ان کی وہ پوشیدہ کرامتیں ہیں کہ وہ
حواس اور بیان میں نہیں آسکتیں

کار آں دارد خود آں باشد ابد
دائماً نے منقطع نے مُسترد

وہ ایسے کام رکھتی ہیں کہ وہ ابدی ہوتے ہیں
مسلسل، نہ منقطع ہوتے ہیں، نہ مسترد

بلکہ باشد در ترقی دمبدم
ہست آں بخشندہ صاحب کرم

بلکہ وہ ہر لمحہ ترقی میں ہوتے ہیں
وہ عطا کرنے والا کریم ہے

[1] ہمچو مریمؑ۔ حضرت مریمؑ نے کھجور کی گٹھلی نہیں بوئی تھی البتہ ان کو درد تھا اس سے درخت اُگ آیا۔ آں جماعت۔ اللہ کے عہد کو پورا کرنے والے سب افضل ہیں۔ گشت۔ حضرت موسیٰؑ نے تابوت میں دریا میں رہتے ہوئے اور حضرت یونسؑ نے مچھلی کے پیٹ میں دریا میں رہتے ہوئے پرورش پائی۔ چار عنصر۔ مختلف جگہ بتایا گیا ہے کہ آگ، پانی، ہوا، مٹی نے انبیاء کی مدد کی۔

[2] ایں خود۔ معجزے محض لوگوں کو دکھانے کے لئے دیئے جاتے ہیں۔ آں کراماتہائے۔ لیکن باطنی کرامتیں جو عوام کی نگاہوں سے مخفی ہوتی ہیں وہ اصل ہیں اور وہ دمبدم بڑھتی رہتی ہیں جیسی کہ استقامت فی الدین اتباعِ سنت وغیرہ۔

شرح

اوپر ایک شخص کے دعوے نبوت کرنے اور لوگوں کے اس کی تکذیب کرنے کا ذکر تھا۔ اب مولانا مضمون ارشاد کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور مناط انتقال مطلق دعوے پیغمبری ہے۔ خصوصیت

کذب دعوے کو اس میں دخل نہیں فیہ اس مضمون میں پیغمبری سے مراد مطلق احکام خداوندی کا پہنچانا ہے خواہ پہنچانے والا نبی ہو یا نائب نبی۔ جب یہ معلوم ہوچکا تو اب حل سنو! مولانا فرماتے ہیں کہ لوگوں کا اسکی تکذیب کرنا کچھ بعید نہیں کیونکہ خیر وہ تو جھوٹا تھا یہ تو سچوں کو بھی جھٹلاتے ہیں۔ اسلیئے ان کے سامنے پیغام رسانی حق سبحانہٗ کا دعوے کرنا یونہی بے سود ہے۔ جیسے پہاڑ سے طالب تعقّل ہونا۔ بھلا کوئی پہاڑ اور پتھر سے بھی طالب تعقل ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ مسائل دقیقہ کو سمجھے اور یاد رکھے۔ کوئی بھی نہیں۔ کیونکہ اس سے یہ توقع ہی فضول ہے اسلیئے کہ اس کا تو یہ کام ہے کہ جو تم کہوگے وہی وہ کہہ دے گا۔ اور یوں دل لگی کریگا جیسے دل لگی باز کیا کرتے ہیں ـــ اسی طرح ان لوگوں سے بھی یہ توقع رکھنا کہ وہ مسائل و احکام الٰہیہ کو سمجھیں گے اور اس بنا پر ان کے سامنے دعوے پیغام رسانی کرنا بے سود ہے کیونکہ یہ بھی ان کو سنکر مسخرہ پن کریں گے۔ پس کجا یہ قوم کجا پیغام خداوندی۔ کیونکہ یہ تو پتھر ہیں اور پتھروں سے توقع فہم و قبول کون رکھ سکتا ہے۔

ان کی یہ حالت ہے کہ اگر تم کسی عورت یا رُپے پیسے کا پیغام لاؤ اور یوں کہو کہ فلاں مقام پر ایک پری زاد تمہیں بلاتا ہے اور تم پر عاشق ہوگیا ہے۔ اور گو تم اسے نہ جانتے ہو۔ مگر وہ تمہیں جانتا ہے۔ تو اس کو خوشی سے قبول کرلیں گے اور تمام مال و دولت بلکہ جان تک تمہارے سامنے حاضر کردیں گے لیکن اگر تم خدا کا شیریں پیغام لاؤ۔ اور کہو کہ خدا تمہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ تم اس جہاں فانی و بے سر و سامان سے۔ عالم باقی و با سر و سامان کی طرف چلو۔ اور جبکہ تمہارے لیئے بقا ممکن ہے تو خواہ مخواہ فانی نہ بنو۔ تو اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تمہارے خون کے پیاسے ہوجائیں گے۔ اور تمہارے جان لینے اور سر اتارنے کے درپے ہوجائیں گے۔ اور یہ غیرت دین و ایمان کی بنا پر نہ ہوگا) کیونکہ اگر ایسا ہو۔ تو اسکو صرف مدعی کاذب تک محدود رہنا چاہیئے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مدعیان صادق کے

ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اس کا منشا محبت دینی نہیں ہے) بلکہ منشا اس کا حُبِ دنیا ہے اور دنیا کیساتھ وابستگی کے سبب انکو یہ بیان اچھا نہیں معلوم ہوتا اور انکی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے گدھے کی چنانچہ جب گدھے کے زخم پر کپڑا خوب چپک جاتا ہے تو جس وقت تم اس کو جدا کرنا چاہتے ہو تو وہ یقیناً تکلیف سے دولتی پھینکتا ہے۔ پس وہ شخص بہت ہی اچھا ہے جو اس سے بچے اور اس کے زخم کو نہ چھیڑے اور اسے اس کی حالت پر چھوڑ دے کیونکہ وہ زخم پر سے کپڑا اکھیڑنے والے پر یقیناً دولتی پھینکتا ہے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ پچاس زخم ہوں۔ اور ہر زخم پر کپڑا چپکا ہو۔ اور زخم کی حالت اتنی خراب ہو کہ اس سے خون و پیپ جاری ہو اور کپڑا خون وغیرہ میں ڈوبا ہوا ہو۔ ایسی حالت میں تو بالا والی دولتیاں پھینکے گا۔ پس لوگ گدھے ہیں اور ان کے حرص زخم اور امور دنیویہ کپڑا۔ پس جس کے اندر جس قدر حرص زیادہ ہوگی اسی قدر زخم زیادہ ہوں گے اور اسی قدر ان سے کپڑا چھڑانا یعنی تعلقات قطع کرانا زیادہ ناگوار ہوگا۔ اور ترک تعلقات دنیویہ اُن کو اسلئے بھی ناگوار ہونا چاہیئے کہ دنیا ایک ویرانہ ہے اور لوگ اُلّو۔ اور اُلّوؤں کا گھر بار تو ویرانہ ہی ہوتا ہے۔ وہ بغداد اور طبس کے اوصاف سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ ویرانہ کو چھوڑ کر وہاں جانا۔ تو درکنار۔ ان اُلّوؤں (دنیاداروں) کے پاس اگر کوئی شاہی باز (عارف حق) آتا ہے اور بادشاہ کے سینکڑوں عجیب عجیب حالات بیان کرتا ہے اور دارالسلطنت (عالمِ غیب) اور باغ (جنت) اور نہروں (انہارِ جنّت) کے حالات بیان کرتا ہے تو ان میں سے ہر دشمن اس کا مذاق اڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ باز (عارف) کیسا پرانا بے بنیاد قصہ لیکر آیا ہے کیونکہ اس میں حقیقت کا پتہ ہی نہیں بلکہ جو کچھ کہتا ہے سب لفاظی اور شیخی سے کہتا ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ارے کہنہ اور ناکارہ اور ہمیشہ سڑے گلے رہنے والے اور

ناقابلِ اصلاح معترضین ہیں ورنہ اہل اللہ کا کلام تو پرانوں کو نیا اور ناقصین کو کامل بنا دیتا ہے اور عرصہ دراز کے مردہ دِلوں کو حیاتِ روحانی بخشتا ہے اور انکو تاج عقل اور نورِ ایمان بخشتا ہے۔ جب عارف کی یہ حالت ہے تو اے اہلِ دُنیا! تو تم اس جان بخش دلربا سے اپنا دل نہ چراؤ۔ بلکہ اسکو اس کے حوالہ کردو۔ تاکہ وہ تم کو عزت کے گھوڑے پر سوار کرے اور تم مقرب عنداللہ ہو جاؤ۔ اور تم اس عزت بخشنے اور تاج شاہی عطا کرنے والے سے سرکشی نہ کرو۔ کیونکہ وہ تمہارے دل کے پاؤں ان سینکڑوں گرہوں کو کھول دے گا۔ جس سے وہ ناسوت میں محبوس ہو رہا ہے۔

مولانا جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو ان کو لوگوں کی نااہلیت سے تنگی لاحق ہوتی ہے اور فرماتے ہیں کہ میں یہ مضامین کس سے بیان کروں اس خراب آباد دنیا میں زندہ اور صاحب دل کون ہے جو میری بات کو سُنے اور سمجھے اور اس آبِ حیات کا طالب کون ہے جو اس کی طرف دوڑے۔ کوئی بھی نہیں پھر میرا کہنا فضول ہے۔ اگر کوئی ناقص کہے کہ میں عاشق حق ہوں۔ اور میں اس کلام کا طالب ہوں۔ تو میں اس سے کہتا ہوں کہ تمہاری حالت تو یہ ہے کہ تم ایک ذلت سے اس عشق کو سلام کروگے اسلئے تم عاشق نہیں ہو اور عشق کی تو تم کو ہوا بھی نہیں لگی بلکہ تم نے عشق کا صرف نام سُن لیا ہے۔ عشق حق یوں آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سینکڑوں ناز اور بہت کچھ نخوت اپنے اندر رکھتا ہے اسلئے وہ بہت سے ناز کر کے اور خوب آزما کے ہاتھ آتا ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ خود باوفا ہے اسلئے اپنے طالب کے اندر بھی وفاداری دیکھتا ہے اور وہ وفاداری کو چاہتا ہے۔ بے وفا کو آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ پس اگر تم عشق کے طالب ہو۔ تو وفادار بنو ——— یاد رکھو! کہ آدمی بمنزلہ درخت کے ہے اور علم بمنزلہ پتوں کے اور وفائے عہدِ حق سبحانہٗ بمنزلہ جڑ کے اور الطاف و عنایات حق سبحانہٗ بمنزلہ ثمرات کے۔ پس تم کو چاہیئے کہ پوری کوشش سے جڑ کی حفاظت کرو۔ اور وفائے عہدِ حق سبحانہٗ یعنی تقویٰ ہیں

خلل نہ آنے دو۔ کیونکہ اگر وفائے عہد میں خلل آئے گا تو جڑ خراب ہو جائیگی۔ کیونکہ عہد فاسد بمنزلہ بوسیدہ جڑ کے ہے **پس** درخت آدمی ثمرات الطافِ حق سے محروم ہو جائیگا

دیکھو! اگر اس درخت کی شاخیں اور پتے سبز ہوں یعنی علم آدمی کو حاصل ہو اور جڑ خراب ہو۔ یعنی تقوٰے میں خرابی ہو تو یہ سبزی شاخ وبرگ مفید نہ ہوگی لیکن اگر سبز پتے نہیں ہیں اور علم دین میں نقصان ہے مگر جڑ یعنی تقوٰے درست ہے تو اس کے اثر سے سینکڑوں پتے پھوٹ آئیں گے اور سینکڑوں طرح کے علوم اسے حاصل ہونگے **پس** تم کو کسی کے علم سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے بلکہ وفائے عہد یعنی تقوٰے ڈھونڈنا چاہیئے ایک وجہ تو اسکی وہ تھی جو ابھی بیان کی گئی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ صرف علم بمنزلہ چھلکے کے ہے اور وفائے عہد بمنزلہ مغز کے۔ **پس** وفائے عہد مطلوب ہوگی نفسِ علم مطلوب نہ ہوگا۔ مگر تم خود تو کیا وفا کرتے۔ تمہاری حالت تو یہ ہے کہ جب تم دیکھتے ہو کہ اہلِ وفا نفع اٹھا رہے ہیں اور ان کی وفا کے ثمرات ان کو ملتے ہیں تو تم شیطان کی طرح ان پر حسد کرتے ہو۔ اور ہونا بھی یہی چاہیئے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس کے مزاج اور طبیعت میں خلل ہوتا ہے وہ دوسروں کی تندرستی نہیں چاہتا۔ **پس** اگر تم اس رشک و حسد شیطانی سے بچنا چاہتے ہو تو دعوائے خودی کو چھوڑ کر وفا اختیار کرو اور جبکہ تم اپنے اندر وفا نہیں رکھتے تو خاموشی اختیار کرو۔ کیونکہ گفتگو اکثر اوقات دعوٰی ما و من یعنی دعوٰئ خودی سے خالی نہیں ہوتی۔ اس سے تمہارا دعوٰے چھوٹے گا اور وفا تمہارے اندر پیدا ہوگی۔ کیونکہ جب تک گفتگو سینہ کے اندر ہوتی ہے تو اس میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے کمالات روحانیہ کی جو کہ بمنزلہ مغز کے ہیں آمد ہوتی ہے اور کمالات مذکورہ کو اس سے بہت ترقی ہوتی ہے لیکن جب وہ زبان پر آجاتے ہیں تو وہ کمالات خرچ ہونے لگتے ہیں **پس** تم خرچ میں کمی نہ کرو۔ تاکہ وہ مغز کمالات باقی رہے۔

یاد رکھو! کم گو شخص کے اندر غور و خوض کا مادہ بہت ہوتا ہے لیکن جب

آدمی زیادہ بولنے لگتا ہے تو وہ مغز فہم وغیرہ رخصت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب پوست زیادہ ہوتا ہے تو مغز کم ہو جاتا ہے اور جب پوست کم ہوتا ہے تو مغز زیادہ ہے اسکی تصدیق کے لیے تم پختہ اخروٹ، بادام اور پستہ وغیرہ کی حالت پر غور کرو۔ اس سے تم کو ہمارے بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔

پس تم وفادار بنو اور بے وفائی اور مخالفت کو چھوڑو۔ کیونکہ جو شخص معاصی کا ارتکاب کرتا ہے وہ شیطان ہو جاتا ہے جو کہ اہل اللہ کی دولت پر حسد کرتا ہے اور جس وقت تم حق سبحانہٗ کے عہد طاعت کو پورا کرو گے۔ حق سبحانہٗ اپنے کرم سے تمہارے عہد جزا کو ملحوظ رکھیں گے اور اسے پورا کریں گے چونکہ تم وفائے حق سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہو۔ اسلئے تمہارے گوش جہالت میں اُذْكُرُونِيْ اَذْكُرْكُمْ نہیں پہنچا اور تم جزائے حق سبحانہٗ سے حالاً ناواقف ہو۔ پس تم کان لگاؤ اور اوّل اَوْفُوْا بِعَهْدِيْ کو سنو۔ اور اس حکم پر کاربند ہو۔ تاکہ حق سبحانہٗ کی طرف سے اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ پر عمل ہو اور تمہیں اس کا نتیجہ ملے۔ ہمارے عہد اور ہمارے فرض یعنی طاعت کی ایسی مثال ہے جیسے خشک دانہ زمین میں ہونا کہ اس سے نہ زمین کو فائدہ اور زیادتی حاصل ہوتی ہے اور نہ مالک زمین کو اس سے تونگری حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ صرف اس میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ مجھے اس قسم کی چیز کی ضرورت ہے جو کہ تو نے عدم سے دی ہے۔ یعنی میں اس کے مناسب جزا چاہتا ہوں میں نے وہ تیری نعمت کھالی۔ اور اب یہ دانہ بطور نشانی کے لایا ہوں اور کہتا ہوں کہ اس قسم کی نعمت ہمیں اور دیجئے پس جس طرح بیج بونے میں خود اپنا ہی نفع ہے یوں ہی طاعت میں بھی خود اپنا ہی فائدہ ہے۔ جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ عمل و طاعت بمنزلہ دانہ کے ہے۔ تو اب تم کو چاہیئے کہ ثمرات کے لیے صرف دعا نہ کرو کیونکہ درخت مقتضی ہے دانہ افشانی کو اور اس کے بدوں توقع ثمرات لاحاصل ہے لیکن اگر تمہارے پاس دانہ اور طاعت نہیں ہے تو دعا ہی کرو کہ حق سبحانہٗ اسی دعا ہی سے تمہیں درخت یعنی

نتائج حمیدہ عطا فرمائیں گے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی سعی اور کوشش ہے اور کوشش جو بھی ہو اچھی ہے۔ چنانچہ مریم علیہا السلام کے پاس دانہ نہیں تھا صرف درد اور سوز تھا۔ اسی سے حق سبحانہٗ نے ان کے لیے نخل کو سرسبز کر دیا۔

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام چونکہ وفائے حق سبحانہٗ میں ثابت قدم تھیں۔ اس سے حق سبحانہٗ نے ان کو بدون انکی طلب کے سیکڑوں .... مرادیں عطا فرمائیں اور ایک یہ ہی نہیں بلکہ جو لوگ وفائے حق میں ثابت قدم تھے انکو تمام عالم سے بڑھا دیا ہے اور وہ وہ انعامات ...... ان پر کئے گئے ہیں جو اور کسی پر نہیں کئے گئے ـــــ چنانچہ دریاؤں نے ان کے لئے اپنا پیٹ خالی کر دیا ہے اور وہ خشک ہو گئے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہوا۔ اور ان کی یہ حالت ہے کہ بڑے بڑے میدان ان کے اسرار کا تحمل نہیں کر سکتے۔

[فائدہ: "گشتہ دریا ہا تسخیر بر داز شاں" کو الحاقی شعر سمجھا گیا ہے] نیز ان کے لیے دریاؤں اور پہاڑوں کو مسخر کر دیا گیا ہے۔ نیز عناصر اربعہ ان کے غلام ہیں یعنی بحکمِ الٰہی اوقات خاصہ میں خرق عادات کے طور پر ان کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں ان کی یہ کرامتیں تو بطور نشانی کے ہیں تاکہ اس دریچہ سے منکرین کو آپ کی وہ مخفی کرامتیں مشاہد ہو جائیں جو حواس میں نہیں آسکتیں اور بیان میں نہیں سما سکتیں۔

کیونکہ یہ فانی ہیں اور وہ باقی اور کارآمد وہی شے ہے جو ہمیشہ رہے کہ نہ تو ختم ہو۔ اور نہ واپس لی جائے بلکہ ہمیشہ بڑھتی رہے اسلئے کہ اس کا دینے والا صاحب کرم ہے جو نہ اپنا اکرام روکتا ہے کہ وہ ختم ہو جائے۔ اور نہ واپس لیتا ہے کہ مسترد ہو جائے۔ بلکہ ہمیشہ بڑھاتا رہتا ہے جس سے ترقی ہوتی رہتی ہے

در مناجات

دُعا

اے دہندہ قوت و تمکین و ثبات — خلق را زیں بے ثباتی دہ نجات

اے روزی اور استقلال اور پائیداری عنایت کرنیوالے — مخلوق کو اس ناپائیداری سے نجات دیدے

اندراں کاریکہ ثابت بودنی ست — قائمی دہ نفس را کہ منثنی ست

اس کام میں جو پائیداری کے قابل ہے — نفس کو ٹہکاؤ عنایت کردے وہ پلٹ جانیوالا ہے

اندراں کاریکہ دارد آں ثبات — قائمی دہ نفس را بخشش حیات

وہ کام جو پائیدار ہو — نفس کو ٹہکاؤ دے، اُس کو زندگی بخش

صبر شاں بخش و کفہ میزاں گراں — وارہاں شاں از دم صورتگراں

اُن کو صبر عطا کر اور ترازو کا بھاری پلڑا — بہروپیوں سے اُن کو نجات دے

وز حسودی بازشاں خرِ اے کریم — تا نباشد از حسد دیو رجیم

اے کریم! اُن کو حسد سے بچالے — تاکہ وہ حسد کی وجہ سے مردود شیطان نہ بنیں

ہے اے دہندہ چونکہ پہلے وفاداری اور عہد کی پابندی کا ذکر آیا تھا تو مولانا نے اُسکے لئے دعا شروع کر دی ہے۔...
بے ثباتی یعنی عہد پر قائم نہ رہنا۔
اندر جن کاموں میں استقلال اور پائیداری ضروری ہے ان میں اس منحرف ہو جانیوالے نفس کو پائیداری عطا کردے۔

لہ کفہ ترازو کا پلڑا یعنی اُس ترازو کا پلڑا جو قیامت میں اعمال کو تولنے کیلئے قائم کی جائے گی۔
صورتگراں۔ بہروپے یعنی جھوٹے پیر۔ حسودی۔ حسد کی وجہ سے انسان شیطانی صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔

شرح

چونکہ اوپر دوام کرامت و تقرب عنداللہ کا ذکر تھا جو مستلزم تھا دوام طاعت کو۔ اسلئے مولانا دوام طاعت کی توفیق کی مناجات کرتے ہیں اور فرماتے ہیں "اے غذا اور تمکین وثبات واستقامت دینے والے خدا! مخلوق کو اس ڈھل مِل پن سے چھڑا دے اور جس کام میں استقامت ہونی چاہیئے۔ اس پر نفس کو استقامت عطا فرما۔ کیونکہ یہ اُس پر قائم... نہیں رہتا بلکہ اس سے پھر جاتا ہے اور جو کام اپنے بہتر نتیجہ کے لحاظ سے باقی رہنے والا ہو۔ یعنی طاعت۔ تو اس پر نفس کو جما دے۔ اور اس ذریعہ سے اسے حیات بخش انکو صبر علی الطاعۃ نصیب فرما۔ اور ان کی نیکیوں کے پلّہ کو بھاری کر —— اور تو انہیں صورتگروں یعنی صورت میں مجبوس لوگوں کے پھندوں سے چھڑا دے۔ (غالباً مراد صورتگروں سے نفس و شیطان ہیں) اور ان کو اپنے بندگانِ خاص کے حسد سے نجات دے تاکہ یہ لوگ اس حسد کی بدولت شیطان نہ ہو جائیں۔

در نعیمِ فانی و مال و جسد
فانی نعمتوں اور مال اور جسم میں

چوں ہمی سوزند عامہ از حسد
عوام حسد سے کیسے جلتے ہیں؟

بادشاہاں بیں کہ لشکر می کشند
بادشاہوں کو دیکھ کہ لشکر کشی کرتے ہیں

از حسد خویشانِ خود را میکشند
حسد کی وجہ سے اپنوں کو مار ڈالتے ہیں

عاشقانِ لعبتانِ پر قذر
گندی گڑیوں کے عاشق

کردہ قصدِ خون و جانِ یک دگر
ایک دوسرے کا خون اور جان لیتے ہیں

ویس و رامیں خسرو و شیریں بخواں
ویس ورامیں، خسرو اور شیریں (کا قصہ) پڑھ لے

تا چہ کردند از حسد آں ابلہاں
ان احمقوں نے حسد سے کیا کیا ہے

تا فنا شد عاشق و معشوق نیز [۵۲]
یہاں تک کہ عاشق اور معشوق بھی فنا ہو گیا

کہ نہ چیزند و ہوا شاں ہم نچیز
کیونکہ وہ ناچیز تھے اور ان کی محبت بھی ناچیز تھی

پاک الٰہی کہ عدم بر ہم زند
خدا (فنا سے) پاک ہے کیونکہ وہ عدم کو بھڑا دیتا ہے

مر عدم را بر عدم عاشق کند
عدم کو عدم پر عاشق بنا دیتا ہے

در دلِ نہ دل حسدہا سر کند
بے دل کے دل میں حسد پیدا ہو جاتے ہیں

نیست را و ہست را مضطر کند
معدوم اور موجود کو بے چین کر دیتا ہے

ایں زنانے کز ہمہ مشفق تر اند
یہ عورتیں جو سب سے زیادہ شفقت کرنے والی ہیں

از حسد دو ضرّہ خود را می خورند
حسد کی وجہ سے دو سوکنیں اپنے آپ کو کھا جاتی ہیں

تا کہ مردانے کہ خود سنگیں دل اند [۵۳]
یہاں تک کہ مرد جو خود سنگدل ہیں

از حسد اندر کدامیں منزل اند
حسد کی وجہ سے کونسی منزل میں ہیں!

گر نکردے شرع افسونِ لطیف
اگر شریعت پاکیزہ منتر (تدبیر) مقرر نہ کرتی

بر دریدے ہر کسے جسمِ حریف
ہر شخص مخالف کا جسم پھاڑ ڈالتا

شرع بہرِ دفعِ شر رائے زند
شریعت شر کو دفع کرنے کیلئے ایک تدبیر لاتی ہے

دیو را در شیشۂ حجت کند
بھوت کو دلیل کی بوتل میں بند کر دیتی ہے

از گواہ و از یمین و از نکول [۵۴]
گواہ اور قسم اور قسم کے انکار کے ذریعہ

تا بہ شیشہ در رود دیوِ فضول
تاکہ بیہودہ بھوت، بوتل میں آ جائے

مثلِ میزانے کہ خوش دو ضد [در دو ضد]
ترازو کی طرح، کہ اس میں دونوں مخالف خوش

جمع می آید یقیں در ہزل و جد
یقیناً متفق ہو جاتے ہیں مذاق میں اور سنجیدگی میں

شرع چوں کیل و ترازو داں یقیں
شریعت کو یقیناً پیمانہ اور ترازو کی طرح سمجھ

کہ بدو خصماں رہند از جنگ و کیں
کیونکہ وہ جھگڑنے والے اس کے ذریعے لڑائی اور کینہ سے چھوٹ جاتے ہیں

گر ترازو نبود آں خصم از جدال
اگر ترازو نہ ہو تو مخالف جھگڑے کی وجہ سے

کے رہد از وہمِ حیف و احتیال
ظلم اور حیلہ گری کے وہم سے کب چھوٹ سکتا ہے؟

در نعیم

حسد ہونا ایسی چیزوں پر ہوتا ہے جو خود فانی ہیں۔ بادشاہاں۔ بادشاہ رشتہ داروں کو محض حسد کی وجہ سے قتل کرا دیتے ہیں۔ عاشقان۔ فانی اور بے غیرت کے لوازم سے پُر معشوقوں کے عشق میں عاشق ایک دوسرے کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ ویس نیک معشوقہ کے عاشق رامین نے رقیبوں کو قتل کیا۔ خسرو و شیریں کے عاشق نے فرہاد کو مروا دیا۔

[۵۲] تا فنا شد۔ اس حسد کے نتیجہ میں عاشق بھی فنا ہوا اور معشوق بھی ہمیشہ زندہ نہ رہا۔ پاک۔ عشق ہو تو ذاتِ الٰہی سے ہو جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ کہ عدم۔ فانی معشوق کو فنا کر دیتا ہے فانی کو فانی پر عاشق بنا دیتا ہے۔ در دل۔ وہ عاشق جو اپنے آپ کو بے دل کہتا ہے اسکے دل میں حسد سر ابھارتا ہے۔ ایں زنانے۔ عورتوں میں شفقت کا مادہ زیادہ ہے لیکن وہ بھی حسد میں مبتلا ہیں ایک سوکن دوسری سوکن کو کھائے جاتی ہے۔

[۵۳] تا کہ مردانے۔ جب عورت کا یہ حال ہے تو سنگدل مردوں کے احوال کا اندازہ لگاؤ۔ افسون منتر یعنی قصاص اور حد کا حکم شرع مشہور ہے کہ جن کو منتر کے ذریعہ

[۵۴] از گواہ۔ اگر مدعی کے پاس گواہ ہوں تو ثبوت کیلئے اس سے گواہ طلب کئے جاتے ہیں ورنہ مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے اور اس کی قسم اور قسم سے انکار پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ نکول قسم سے انکار کرنا۔ مثل میزانے۔ فریقین کو مطمئن کرنے کا یہ طریقہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ترازو فریقین کو

پس دریں مُردارِ زشتِ بے وفا — ایں ہمہ رشک ست خصمی و جفا
تو اس مُردار، بُری بے وفا (دنیا) میں — پورا رشک اور جھگڑا اور ظلم ہے

پس[1] دراں اقبال و دولت چوں بود — چوں شود جنی و انسی در حسد
تو اس (آخرت کے) اقبال اور دولت میں کیسا ہوگا — جن اور انسان کیسے حسد میں ہوں گے ؟

آں شیاطیں خود حسودِ کہنہ اند — یک زماں از رہزنی خالی نیند
وہ شیطان خود پُرانے حاسد ہیں — تھوڑی دیر کے لئے بھی رہزنی سے خالی نہیں ہیں

واں بنی آدم کہ عصیاں کشتہ اند — از حسودی نیز شیطاں گشتہ اند
وہ بنی آدم جنہوں نے گناہ بوئے ہیں — وہ بھی حسد کی وجہ سے شیطان بن گئے ہیں

از نُبی برخواں کہ شیطانانِ اِنس — گشتہ اند از مسخِ حق با دیو جنس
قرآن میں پڑھ لے کہ انسانی شیطان — اللہ تعالیٰ کے مسخ کر دینے سے شیطان کے ہم جنس بنتے ہیں

دیو چوں عاجز شود از افتتاں — استعانت جوید او از انسیاں
شیطان جب انسان کے فتنہ میں پڑنے سے عاجز آجاتا ہے — وہ انسانوں سے مدد مانگتا ہے

کہ[2] شما یارید با ما، یاریے — جانبِ مائید، جانب داریے
کہ تم ہمارے دوست ہو، مدد کرو — ہمارے جانب دار ہو، جانبداری کرو

گر کسے را رہ زنند اندر جہاں — ہر دو گوں شیطاں برآید شادماں
اگر وہ دنیا میں کسی کی رہزنی کرتے ہیں — تو دونوں قسم کے شیطان خوش ہوتے ہیں

ور کسے جاں بُرد و شد در دیں بلند — نوحہ میدارند آں دو رشک مند
اگر کسی نے جان بچالی اور دین میں بلند ہوگیا — دونوں رشک کرنے والے روتے ہیں

ہر دو[3] می خایند دندانِ حسد — بر کسے کہ داد ادیب او را خرد
دونوں حسد سے دانت پیستے ہیں — اُس شخص پر جس کو اُستاد نے عقل سکھا دی ہو

مطمئن کرتی ہے۔ فیصلہ۔ یہ شرعی فیصلہ فریقین کیلئے بھی طرح باعث اطمینان ہوتا ہے جس طرح جبر کرنا یا کریا تول کر فیصلہ کرنا باعث اطمینان ہوتا ہے۔ حیف۔ ظلم بہتیل۔ حیلہ گری۔

[1] پس جب دنیا کی ناپائیدار چیزوں میں حسد اور رشک کا یہ حال ہے تو آخروی نعمتوں میں حسد و رشک کا اندازہ خود لگالو۔ آں شیاطین شیطان تو حاسد ہوتا ہی ہے انسان بھی حسد کر کے شیطان بن جاتا ہے۔ از نُبی۔ قرآن میں شیطانوں کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں ایک جنی ایک انسی۔ دیو۔ جنی شیطان جب کسی معاملہ میں خود عاجز آجاتا ہے تو پھر انسانوں میں سے شیاطین کو اپنی مدد کیلئے بلاتا ہے۔ افتتاں۔ فتنہ میں مبتلا ہونا

[2] کہ شما۔ شیطان مایوس ہو کر انسانی شیطانوں کو پکارتا ہے۔ یاریے یعنی تم دوستوں کی مدد کرو۔ گر کسے۔ اگر کوئی کسی کو گمراہ کرتا ہے تو جنی اور انسانی شیطان اس پر خوشی مناتے ہیں۔ ور کسے۔ اگر کسی سے نیکی صادر ہوتی ہے

شرح

یہاں مولانا اس امر کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اہل اللہ پر حسد ہوتا ہے جس کا انہوں نے شعر "ہر کہ او عصیاں کند شیطاں شود،،
کہ حسود دولت نیکاں شود۔ واز حسودی باز رستاں خدائے کریم ..... دعویٰ کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ دیکھو ! نعمتہائے فانیہ اور اموال و ابدان کے بارہ میں عام لوگ کیسے چلتے ہیں۔ مثلاً کوئی راحت میں ہے۔ دوسرا اُسے دیکھ کر جلتا ہے یا کسی کے

پاس مال ہے اور دوسرا اُسے دیکھ کر جلتا ہے۔ یا کوئی تندرست ہے اور دوسرا اُسے دیکھ کر جلتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اور دیکھو! بادشاہ جو کہ لشکر کشی کرتے ہیں۔ اسکی یہ حالت ہے کہ حسد سے اپنے عزیزوں کو مار ڈالتے ہیں — اور سنو! جو لوگ ان حسینوں پر عاشق ہوتے ہیں جن کے اندر گوہ بھرا ہوتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کا خون کرنے اور اس کی جان لینے کے درپے ہوتے ہیں۔ چنانچہ دیس اور رامین۔ خسرو اور شیریں کا قصہ پڑھ لو۔ اور دیکھ لو۔ کہ ان احمقوں نے کیا کیا۔ اور ان کے حسد کا نتیجہ کیا ہوا یہ ہوا کہ عاشق بھی مٹ گیا اور معشوق بھی۔ حالانکہ نہ ان عاشقوں میں کوئی خوبی تھی اور نہ ان کے معشوق میں کچھ تھی۔ پس جبکہ عاشقانِ رسمی بھی کوئی چیز نہیں اور ان کے معشوق بھی لاشے ہیں تو بے ساختہ دل سے نکلتا ہے کہ پاک ہے وہ خدا جو اعدام کو گڈمڈ کرتا۔ یعنی ایک عدم کو دوسرے عدم پر عاشق کرتا ہے اور اسی دل میں جو حقیقت میں دل نہیں ہے حسد پیدا کرتا ہے۔

اس سے تم حق سبحانہٗ کی قدرت اور قوت کا اندازہ کر لو اور سمجھ لو۔ کہ وہ موجود حقیقی اعدام کو یوں مضطر کر دیتا ہے۔ جیسا کہ تم کو امثلہ بالا سے معلوم ہوا — خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب پھر مضمون سابق سنو — یہ عورتیں جو اپنی نرم دلی کے سبب سب سے مشفق ہیں۔ ان کی یہ حالت ہے کہ حسد سے ایک سوت دوسرے سوت کو کھائے جاتی ہیں اس سے سمجھ لو کہ مرد جو کہ سنگ دل ہیں ان کا حسد کس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہوگا۔ شریعت مطہرہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے قوانین و ضوابط مقرر کر کے اس کے مفاسد کی روک تھام کر دی۔ ورنہ اگر شریعت یہ پاکیزہ تدبیر نہ کرتی تو ہر شخص اپنے مقابل کے ٹکڑے کر ڈالتا۔ لہٰذا شریعت نے اس مفسدہ کا انسداد کیا۔ اور وہ قوانین و ضوابط پر رائے زنی کرتی ہے۔ اور شیطان یعنی حاسد کو حجت کے شیشہ میں

بند کرتی ہے یعنی اسے قانون سے مغلوب کرتی ہے چنانچہ مدعی سے کہتے ہیں گواہ لاؤ۔ اور اگر وہ گواہ نہیں پیش کرسکتا تو مدعا علیہ سے کہتے ہیں کہ قسم کھاؤ اس پر اگر وہ قسم کھالیتا ہے تو اُسے چھوڑ دیتی ہے اور اگر قسم سے انکار کرتا ہے تو اس پر ڈگری کرتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان شیشہ میں بند ہوجاتا ہے یعنی حاسد مغلوب اور مجبور ہوجاتا ہے۔

اس قانون کی ایسی مثال ہے جیسے ترازو۔ کہ اس سے دو مخالف ہر حالت میں متفق ہوجاتے ہیں مثلاً جب کسی شئے کے وزن میں اختلاف ہوتا ہے تو ترازو کو حکم بناتے ہیں۔ اور جو فیصلہ وہ کرتی ہے اسے فریقین بخوشی تسلیم کرتے ہیں بس یہی حالت قانون شرعی کی ہے کہ جب دو شخصوں میں نزاع ہوتا ہے تو شریعت حکم بنتی ہے اور اس کا فیصلہ ہر دو فریق کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اگر ترازو شریعت نہ ہو تو کوئی فریق بھی اپنے جھگڑالو پن کے سبب ظلم اور مکر کے شبہ سے نہیں چھوٹ سکتا اسلئے ضرورت ہے اس ترازو کی۔

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا کہنا ہم کو یہ ہے کہ جب اس مردار اور مکروہ اور بے وفا دنیا کی یہ حالت ہے کہ اس کے بارہ میں اس قدر رشک اور عداوت اور ظلم ہے تو اس اقبال اور دولت میں تو بالا دلے ہونا چاہیئے۔ جو کہ اہل اللہ کو حاصل ہوتی ہے۔ پس تم سمجھ سکتے ہو کہ اس کے حسد میں جن وانس کی کیا حالت ہوگی پس اہل اللہ کا محسود ہونا ثابت ہوگیا۔

اب سنو! کہ شیاطین تو قدیمی دشمن ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے بھی راہزنی سے فارغ نہیں ہوتے۔ ان کا تو ذکر ہی کیا ہے کہنا تو یہ ہے کہ وہ آدمی بھی جو گناہوں کا بیج بو چکے ہیں اور گناہ کرنے کے عادی ہوگئے ہیں حسد سے شیطان ہوگئے ہیں۔

اسلئے شیطان دو قسم کے ہوگئے اول شیطان الجن دوم شیطان الانس۔ چنانچہ

قرآن میں ان کا تذکرہ ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ شیطان انسی مسخ حق سبحانہٗ
سے شیاطین الجن کے ہم جنس ہوگئے ہیں [یہ مضمون مستنبط ہے قرآن سے نہ کہ عین
ترجمہ آیت] جسوقت شیطان الجن مکر سے عاجز ہوجاتے ہیں تو وہ شیاطین الانس
سے مدد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ہمارے مُعین ہو ۔ ہماری مدد کرو ۔ اور تم ہماری طرف
ہو لہٰذا ہماری طرفداری کرو ۔ اور اگر وہ کسی کی راہزنی کرتے ہیں تو اس سے دونوں قسم
شیاطین کو خوشی ہوتی ہے ۔ اور اگر کوئی ان کی گھات سے بچ کر اپنی جان لے جاتا ہے
اور گمراہ نہیں ہوسکتا ۔ تو یہ دونوں حاسد ماتم کرتے ہیں اور جس کسی کو کوئی مصلح عقل دیتا
ہے یعنی اسکی تربیت کرکے نفع و نقصان سمجھتے اور نقصان سے بچ کر نفع حاصل کرنے
کے قابل بنا دیتا ہے تو یہ دونوں حاسد حسد سے دانت پیستے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسا
کیوں ہُوا ۔

پرسیدنِ شاہ ازاں مُدعیِ نبوت کہ آنکہ رسولِ راستیں باشد
بادشاہ کا نبوت کے مدعی سے دریافت کرنا کہ جو سچا رسول ہو اور ثابت
وثابت شود با اُو چہ باشد کہ کسے را بخشد و یا بصحبت و خدمتِ
ہو جائے تو اُس کے پاس کیا ہوتا ہے کہ وہ کسی کو بخشے اور اُس کی صحبت و خدمت
اُو چہ بخشش یابند غیرِ نصیحت کہ بزبان میگوید
سے وہ کیا بخشش پائیں گے سوائے اُس نصیحت کے جو وہ زبانی کرتا ہے

شاہ پرسیدش کہ بارے وحی چیست
بادشاہ نے اُس سے پوچھا کہ آخر وحی (وحی سے فائدہ) کیا ہے
یا چہ حاصل دارد آنکس کو نبی ست
یا جو نبی ہے اُس کو کیا ملتا ہے؟
یا چہ بخشد ہر کسے را در سخن
یا وہ بات کرنے میں کسی کو کیا دیتا ہے؟
غیر ایں نصحِ زبان کُن یا مکُن
سوائے اس زبانی نصیحت کے کر کر یا نہ کر
چیست نفع از خدمتش در صحبتش
اُس کی صحبت میں اُس کی خدمت سے کیا نفع ہے؟
وانکہ تابع گشت چہ بود رفعتش
اور جو اُس کے تابع ہو جائے اُسکو کیا بلندی حاصل ہوا
گفت خود آں چیست کش حاصل نشد
انہوں نے کہا وہ کیا چیز ہے جو اُس کو حاصل نہ ہوئی؟
یا چہ دولت ماند کو واصل نشد
یا وہ کونسی دولت رہ گئی جو اُس کو نہ ملی؟

۵ے ہر دو ۔ دونوں قسم کے شیاطین نیکی کرنے والے پر غضبناک ہوتے ہیں۔ پرسیدن ۔ بادشاہ نے اُس مسخرے سے پوچھا کہ وحی سے صاحب وحی اور دوسروں کو کیا فائدہ ہے؟ ۔ بارے ۔ بمعنی آب یا بار بمعنی پھل اور یا اضافت کے کسرے کے عوض میں ہے ۔ حاصل ۔ پیداوار آمدنی کُن یا مکُن یعنی امر اور نہی... وانکہ ۔ ملنے والوں کو کیا بلندی حاصل ہوتی ہے ۔ گفت مسخرہ نے کہا آپ یہ بتائیے کہ وہ کونسا فائدہ ہے جو صاحب وحی کو حاصل نہیں ہوتا ہے ۔

گیرم[52] ایں وحیِ نبی گنجور نیست — ہم کم از وحیِ دلِ زنبور نیست

میں نے مانا کہ یہ خزانے کے مالک کی وحی نہیں ہے — پھر بھی شہد کی مکھی کے دل کی وحی سے کم نہیں ہے

چونکہ اَوْحَی الرَّبُّ اِلَی النَّحْل آمد است — خانۂ وحیش پُر از حلوا شد است

چونکہ اللہ نے شہد کی مکھی کو وحی کی • نازل ہوا ہے — اُس کی وحی کا گھر شہد سے بھر گیا ہے

اُو[53] بنورِ وحیِ حق عزّ و جل — کرد عالم را پُر از شمع و عسل

اُس نے اللہ عزّ و جل کی وحی کے نور سے — دنیا کو موم اور شہد سے بھر دیا

ایں کہ کَرَّمْنَاست بالا می رَوَد — وحیش از زنبور کے کمتر بود

یہ جو کہ "ہم نے عزّت بخشی ہے" اونچا جاتا ہے — اُس کی وحی شہد کی مکھی سے کب کم ہوگی؟

نے تو اَعْطَیْنَاكَ کوثر خواندہٗ — پس چرا خشکے و تشنہ ماندہٗ

کیا تو نے "ہم نے تجھے کوثر دیدی ہے" نہیں پڑھا ہے؟ — پس تو کیوں خشک اور پیاسا ہے؟

یا مگر فرعونی و کوثر چو نیل — بر تو خوں گشت است و ناخوش اے علیل

یا شاید تو فرعون اور کوثر نیل کی طرح ہے؟ — اے بیمار! جو تجھ پر خون اور ناگوار بن گئی ہے

توبہ کن بیزار شو از ہر عدو — کو ندارد آبِ کوثر در کدو

توبہ کرلے، (خدا کے) ہر دشمن سے بیزار بن جا — جس کے کدو میں آبِ کوثر نہیں ہے

ہر کرا دیدی ز کوثر سُرخ رو — اُو محمد خوست با اُو گیر خو

تو جس کو کوثر سے سُرخرو دیکھے — وہ محمدؐ کے مزاج والا ہے، اُس کی عادت اختیار کر

تا اَحَبَّ اللہ آئی در حسیب — کز درختِ احمدی با اوست سیب

تاکہ تو "اس نے خدا سے محبت کی" کی شمار میں آجائے — کیونکہ اس کے پاس احمدیؐ درخت کے سیب ہیں

ہر کرا دیدی ز کوثر خشک لب — دشمنش میدار ہمچوں مرگ و تب

تو جس کو کوثر سے خشک لب دیکھے — اُس کو موت اور بخار کی طرح دشمن سمجھ

زانکہ اُو بوجہل شد یا بولہب — دور شو زو تا نیفتی در کرب

کیونکہ وہ ابوجہل یا ابولہب ہے — تو اس سے بھاگ جا، تاکہ مصیبت میں نہ پھنسے

گرچہ بابائے تو ہست و مامِ تو — کو حقیقت ہست خوں آشامِ تو

خواہ وہ تیرا باپ یا ماں ہو — کیونکہ وہ دراصل تیرا خون پینے والا ہے

از خلیلِ حق بیاموز اے پسر — کہ شد اُو بیزار اوّل از پدر

اے بیٹا! (حضرت) ابراہیمؑ سے سیکھ لے — کہ وہ پہلے باپ ہی سے بیزار ہوئے

تا کہ اَبْغَضَ لِلّٰہ آئی پیشِ حق — تا نگیرد بر تو رشکِ عشق دق

تاکہ تو اللہ کے سامنے "اُس نے خدا کیلئے بغض کیا" بنے — تاکہ تیرے اوپر عشق کا رشک مصیبت نہ ڈالے

تا نخوانی لَا وَ اِلَّا اللہ را — در نیابی منہجِ ایں راہ را

جب تک تو "لا" اور "الّا اللہ" نہ پڑھ لے گا — اِس طریقہ کا راستہ نہ پائے گا

---

[52] گیرم۔ اِس سفر سے لے کہا میں نے مانا کہ میری وحی وہ وحی نہیں ہے جو کسی بڑے نبی کے پاس آئی ہو لیکن شہد کی مکھی کو جو وحی آئی تھی اُس سے تو کم درجہ کی نہیں ہے۔ وحی کے دو معنی ہیں، ایک تو وہ کلامِ خداوندی جو کسی فرشتہ کے ذریعہ کسی نبی پر نازل ہو، دوسرے معنی اشارے اور دل میں کسی بات کے آنے کے ہیں۔ سفر نے دوسرے معنی مُراد لئے ہیں۔ اَوْحَی۔ قرآن پاک میں ہے وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ: اور تیرے رب نے شہد کی مکھیوں کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں سے اور درختوں سے اور اُن سب چیزوں سے جو یہ لوگ چھپر بناتے ہیں۔

[53] کوثر۔ قرآن پاک میں آنحضورؐ کو خطاب کرکے فرمایا گیا ہے اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْکَوْثَرَ۔ بے شک ہم نے تجھے کوثر عطا کی ہے۔ کوثر حقیقتاً جنت میں ایک حوض ہے یہاں اُس سے آنحضورؐ کے ظاہری اور باطنی فیوض مُراد ہیں۔ یا مگر۔ شاید تو فرعون صفت ہے کہ تیرے لئے کوثر، کوثر نہیں رہی جیسا کہ فرعون کے لئے دریائے نیل کا پانی پانی نہ رہا تھا بلکہ خون بن گیا تھا۔ توبہ کن۔ جو انسان آنحضورؐ کی اُس کوثر سے سیراب نہیں ہوا ہے اُس سے ہر شخص کو بیزار رہنا چاہیے۔ ہر کرا۔ جس شخص نے حضورؐ کی کوثر سے سیرابی حاصل کی ہے تم اُس کی عادت اختیار کرو۔ اَحَبَّ۔ حدیث شریف میں ہے مَن

شرح

اب مولانا قصۂ مدعی نبوت کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بادشاہ نے اس مدعی نبوت سے پوچھا کہ آپ جو لوگوں کو اپنی اتباع کی دعوت دیتے ہیں اسکے متعلق مجھے یہ دریافت کرنا ہے۔ کہ وحی کیا چیز ہے اور نبوت سے نبی کو کیا چیز حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنی باتوں سے لوگوں کو کیا دیتا ہے بجز زبانی نصیحت کے۔ کہ یہ کرو وہ نہ کرو۔ اور اس کی خدمت اور اس کی صحبت سے لوگوں کو کیا نفع ہے۔ اور جو اس کا اتباع کرے اسکو کیا رتبہ ملتا ہے اس نے کہا کہ جناب! آپ یہ پوچھتے ہیں کہ متبعین نبی کو کیا ملتا ہے ـــــ میں کہتا ہوں کہ وہ کیا ہے جو نہیں ملتا اور کون سی دولت ہے جو انہیں حاصل نہیں ہوتی۔ پس پوچھنا ہی بے معنیٰ ہے کہ انہیں کیا ملتا ہے الغرض! متبعین نبی کو سب کچھ ملتا ہے لہٰذا لوگوں کو میرا اتباع کرنا چاہیئے۔ اچھا میں مانتا ہوں کہ میں نبی نہیں ہوں اور میری وحی نبوت نہیں ہے جو کہ نبی پر آتی ہے مگر وہ اس وحی سے تو کم نہیں ہے جو زنبور یعنی شہد کی مکھی پر آئی تھی ـــــ دیکھو! جبکہ حق سبحانہٗ نے شہد کی مکھی پر وحی بھیجی یعنی اس کے دل میں گھر بنانے کا خیال اور اس کا طریق ڈالا۔ تو اسکی برکت یہ ہوئی کہ اس کا گھر جس کے متعلق وحی کی گئی تھی شیرینی سے بھر گیا اور زنبور نے نور وحی کے سبب عالم کو موم اور شہد سے پُر کر دیا۔ پس جبکہ مکھی کی یہ حالت ہوئی تو آدمی جو کہ مکرم عنداللہ ہے اور ترقی کرنے والا ہے اس کی وحی زنبور کی وحی سے کم کیسے ہو سکتی ہے۔ کیا تم نے اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ نہیں پڑھی۔ جس میں علوم و معارف کو آبِ کوثر سے تشبیہ دی گئی ہے جب پڑھی ہے تو پھر تم پیاسے اور خشک لب کیوں ہو؟ اور

کیوں اس کوثر سے سیراب نہیں ہوتے یا تم فرعون ہو اور وہ کوثر آب نیل ہے جو کہ تمہارے لیے خون ہوگیا ہے اور تم اس سے سیراب نہیں ہوسکے اگر ایسا ہے تو فوراً توبہ کرو اور تمام ان دشمنوں سے بیزار ہو۔ جو یہ آب کوثر اپنی تو ...... نبی میں نہیں رکھی۔ اور معارف الٰہیہ سے بے بہرہ ہیں اور جس کو تم اس آب کوثر سے سُرخرو پاؤ اور دیکھو کہ وہ اس آب کوثر سے منتفع ہے وہ محمد خصلت ہے اس سے موافقت کرو۔ تاکہ تم خدا کے لئے دوستی کرنیوالوں کے شمار میں داخل ہو جاؤ۔ کیونکہ ایسے لوگ درخت احمدی سے سبب حاصل کئے ہوئے یعنی آپکے فیض سے مستفیض ہیں۔ ان کے ساتھ دوستی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوستی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوستی خدا کے ساتھ دوستی ہے۔ اور جن کو تم اس آبِ کوثر سے خشک لب، اور بے بہرہ پاؤ ان کو یوں ہی دشمن جانو جیسے موت یا تپ۔ کیونکہ وہ یا ابو جہل ہے یا ابولہب۔ پس ان سے دُور رہنا چاہیئے تاکہ تم تکلیف میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ خواہ وہ تمہارے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ حقیقت میں وہ تمہارے خون پینے والے ہیں۔

اور یہ سبق تم کو خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام سے سیکھنا چاہیئے کہ انہوں نے سب سے پہلے اپنے باپ آذر سے بیزاری کی تھی۔ پس تم بھی ایسا ہی کرو۔ تاکہ حق سبحانہ کے سامنے تم یوں آؤ کہ بغض للہ کے ساتھ متصف ہو۔ اور اس بغض کی ضرورت اسلئے ہے کہ تم پر رشک عشق معترض اور طعنہ زن نہ ہو۔ کیونکہ اگر تم خدا کو بھی چاہو گے اور اُس کے دشمنوں کو بھی۔ تو عشق تم پر طعنہ زن ہوگا اور تم کو جھوٹا مدعی قرار دیگا۔

پس حاصل کلام یہ ہے کہ جب تک تم لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ نہ پڑھو گے اور خدا کے سوا سب کو کالعدم نہ سمجھو گے اس وقت تک تم کو راہِ عرفان نہیں مل سکتا ہے۔

داستانِ آں عاشق کہ بہ معشوق خود برمی شمرد خدمتہائے
اُس عاشق کی داستان جو اپنے معشوق کے سامنے اپنی خدمتیں اور

وو فاہائے خود را و شبہائے دراز تتجافی جنوبہم عن المضاجع
اپنی وفاداریاں اور اپنی دراز راتیں شمار کر رہا تھا کہ اُن کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں

را و بینوائی خود را و جگر تشنگی روزہائے دراز و می گفت کہ
کو اور اپنی بے سروسامانی اور عرصہ دراز کی جگر کی پیاس کو اور کہتا تھا کہ مجھے

من جز ایں خدمت ندانم اگر خدمتے دیگرست مرا ارشاد کن
اِس خدمت کے سوا کچھ نہیں آتا ہے اگر کوئی اور خدمت ہے تو مجھے بتا دیجئے

کہ ہرچہ فرمائی منقادم، اگر در آتش رفتن ست چوں خلیل[1] علیہ
کیونکہ جو آپ کہیں میں تابعدار ہوں خواہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح آگ میں گھسنا ہو

السلام و اگر در دہانِ نہنگِ دریا افتادنست چوں یونس علیہ
خواہ حضرت یونسؑ کی طرح ناکے کے منہ میں جانا ہو خواہ

السلام و اگر ہفتاد بار کشتہ شدن ست چوں جرجیس علیہ السلام و اگر از
حضرت جرجیسؑ کی طرح ستر بار قتل ہونا ہو خواہ حضرت

گریہ نابینا شدن ست چوں شعیب علیہ السلام و وفا و جانبازی
شعیبؑ کی طرح اندھا بننا ہو اور انبیاء کی جانبازی اور وفا کی تو

انبیا را شمار نیست و جواب گفتن معشوق او را
گنتی ہی نہیں ہے اور معشوق کا اُس کو جواب دینا

آں یکے عاشق بہ پیشِ یارِ خود | می شمرد از خدمت و از کارِ خود
ایک عاشق، اپنے معشوق کے سامنے | اپنا کام، اور خدمت گنا رہا تھا

کز برائے تو چنیں کردم چناں | تیر ہا خوردم دریں رزم[2] و سناں
کہ میں نے تیری خاطر ایسا ایسا کیا | اِس جنگ میں تیر اور بھالا کھایا

مال رفت و زور رفت و نام رفت | بر من از عشقت بسے ناکام رفت
مال گیا اور طاقت گئی اور نام گیا | مجھے تیرے عشق میں بہت سی محرومیاں ہوئیں

ہیچ صبحم خفتہ یا خنداں نیافت | ہیچ شامم با سر و ساماں نیافت
کسی صبح نے مجھے سوتے یا ہنستے نہ پایا | کسی شام نے مجھے باسروسامان نہ پایا

آنچہ او نوشیدہ بود از تلخ و درد | او بتفصیلش یکایک می شمرد
اُس نے جو بھی کڑواہٹ اور تلچھٹ پی تھی | وہ اُس کو ایک ایک کرکے گن رہا تھا

داستان۔ اِس قصے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ عاشق کو معشوق کے سوا ہر چیز سے دست کش ہو جانا چاہیئے۔

[1] خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ عشقِ خداوندی کی وجہ سے نمرود کی آگ میں گھسے تھے۔ حضرت یونسؑ عشق کی وجہ سے مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ جرجیسؑ۔ جرجیسؑ کو بار بار قوم نے شہید کیا۔ شعیبؑ۔ حضرت شعیبؑ عشقِ خداوندی میں روتے روتے اندھے ہو گئے تھے۔

[2] رزم۔ جنگ۔ سناں۔ بھالا۔ یعنی کسی صبح کو نہ سو سکا نہ ہنس سکا اور ہر شام کو بے سروسامان رہا۔

زر برائے منتے بُل می نمود
احسان جتانے کے لئے نہیں، بلکہ ظاہر کر رہا تھا

بر درستیِ محبت صد شہود
محبت کی سچائی پر سینکڑوں گواہ

عاقلاں را یک اشارت بس بود
عقلمندوں کے لئے ایک اشارہ کافی ہے

عاشقاں را تشنگی زاں کے رود
اس سے عاشقوں کی پیاس کب بجھتی ہے؟

میکنند تکرار گفتن بے ملال
وہ بے تکلف بات کو دہرا رہا تھا

کے باشارت بس کنند حوت از زلال
مچھلی نیر پانی کے بدلے اشارہ پر کب بس کرتی ہے؟

صد سخن میگفت زاں دردِ کہن
پرانے درد سے متعلق سینکڑوں باتیں کہہ رہا تھا

در شکایت کہ نگفتم یک سخن
شکایت میں، میں نے ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں کہی ہے

آتشے بودش نمیدانست چیست
اس کے اندر ایک آگ تھی وہ نہ جانتے تھا کہ کیا ہے؟

لیک چوں شمع از تفِ آں میگریست
لیکن شمع کی طرح اس کی سوزش سے رو رہا تھا

بعدِ گریہ گفت ایں ہا رفت لیک
رونے کے بعد اس نے کہا، یہ سب کچھ ہوا، لیکن

ایں زماں ارشاد کن تو یارِ نیک
اب بتا تو اچھا دوست ہے

ہر چہ فرمائی بجاں استادہ ام
جو تو کہے، میں جان سے حاضر ہوں

بر خطِ تو پا و سر بنہادہ ام
تیرے حکم پر میں نے سر اور پاؤں رکھ دیا ہے

گر در آتش رفت باید چوں خلیلؑ
اگر حضرت ابراہیمؑ کی آگ میں کودنا ہو

ور چو یحییٰؑ میکنی خونم سبیل
اگر حضرت یحییٰؑ کی طرح میرا خون بہانا ہو

ور ز گریہ چوں شعیبؑ اعمیٰ شوم
اگر میں روتے روتے حضرت شعیبؑ کی طرح اندھا ہو جاؤں

ور چو یونسؑ در شکمِ ماہی روم
اگر حضرت یونسؑ کی طرح مچھلی کے منہ میں چلا جاؤں

ور چو یوسف چاہ و زندانم کنی
اگر حضرت یوسفؑ کی طرح تو مجھے کنویں اور قید خانہ میں ڈالے

ور ز فقرم عیسیٔ مریمؑ کنی
اگر تو حضرت مریمؑ کے بیٹے کی طرح سے فقیر کرے

رخ نگردانم نگردم از تو من
میں منہ نہ موڑوں گا، میں تجھ سے روگردانی نہ کروں گا

بہرِ فرمانِ تو دارم جان و تن
میری جان اور جسم تیرے حکم کے لئے ہے

گفت معشوق ایں ہمہ کردی ولیک
معشوق نے کہا، یہ سب کچھ تو نے کیا، لیکن

گوش بکشا پہن و اندریاب نیک
کان کھول لے اور خوب سمجھ لے

کانچہ اصلِ اصلِ عشق ست و ولاست
کہ جو دوستی اور عشق کی جڑ کی جڑ ہے

آں نکردی آنچہ کردی فرعہاست
تو نے وہ نہیں کیا، جو کچھ کیا وہ شاخیں ہیں

گفتش آں عاشق بگو کاں اصل چیست
اس سے عاشق نے کہا، فرمائیے وہ جڑ کیا ہے؟

گفت اصلش مردن ست و نیستی ست
اس نے کہا، اس کی جڑ مرنا اور فنا ہونا ہے

تو ہمہ کردی نمردی زندہ
تو نے سب کچھ کیا، تو مرا نہیں، زندہ ہے

ہیں بمیر ار یارِ جاں بازندہ
ہاں مرجا، اگر تو جان کو فنا کرنے والا دوست ہے

---

٥١ زر برائے۔ اپنی تکالیف احسان جتانے کیلئے نہیں گنا رہا تھا بلکہ اپنی محبت کا ثبوت پیش کر رہا تھا۔ عاقلاں عقلمندوں کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے لیکن عاشق کا مزاج تفصیل کو چاہتا ہے۔ میکنند۔ عاشق اپنے شکوے مکرر بیان کرتا ہے مچھلی پانی میں غوطہ لگا کر مطمئن ہوتی ہے۔

٥٢ صد سخن۔ اس عاشق نے اپنے درد سے متعلق سینکڑوں باتیں عاشق کو سنائیں جن میں سے میں نے ایک بھی پوری نہیں بیان کی ہے۔ آتشے۔ اس عاشق میں ایک آگ لگی ہوئی تھی جس کی حقیقت کو وہ نہ سمجھ سکا تھا اس آگ کی گرمی سے شمع کی طرح آنسو بہا رہا تھا۔ ہر چہ۔ عاشق نے کہا میں یہ مصائب تو برداشت کر چکا ہوں اب جو حکم ہو اس کے لئے میں آمادہ ہوں۔

٥٣ گر در آتش۔ اگر حکم ہو تو حضرت ابراہیمؑ کی طرح آگ میں کود جاؤں تو چاہے تو حضرت یحییٰؑ کی طرح مجھے قتل کر دے۔ ور ز فقرم۔ حضرت عیسیٰؑ کا فقر مشہور ہے۔ رخ۔ میں تیرے کسی حکم سے منہ نہ موڑوں گا۔ گفت۔ معشوق نے عاشق کی تمام تکالیف سنکر کہا کہ تو نے یہ سب کچھ کیا لیکن جو عشق کا اصل تقاضا ہے وہ نہ کیا، عاشق نے کہا وہ کیا ہے معشوق نے جواب دیا کہ وہ اپنے آپ کو فنا کر دینا ہے۔ ولا۔ دوستی۔

٥٥ تا قیامت یعنی قیامت قائم ہونے تک۔ شعر
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

گر بمیری زندگی یابی تمام | نامِ نیکوئے تو ماند تا قیام
اگر تو مر جائے گا مکمل زندگی حاصل کرے گا | حشر تک تیرا نیک نام زندہ رہے گا

چوں شنود آں عاشق بیخویشتن | آہ سردے بر کشید از جان و تن
جب مدہوش عاشق نے یہ سنا | جان اور جسم سے ایک ٹھنڈی آہ بھری

ہمدراں دم شد دراز و جاں بداد | ہمچو گل دَر باخت سَر خنداں و شاد
اسی وقت لیٹ گیا اور جان دے دی | ہنسی خوشی پھول کی طرح سر دے دیا

ماند آں خندہ برو وقفِ ابد | ہمچو جان و عقلِ عارف بے کبد
وہ مسکراہٹ ہمیشہ کیلئے اس پر وقف رہی | جس طرح بلا تکلف عارف کی عقل اور جان

نورِ مہ آلودہ کے گردد ابد | گر زند آں نور بر ہر نیک و بد
چاند کی چاندنی آخر کب آلودہ ہوتی ہے؟ | خواہ وہ چاندنی ہر نیک اور بد پر پڑے

اَز جملہ پاک واگردد بماہ | ہمچو نورِ عقل و جاں سوئے اِلٰہ
وہ سب سے پاک رہ کر چاند کیطرف لوٹ جاتی ہے | جس طرح اللہ (تعالیٰ) کی جانب عقل اور جان کا نور

وصفِ پاکی وقفِ بر نورِ مہ است | تابشش گر بر نجاساتِ رہ است
پاکی کی صفت چاند کی روشنی پر وقف ہے | اگرچہ اس کی چمک راستہ کی نجاستوں سے ہے

زاں نجاساتِ رہ و آلودگی | نور را حاصل نگردد بد رگی
ان راستہ کی نجاستوں اور گندگی سے | نور کو برائی حاصل نہیں ہوتی ہے

اِرْجِعِیْ بشنید نورِ آفتاب | سوئے اصلِ خویش باز آمد شتاب
"تو لوٹ جا" سورج کی روشنی نے سنا | وہ فوراً اپنی اصل کی طرف لوٹ آئی

نے ز گلخنہا بروننگے بماند | نے ز گلشنہا برو رنگے بماند
نہ اس پر بھٹیوں کا عیب رہا | نہ اس پر باغوں کا رنگ رہا

نورِ دیدہ سوئے دیدہ بازگشت | ماند در سودائے او صحرا و دشت
آنکھ کی روشنی آنکھ کی طرف لوٹ آئی | جنگل اور میدان اس کے تصور میں رہ گئے

چونکہ زیں ویرانہ نورش بازگشت | ماند در صحرائے دیدہ بازگشت
جبکہ اس ویرانے سے اس کا نور واپس ہوگیا | آنکھ کے جنگل میں انتظار رہ گیا

چوں شنود۔ عاشق نے معشوق کی جب یہ باتیں سنیں ایک ٹھنڈی آہ کی اور جان دیدی۔ ماند۔ اس عاشق کی موت کے وقت کی مسکراہٹ ابدی ہو۔ ترجمہ۔ عارف کی روح کی مثال چاند کی چاندنی کی طرح ہے جس طرح چاندنی خواہ وہ گندگیوں پر گرے پاک صاف رہتی ہے یہی حال عارف کی روح کا ہے۔
۳ از جملہ۔ چاندنی بہر صورت پاک رہ کر چاند کیطرف لوٹ جاتی ہے اسی طرح عارف کی روح پاک صاف رہ کر خدا کی طرف واپس ہو جاتی ہے۔ راہ میں نجاستوں پر سے چاندنی گذری ہے ان کا وہ کوئی اثر قبول نہیں کرتی ہے۔ ارجعی۔ عارف کی روح نفسِ مطمئنہ ہے جس کے بارے میں قرآن پاک میں آیا ہے یٰاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً "اے نفس مطمئنہ تو راضی اور پسندیدہ ہو کر اپنے رب کی طرف لوٹ جا"
۴ نے۔ اس روح عارف پر دنیا کے اچھے برے کا کوئی اثر نہیں رہتا ہے۔ نور دیدہ۔ عارف کی روح کی واپسی کی دوسری تعبیر ہے کہ آنکھ کی روشنی آنکھ میں واپس آجاتی ہے تو اب دیکھنے والی نگاہ میں وہ جنگل نہیں رہتا۔

شرح اوپر مولانا نے فنا کی ترغیب دی تھی اب اسکی مناسب قصہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں ـــ کہ ایک عاشق اپنے دوست کے سامنے اپنی خدمتیں اور اپنے کارنامے گن رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میں نے تیرے لیے

یہ کیا اور وہ کیا۔ میں نے اس معرکہ میں نے تیر وں اور سناؤں کے زخم کھائے میرا مال بھی جاتا رہا میری قوت بھی ضائع ہوگئی۔ میری آبرو بھی گئی اور تیرے عشق میں مجھے بہت سی ناکامیاں پیش آئیں۔ کسی نے صبح کو مجھے سوتا یا ہنستا نہیں پایا۔ اور کسی نے شام کو مجھے باسر و سامان نہیں پایا۔

غرض کہ جو کچھ اس نے مصائب جھیلے تھے سب تفصیل وار ایک ایک بیان کئے اس سے مقصود اس کا معشوق پر احسان رکھنا نہیں تھا۔ بلکہ وہ اپنی محبت کے سینکڑوں گواہ پیش کر رہا تھا ـــــ شاید کوئی کہے کہ اس کے لیے اجمال کافی تھا اس قدر تفصیل کی کیا ضرورت تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اشارہ اور اجمال تو عاقلوں کے لئے ہے عشاق کی پیاس تو اس سے نہیں بجھتی اور ان کو اس وقت تک تسکین نہیں ہوتی ۔ جب تک اپنا جوش پورا ختم نہ کرلیں وہ تو بار بار ایک بات کو کہتے ہیں اور اکتاتے نہیں اور اکتائیں کیونکر ۔ ان کی حالت تو ایسی ہے جیسے مچھلی اور عرض حال کی ایسی مثال ہے جیسے شیریں پانی ... یہ مچھلی کہیں اشارہ کی بنا پر اس پانی سے سیر ہوسکتی ہے ہرگز نہیں ۔

خیر! تو وہ اپنے درد قدیم کے متعلق شکایت میں سینکڑوں باتیں کہہ رہا تھا جن میں سے میں نے ایک بات بھی نہیں کہی اور اس کے دل میں ایک آگ لگی ہوئی تھی جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔ کہ کیا شے ہے۔ ہاں مگر اس کی گرمی سے شمع کی طرح رو رہا تھا جب خوب رو چکا تو کہا کہ اچھا یہ باتیں تو گذر چکیں ۔ اب آپ بتلائیں کہ میں کیا کروں آپ جو کچھ بھی کہیں میں اس کے لئے تیار ہوں ۔ اور آپ کے حکم کا مطیع ہوں ۔ اگر خلیلؑ کی طرح آگ میں جانا ہو ۔ یا یحییٰ علیہ السلام کی طرح آپ میرا خون مباح کریں یا آپ یہ چاہیں کہ میں شعیب علیہ السلام کی طرح اندھا ہو جاؤں ۔ یا یونس علیہ السلام کی طرح مچھلی کے منہ میں چلا جاؤں یا آپ مجھے یوسف علیہ السلام کی طرح کنوئیں میں ڈالیں یا قید کریں یا مجھے عیسیٰؑ کی طرح نفقیر کریں تو میں

ان سب باتوں کے لیے تیار ہوں اور تم سے نہ پھیروں گا - میرا جسم اور میری جان دونوں آپ کے حکم کے لیے ہیں آپ ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں -

یہ سب قصہ سنکر معشوق نے جواب دیا کہ جو کچھ تم نے کہا مجھے سب تسلیم ہے اور یہ کام ضرور تم نے کیئے - مگر خوب کان کھول کر سنو! اور خوب سمجھو! کہ جو کام عشق و محبت کی اصل الاصل ہے وہ تم نے نہیں کیا - اور یہ کام جو تم نے کیئے یہ سب فروع محبت ہیں عاشق نے کہا کہ اچھا فرمایئے کہ وہ اصل الاصل کیا ہے میں اسکے لیے تیار ہوں اس کا جواب یہ ملا مرجانا اور مٹ جانا - تم نے سب کچھ کیا - مگر تم مرے نہیں بلکہ ہنوز زندہ ہو - یہ دلیل ہے تمہاری خامی کی - پس اگر تم عاشق جانباز ہو تو مر جاؤ - اگر تم مر جاؤگے تو کامل زندگی حاصل ہو جایئگی یعنی قیامت تک نیک نام رہوگے جب اس عاشق فانی نے معشوق کا یہ حکم سنا تو ایک سرد آہ بھری اور فوراً چت لیٹ گیا اور جان دیدی اور پھول کی طرح ہنسی خوشی سر دیدیا - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خوشی ہمیشہ کے لئے اس پر وقف ہوگئی اور وہ ایسا ہوگیا - جیسے عارف کی بے رنج عقل اور جان کہ ان کو کسی رنج کا سامنا ہی نہیں ہوتا

(فائدہ) اس پر کوئی یہ شبہ کرے کہ اہل اللہ کے رنج کا انکار مشاہدہ کا انکار ہے اسلئے کہ رنج دو قسم کا ہوتا ہے ایک طبعی دوسرا عقلی جس کو روحانی بھی کہہ سکتے ہیں - سو اہل اللہ کو رنج طبعی ہوتا ہے نہ کہ عقلی - اور مولانا نے رنج طبعی کا انکار نہیں کیا - بلکہ رنج عقلی کا انکار کیا ہے فلا اشکال - اب ہم رنج طبعی اور عقلی کے فرق کو مثال سے سمجھاتے ہیں - سنو! جس شخص کے بہت بڑا دنبل نکلا ہو - اور وہ اسکو بہت تکلیف پہنچا رہا ہو - اس میں جس وقت وہ شگاف دلواتا ہے - اس وقت اسکو شگاف کی تکلیف ہوتی ہے جو کہ طبعی ہے مگر عقلی رنج نہیں ہوتا - بلکہ خوشی ہوتی ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس سے مجھے صحت ہوجایگی (زد فرقاً) ہم نے کہا ہے کہ عارف کی عقل و روح رنج سے آلودہ نہیں ہوتی - اسکی وجہ یہ ہے کہ نور ماہتاب ہر قسم کی اشیاء پر پڑتا ہے مگر ان سے متاثر نہیں ہوتا - بلکہ وہ سب سے پاک

ہوتا ہے اور بحالت پاکی چاند کی طرف لوٹ جاتا ہے اور یہ رجوع ایسا ہی ہے جب نور
عقل وجان کا خدا کی طرف رجوع ۔ پس جس طرح نور مہ میں تلبّس بآثار اشیاءٗ
نہیں ہوتا ۔ یوں ہی نور عقل و روح میں بھی نہ ہوگا ۔ اور باوجود تعلق باشیار مولمہ ومریحہ
کے وہ پاک صاف حق سبحانہٗ کی طرف لوٹ جائے گا ۔ وہٰذا ہو المدعیٰ ۔

اب مولانا نور حسی کے متعلق مزید تاکیدی گفتگو کرتے ہیں تاکہ اس سے نور عقل و روح
کی حالت مؤکد ہو جائے ۔ اور فرماتے ہیں کہ وصف پاکی تو نور ماہتاب پر گویا کہ ختم ہے ۔
کیونکہ اگر وہ نجاسات راہ پر پڑتا ہے تو رستہ کی ان گندگیوں سے اس نور میں کچھ نقصان اور
خرابی نہیں آتی ۔ علیٰ ہٰذا القیاس ؛ نور آفتاب کی بھی یہی حالت ہے کہ جب وہ حکم رجوع
سنتا ہے تو فوراً اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے اور نہ گھبیوں کی عار نجاست اسکو
لاحق ہوتی ہے اور نہ باغوں کا رنگ اس میں ہوتا ہے بلکہ جس طرح صاف آیا تھا یوں ہی صاف
چلا جاتا ہے ۔ علیٰ ہٰذا القیاس آنکھ کا نور بے تلبس شے آنکھ میں واپس ہو جاتا ہے اور صحرا
درشت اس کے عشق میں پھنسے ہوئے رہ جاتے ہیں اور جبکہ اس ویرانہ سے اس کا نور واپس
ہوتا ہے تو صحرا نے مرئی ہکا بکا رہ جاتا ہے ۔

(فائدہ ؛ ماند در صحرائے دیدہ باز گشت میں بازگشت بمعنی کشادگی ہے جو کہ کنایہ ہے
تحیر سے) خلاصہ یہ کہ نور ماہتاب و نور آفتاب و نور چشم گو نجاسات وغیرہ پر پڑتے ہیں
مگر ان سے متاثر نہیں ہوتے ۔ بلکہ پاک صاف اپنی معدن کی طرف واپس ہو جاتے ہیں پس
یہی حالت نور روح و عقل کی ہے کہ وہ بھی رنج و راحت دنیوی سے متاثر نہیں ہوتا ۔ اور
پاک صاف حق سبحانہٗ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے ۔

یکے پرسید از عالمے عارفے کہ اگر در نماز کسے بگرید باواز و آہ و نوحہ

کسی شخص نے ایک عارف، عالم سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص نماز میں آواز اور آہ سے روئے

کند نمازش باطل شود یا نہ جواب داد کہ نام آن آب دیدہ است تا کہ آں

اور نوحہ کرے اُس کی نماز باطل ہوگی یا نہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ اس کا نام دیکھے ہوئے

گرنیدہ چہ دیدہ است اگر شوق خدا دیدہ است و میگرید یا از

کا پانی ہے تو یہ کہ رونے والے نے کیا دیکھا ہے؟ اگر اُس نے اللہ تعالے کا شوق دیکھا ہے اور وہ

پشیمانی گناہ نمازش تباہ نشود بلکہ کمال گیرد کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ

روتا ہے یا گناہ کی پشیمانی سے، نماز تباہ نہ ہوگی بلکہ کمال حاصل کریگی کیونکہ نماز نہیں ہوتی مگر

الْقَلْبِ و اگر رنجوریِ تن یا فراقِ فرزند دیدہ است نمازش تباہ شود

حضورِ قلب سے اور اگر اُس نے جسمانی تکلیف یا اولاد کی جدائی دیکھی ہے اس کی نماز خراب ہو جائیگی

کہ اصل نماز ترکِ تن است و ترکِ فرزند ابراہیم علیہ السلام وار

کیونکہ اصل نماز حضرت ابراہیمؑ کی طرح جسم اور اولاد کا ترک کرنا ہے کیونکہ وہ نماز کی

کہ فرزند را قربان میکرد از بہر تکمیلِ نماز و تن را بآتشِ نمرودی

تکمیل کے لئے لڑکے کو قربان کر رہے تھے اور جسم کو نمرود کی آگ کے سپرد کر رہے

سپرد و امر آمد پیغمبر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم را بدیں خصال کہ

تھے اور آنحضورؐ کو انہی خصلتوں کا حکم ہے کیونکہ تم اتباع کرو اور اتباع

فَاتَّبِعُوْا وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا قَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ

کر ابراہیمؑ کی ملت کا جو کہ حنیف ہے بے شک تمہارے لئے

حَسَنَۃٌ فِیْۤ اِبْرٰھِیْمَ

ابراہیمؑ میں اچھا نمونہ ہے

آں یکے پرسید از مفتی براز ❊ گر کسے گرید بنوحہ در نماز

ایک شخص نے چپکے سے مفتی سے دریافت کیا ❊ اگر کوئی نماز میں آواز سے روئے

آں نمازِ او عجب باطل شود ❊ یا نمازش جائز و کامل بود

وہ اس کی عمدہ نماز، باطل ہو جائے گی ❊ یا اس کی نماز جائز اور مکمل ہوگی

گفت آبِ دیدہ نامش بہرِ چیست ❊ بنگری[1] تا کہ چہ دیدست و گریست

فرمایا اُس کا نام "دیکھے ہوئے کا پانی" کیوں ہے؟ ❊ غور کر اُس نے کیا دیکھا ہے؟ اور رویا ہے

آبِ دیدہ تا چہ دیدہ است از نہاں ❊ تا بداں شد او ز چشمہ خود رواں

آنکھ کے پانی نے پوشیدہ طور پر کیا دیکھا ہے؟ ❊ جس سے وہ اپنے چشمے سے رواں ہوا ہے

ط۱ بازگشت۔ پہلے مصرع میں واپس شدہ کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں بمعنی انتظار ہے۔ چونکہ مولانا نے پہلے شعر میں آنکھ کی روشنی کا بیان کیا تھا اب آنکھ سے متعلق ایک اور نکتہ سمجھاتے ہیں۔

ط۲ آب دیدہ۔ یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی نماز میں روئے اور آہ و نوحہ کرے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ گریہ کو آبِ دیدہ کہتے ہیں یعنی دیکھے ہوئے کا پانی تو اب یہ تحقیق کی جائے کہ اس نے کیا دیکھا ہے جس کی وجہ سے یہ آنکھ کا پانی بہا ہے اگر اُس نے خدا کا خوف اور شوق دیکھا ہے اور گریہ اور نوحہ ہے تو یہ تو نماز کا کمال ہے اور اگر اُس نے مرض یا بیٹے کی جدائی دیکھی ہے اور اُس سے یہ پانی آنکھ سے بہا ہے تو نماز خراب ہو جائیگی۔ براز۔ یعنی آہستگی سے۔ نوحہ۔ آواز سے رونا۔

ط۱ بنگری۔ غور کر کہ وہ کیوں رو رہا ہے۔ ملامت ... شرمندگی۔ نیاز۔ عاجزی۔ آں جہاں۔ یعنی شوق و خوفِ خداوندی کا عالم۔ ور ز رنج۔ اگر رونے کا سبب کوئی بدنی تکلیف یا رنج ہے تو سب کچھ ضائع ہو گیا۔

ط۲ ریسماں۔ دھاگا بھی ٹوٹا اور تکلا بھی ٹوٹا یعنی سب کچھ تباہ ہو گیا۔ ماتم۔ سوگ کی مجلس۔ زانکہ۔ کیونکہ اُس حالت میں اُس کا دل اللہ کے غیر سے وابستہ ہے پس۔ اُس آہ و بکا سے نماز بھی ٹوٹی اور اُس سے سکو

گرزشوقِ حق کند گریہ دراز — یا ندامت از گناہے دَر نیاز

اگر دوران گریہ اللہ (تعالیٰ) کے شوق پہ کرتا ہے — یا عاجزی میں کسی گناہ کی شرمندگی سے

خوفِ حق گر باشد آں گریہ خوشست — زانکہ آں آب تو دفعِ آتش ست

اگر اللہ کا خوف ہے، تو رونا بہتر ہے — کیونکہ وہ تیرا پانی آگ کو بجھاتا ہے

بیشکے گیرد نمازِ او کمال — قرب یابد در رہِ حق لامحال

اس کی نماز یقیناً کمال حاصل کرے گی — وہ لامحالہ اللہ (تعالیٰ) کا قرب حاصل کرے گا

آں جہاں گر دیدہ آں پُر نیاز — رونقے یابد ز نوحہ آں نماز

اگر اس نیازمند نے اس عالم کو دیکھا ہے — تو رونے سے اس کی نماز رونق حاصل کریگی

ور ز رنجِ تن بُود وز درد و سوگ — ریسماں بگسست و ہم بشکست دوک

اور اگر جسم کی بیماری اور درد اور رنج سے ہے — تو دھاگا ٹوٹا اور تکلا بھی

ور فغاں از ماتمِ فرزند کرد — کہ دل و جانش ز ماتم کرد درد

اگر اس نے اولاد کے رنج میں فریاد کی ہے — کہ رنج سے اس کا دل اور جان دردمند ہوئے تھے

می نیرزد آں نمازِ او دو جو — زانکہ با اغیار دارد دل گرو

تو اس کی نماز دو جو کی قیمت کی نہیں ہے — کیونکہ اس کا دل غیروں میں پھنسا ہے

پس نمازش بیشکے باطل بود — گریۂ او نیز بے حاصل بود

تو اس کی نماز بلاشبہ فاسد ہو جائے گی — اس کا رونا بھی بے نتیجہ ہوگا

زانکہ ترکِ تن بُود اصلِ نماز — ترکِ خویش و ترکِ فرزند از نیاز

کیونکہ نماز کی اصل، جسم کو ترک کرنا ہے — نیازمندی کی وجہ سے اپنے آپ کو اور اولاد کو ترک کرنا ہے

از خلیل آموز قرباں کن ولد — تن بنہ بر آتشِ نمرود رد

حضرت ابراہیمؑ سے سیکھ لے اولاد کو قربان کر دے — مردود نمرود کی آگ پر جسم کو رکھ دے

حاصل آنکہ تا بدانی اے کیا — کز بکا فرق ست بیحد تا بکا

خلاصہ یہ ہے کہ اے بزرگ! تو سمجھ لے — کہ رونے اور رونے میں بیحد فرق ہے

کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ زانکہ۔ اس لئے کہ اصل نماز تو یہ ہے کہ انسان اس میں غیر اللہ سے بالکل غافل ہو جائے۔

از خلیل۔ حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے معاملہ میں اپنی اولاد اور جان کی پرواہ نہ کی۔ حاصل۔ خلاصہ یہ سمجھ لو کہ رونے اور رونے میں بہت فرق ہے۔ ایک رونا نماز کی مدح ہے دوسرا رونا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

شرح

قصۂ عاشق مولانا نے ترغیب فنا کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ سو یہ مضمون بھی اسی کی تائید میں تحریر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی شخص نے ایک مفتی سے خفیہ طور پر دریافت کیا کہ اگر کوئی نماز میں آواز سے روئے تو اسکی وہ نماز عجیب فاسد ہو جائیگی۔ یا اسکی نماز صحیح اور کامل رہے گی؟

مفتی نے جواب دیا کہ آب دیدہ کے کیا معنی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ پانی جو دیکھی ہوئی شے سے بہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا دیکھ کر رویا ہے۔ اور غور کرنا یہ ہے کہ آبِ دیدہ نے خفیہ کیا دیکھا ہے کہ وہ اپنی چشمہ سے روانہ ہوا۔ پس اگر وہ آواز سے رونا خدا کے شوق میں ہے یا اس ندامت کے سبب ہے جو اسکو نماز میں گناہ پر ہوئی ہے یا خدا کے خوف سے ہے۔ تو وہ رونا نہایت عمدہ ہے کیونکہ وہ آتش دوزخ کو دور کرنے والا ہے اور بلاشبہ اسکی نماز کامل ہوگی۔ اور لامحالہ اسے قربِ حق میسر ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ اگر اسنے عالمِ غیب دیکھا ہے یعنی عالمِ غیب اس کے گریہ کا سبب ہوا۔ تو اس کی نماز کو اسسے رونق حاصل ہوگی۔ اور اگر رنج نفسانی اور تکلیف یا غمِ مرگ سے ہو تو سوت بھی ٹوٹ گیا اور تکلا بھی۔ یعنی نماز بالکل تباہ ہوگئی اور کیا دھرا سب غارت ہوگیا۔ اور اگر فغان غم مرگ فرزند سے کی ہے جس سے اُس کے دل اور اسکی جان کو تکلیف اور صدمہ ہوا ہے تو اسکی نماز کچھ بھی قیمت نہیں رکھتی۔ کیونکہ وہ اغیار بے تعلق رکھتا ہے اور اس کا دل ان میں پھنسا ہوا ہے پس اس کی نماز بے شبہ باطل ہوگی اور اس کا رونا بھی بے نتیجہ ہوگا۔ کیونکہ نماز کی حقیقت تو یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو اپنی خودی کو اپنی آل و اولاد کو چھوڑ دے۔ اور یہ حقیقت صورت مفروضہ میں نہیں پائی گئی اسلئے نماز نہ ہوگی۔

[فائدہ : یہ مضمون خطابی ہے نہ کہ برہانی۔ پس اس پر عدم جامعیت کا شبہ نہیں ہوسکتا] صاحبو! تم خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام سے سبق لو۔ اور اسکی طرح اولاد کو خدا کے لیے قربان کردو۔ اور نمرود مردود کی آگ میں اپنے کو ڈال دو۔ یعنی نفس شیطان کی مخالفت پر صبر کرو۔

خیر تو خلاصہ یہ ہے کہ تم کو جاننا چاہیئے کہ تمام گریہ یکساں نہیں ہیں بلکہ رونے رونے میں فرق ہے۔ اس پر ایک حکایت یاد آگئی سنو!

مُریدے[1] در آمد بخدمتِ شیخ وازیں شیخ پیرِ مُسِن میخواہیم بلکہ پیر

ایک مرید ایک شیخ کی خدمت میں پہنچا اور اس شیخ سے پیر کی مراد دراز عمر بوڑھا نہیں ہے

عقل و معرفت اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام است در گہوارہ و یحییٰ

بلکہ عقل و معرفت کا بوڑھا اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام گہوارہ میں اور یحییٰ علیہ السلام

علیہ السلام ست در مکتبِ کودکان مرید شیخ را گریاں دید اُو نیز

بچوں کے مکتب میں ہوں مُرید نے شیخ کو روتے دیکھا اس نے بھی

موافقت کرد و بگریست چوں فارغ شُد و بدر آمد مُریدِ دیگر کہ

موافقت کی اور رو پڑا جب وہ فارغ ہوا اور باہر آیا دوسرا مرید جو

از حالِ شیخ واقف تر بود از سرِ غیرت در عقبِ اُو نیز بیروں

شیخ کے حال سے زیادہ واقف تھا غیرت کی وجہ سے وہ بھی پیچھے پیچھے باہر آیا

آمد گفتش کہ اے[2] برادرِ من ترا گفتہ باشم اللہ اللہ تا نیندیشی

اس لے کہا اے میرے بھائی! میں تجھ سے کہتا ہوں خدا کے لئے نہ سوچنا

و نگوئی کہ شیخ میگریست من نیز میگریستم کہ سی سال ریاضت

اور نہ کہنا کہ شیخ روئے میں بھی رویا کیونکہ تیس سال بغیر ریا کی محنت کرنی

بے ریا باید کرد و از عقبات و دریا ہائے پُر نہنگ و کوہہائے

چاہئے اور گھاٹیوں اور ناکوں سے بھرے دریاؤں سے اور شیر اور

بلندِ پُر شیر و پلنگ می باید گذشت تا بداں گریۂ شیخ برسی

چیتوں سے بھرے پہاڑوں سے گذرنا چاہئے پھر شیخ کے اُس رونے کو تو پہنچ سکے

یا نہ رسی اگر برسی شکر زُوِیَتْ[3] لِیَ الْاَرْضُ بسیار گوئی کہ

یا نہ پہنچ سکے اگر پہنچ جائے۔ تو میرے لئے زمین سمیٹ دی گئی ہے۔ کا بہت شکر ادا کر

آنجائے شکر ست کہ آں گریہ حضورِ قلب باشد

کیونکہ وہ شکریہ کا موقع ہے کیونکہ وہ رونا حضورِ قلب سے ہوگا

یک مُریدے اندر آمد پیشِ پیر | پیر اندر گریہ بود و در نفیر

ایک مرید پیر کے پاس اندر آیا | پیر رونے میں اور نفاں میں تھا

شیخ را چوں دید گریاں آں مُرید | گشت گریاں آب از چشمش دوید

جب اُس مرید نے شیخ کو روتے دیکھا | رونے لگا، آنسو اُس کی آنکھوں سے نکل پڑے

گوش[4] شور یکبار خندد کر دو بار | چونکہ لاغ املا کُند یارے بیار

سُننے والا ایک بار اور بہرا دو بار ہنستا ہے | جب کوئی یار، یار سے مذاق کرتا ہے

[1] مُریدے - اِس قصہ سے یہ بتانا ہے کہ شیخ کا رونا اور اُس مُرید کا رونا یکساں نہ تھا۔ شیخ شیخ سے مراد بوڑھا نہیں ہے بلکہ وہ شخص ہے جس کی عقل اور معرفت بڑھی ہوئی ہو خواہ وہ عُمر کے اعتبار سے بچہ ہو، جیسے کہ حضرت عیسیٰ گہوارہ میں یا حضرت یحییٰ بچوں کے مکتب میں تھے۔

[2] اے برادر - اِس باکمال مرید نے اُس کو سمجھایا کہ تو اپنے رونے کو شیخ کے رونے جیسا نہ سمجھنا تیرا رونا تو محض تقلیدی تھا اور شیخ کا رونا ایسا رونا ہے کہ تیس سال مجاہدوں کے بعد بھی یہ میسّر آجائے تو غنیمت سمجھنا۔

[3] زُوِیَتْ - آنحضورؐ نے فرمایا زُوِیَتْ لِیَ الْاَرْضُ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا میرے لئے زمین لپیٹ دی گئی تو میں نے اُس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا یعنی برسوں کا کام منٹوں میں ہو گیا۔ شیخ را - یہ مُرید شیخ کی تقلید میں شیخ کو روتے ہوئے دیکھ کر رونے لگا۔

بارِ اوّل از رہِ تقلید و سَوم — کہ ہمی بیند کہ می خندند قوم
پہلی بار دیکھا دیکھی اور تکلف سے — کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ لوگ ہنس رہے ہیں

کر[1] بخندد ہمچو ایشاں آں زماں — بیخبر از حالتِ خندیدگاں
اُس وقت بہرا اُن کی طرح ہنستا ہے — (اور) ہنسنے والوں کی حالت سے بے خبر ہے

باز اُو پرسد کہ خندہ بر چہ بُود — پس دوم کرّت بخندد چوں شنود
پھر وہ پوچھتا ہے، کہ ہنسی کس بات پر تھی؟ — پھر جب سنتا ہے، دوبارہ ہنستا ہے

پس[2] مقلّد نیز مانندِ کرست — اندراں شادی کہ اُو را در سرست
تو مقلّد بھی بہرے کی طرح ہے — اُس خوشی میں جو اُس کے ذہن میں ہے

پرتوِ شیخ آمد و مَنہل ز شیخ — فیض و شادی نز مُریداں بل ز شیخ
شیخ کا عکس اور شیخ کا چشمہ ہے — فیض اور خوشی، نہ کہ مُریدوں کا بلکہ شیخ کا ہے

پرتوِ شیخ ست آں تقلیدِ شیخ — چوں بہ بیند شادی و تائیدِ شیخ
شیخ کی تقلید، شیخ کا عکس ہے — جبکہ وہ شیخ کی خوشی اور تائید دیکھ رہا ہے

چوں سَبد در آب و نورے بر زُجاج — گر ز خود دانند آں باشد خداج
جیسا کہ ٹوکری پانی میں اور چمک شیشہ پر ہے — اگر وہ اس (خوشی) کو اپنی جانب سمجھیں تو ناقص ہیں

چوں جدا گردد ز جُو داند عنود — کاندرو آں آبِ خوش از جُوی بود
جب وہ نہر سے علیحدہ ہو جائیگی تو جھگڑالو جان لیگی — کہ اس کے اندر وہ اچھا پانی، نہر کا تھا

آبگینہ[3] ہم بداند از غروب — کاں لمع بود از مہِ تابانِ خوب
چاند کے غروب سے شیشہ بھی جان لے گا — کہ وہ چمک عمدہ روشن چاند کی تھی

چونکہ چشمش را کشاید امرِ قُم — پس بخندد چوں سحر بارِ دوم
جب "اُٹھ کھڑا ہو" کا حکم اسکی آنکھ کھولدے گا — تو وہ صبح کے دوسری بار مسکرانے کی طرح مسکرائے گا

خندہ آید ہم براں خندہ خودش — کہ دراں تقلید بر می آمدش
اُس کو اپنی اُس ہنسی پر بھی ہنسی آئے گی — جو اُس کو تقلید میں آئی تھی

گوید[5] از چندیں رہِ دور و دراز — کایں حقیقت بود و ایں اسرار و راز
وہ کہے گا، اتنی دور و دراز مسافت سے — جبکہ یہ حقیقت اور یہ اسرار اور راز تھے

من دراں وادی چگونہ خود ز دُور — شادئے میکردم از عمیا و سُور
میں اُس میدان میں خود فاصلہ سے کس طرح — اندھے پن سے شادمانی اور خوشی کر رہا تھا؟

من چہ می بستم خیال و آں چہ بُود — دَرکِ سُستم سُست نقشے می نمود
میں نے کیا خیال کیا اور وہ کیا تھا — میرے سُست احساس نے وہمی نقش دکھا دیا

---

[1] کر، سننے والا۔ کر، بہرا۔ بہرا ایک بار تو دوسروں کو ہنستا دیکھ کر ہنستا ہے پھر لوگوں کے ہنسنے کا سبب معلوم کر، دوبارہ ہنستا ہے۔ سوم، تکلف۔ بیخبر۔ پہلی بار ہنسنے میں بہرے کو ہنسی کے سبب کا علم نہیں ہوتا ہے۔ باز۔ پھر جب وہ لوگوں سے ہنسی کا سبب معلوم کر لیتا ہے تو دوبارہ ہنستا ہے۔

[2] پس مقلد۔ جو شخص کسی کی دیکھا دیکھی کام کرتا ہے اُسکی مثال بہرے کی سی ہے۔ پرتو۔ اُس پر شیخ کے باطن کا اثر پڑتا ہے اور اُس سے اسکو خوشی یا رنج حاصل ہوتا ہے تو مرید کا تقلیدی فعل بھی شیخ کا اثر ہوتا ہے۔ چوں سبد۔ اگر ٹوکری نہر میں پڑی ہوئی ہو۔ اور اُس میں پانی بھرا ہوا ہو یا آئینہ میں سورج کی چمک پڑ رہی ہو تو اُس پانی یا چمک کو ٹوکری یا آئینہ کا اپنا سمجھنا غلط ہے۔ خداج۔ ناقص۔ عنود۔ سرکش۔

[3] آبگینہ۔ جب ٹوکری نہر سے باہر نکل جائے گی اور چاند ڈوب جائے گا تو ٹوکری اور آئینہ کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ پانی اور چمک اُن کی نہ تھی۔ قم۔ آنحضرتؐ کو حکم ہوا تھا قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا "تھوڑی رات چھوڑ کر رات میں عبادت کیا کرو"۔۔۔ سحر بارِ دوم۔ پہلے صبح کاذب آتی ہے پھر دوبارہ صبح صادق نمودار ہوتی ہے۔ خندہ آید۔ اب جب حقائق منکشف ہو جاتے ہیں تو مُرید کو اپنی پہلی ہنسی پر ہنسی آتی ہے۔

[5] گوید۔ اب مرید اپنے سابق احوال کے بارے میں سمجھے گا کہ وہ جو کچھ حاصل تھا وہ تو محض شیخ کا عکس تھا

طفلِ رہ را فکرتِ مرداں کجاست ... کو خیالِ او و کو تحقیق راست
راہ (سلوک) کے بچے میں مردوں کی سمجھ کہاں ہے؟ ... کہاں اس کا خیال، اور کہاں صحیح تحقیق

طفل را چہ فکر آید در ضمیر ... یا چہ اندیشہ کند ہمچوں کہ پیر
بچے کے دل میں کیا خیال آسکتا ہے؟ ... یا وہ بوڑھے کی طرح کیا سوچ سکتا ہے؟

فکرِ طفلاں دایہ باشد یا کہ شیر[۵۰] ... یا مویز و جوز یا گریہ و نفیر
بچوں کا فکر دایہ یا دودھ ہوتا ہے ... یا منقّٰی اور اخروٹ یا رونا اور چلّانا

آں مقلد ہست چوں طفلِ علیل ... گرچہ دارد بحثِ باریک و دلیل
مقلد، بیمار بچے کی طرح ہے ... اگرچہ نازک بحث اور دلیل رکھتا ہو

آں تعمق در دلیل و در شکال ... از بصیرت می کُند اُو را گُسال
اشکال اور دلیل میں غور ... اُس کو بصیرت سے رخصت دیدیتا ہے

مایۂ کاں سرّ ِ سینۂ سرّ ویست ... بُرد و در اشکال گفتن کار بست
وہ سرمایہ جو اس کے باطن کا سرّ ہے ... سب کر دیا اور اشکال بیان کرنے میں لگا دیا

اے مقلد از بخارا باز گرد[۵۲] ... رَو بخواری تا شوی تو شیر مرد
اے مقلد! بخارا سے واپس آجا ... ذلت کی جانب جا، تاکہ تو شیر مرد بنے

تا بخارائے دگر بینی درو ... صفدراں در محفلش لَا یَفْقَھُوْن
تاکہ تو باطن میں دوسرا بخارا دیکھ لے ... اُس کی محفل میں بہادر "وہ نہیں سمجھتے ہیں" ہیں

پیک اگرچہ در زمیں چابک تگ است ... چوں بدریا رفت بشکستہ رگ است
قاصد اگرچہ خشکی میں تیز رفتار ہے[۵۳] ... جب دریا میں پہنچا، رگ ٹوٹا ہے

اُو حَمَلْنٰھُمْ بُوَد فِی الْبَرِّ و بس ... آنکہ محمول ست در بحر اُوست کس
وہ صرف "ان کو ہم نے خشکی میں چلایا" ہے ... جو سمندر میں چلایا ہوا ہے وہ بہادر ہے

بخششِ بسیار دارد شہ بدو ... اے شدہ در وہم و تصویرے دوتو
شاہ اس پر بہت بخشش کرتا ہے ... اے وہ! جو وہم اور تصویر میں دوہرا بنا ہوا ہے

اتمۂ حالِ مریدِ مقلد
مرید مقلد کے حال کا بقیہ

آں مریدِ سادہ از تقلید نیز ... گریہ میکرد از دفقِ آں عزیز
وہ بھولا مرید بھی، تقلید میں ... اس معزز کی طرح رونے لگا

او مقلد وار ہمچو مردِ کر ... گریہ می دید و ز موجب بے خبر
اُس نے تقلید میں بہرے شخص کی طرح ... رونا دیکھا اور سبب سے بے خبر تھا

---

[۵۳] ثابت ہوں گے بستفدراں، یعنی بخارا میں ظاہری علماء ہیں جو اسرار کو نہیں سمجھتے ہیں۔ پیک۔ مشہور ہے ہر مردے و ہر کارے، جو خشکی کا چلنے والا ہے وہ دریا میں نہیں چل سکتا ہے وہاں تیراک کی ضرورت ہے۔

اب وہ اور میں اصل سے کس قدر دور تھے۔ بحث زماں میں حقیقت تک نہ پہنچا تھا اور خوشی منا رہا تھا۔ ہمیں چہ پستم۔ میرے ناقص علم وادراک میں ایک خیال چیز تھی۔ طفلِ رہ۔ جو سالک ابھی راہِ سلوک کا بچہ ہے وہ حقیقت تک کہاں پہنچ سکتا ہے۔

[۵۰] فکرِ طفلاں۔ طفلانہ فکر تو صرف دایہ اور دودھ اور کھانے پینے کی معمولی چیزوں تک ہوتا ہے۔ آں مقلد۔ مقلد کی مثال بچہ کی سی ہے۔ تعمق۔ یہ مقلد اگر خود ان اسرار تک پہنچنے کی کوشش کرے گا یا دلائل ڈھونڈے گا تو یہ اس کو بصیرت سے اور دور کر دیں گے۔ مایہ۔ جو غور و فکر کا اس کے پاس سرمایہ تھا وہ بھی اس نے بیجا صرف کر ڈالا۔

[۵۲] اے مقلد۔ یہ اسرار اور راز عقلی دلائل سے واضح نہ ہوں گے بخارا ظاہری علوم کا مرکز ہے اس کو چھوڑ کر خواری اور مجاہدوں کی ذلت اختیار کر جب تو مردِ میدان بنے گا۔ تا بخارا۔ جب انسان مجاہدے کرے گا تو پھر اس کو ایک بخارا اپنے دل میں نظر آئیگا اور اس بخارا میں علوم ظاہری سے بحث کرنے والے بالکل

[۵۴] حَمَلْنٰھُمْ قرآن پاک میں ہے۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور سمندر میں سوار کیا۔.... حَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ سے علوم ظاہری کے علماء، اور حَمَلْنٰھُمْ

چوں بسے بگریست خدمت کرد و رفت
جب بہت رو چکا اُس نے سلام کیا اور روانہ ہوگیا

از پیش آمد مرید خاص تفت
اُس کے پیچھے ایک خاص مُرید تیزی سے چلا

گفت اے گریاں چو ابرِ بیخبر
اُس نے کہا، اے بے خبر ابر کی طرح رونیوالے!

بر وفاقِ گریۂ شیخ از نظر
دیکھا دیکھی شیخ کے رونے پر

اللہ اللہ اے وفائی مُرید
اے وفادار مرید! خدا کے لئے

گر چہ در تقلید ہستی مُستفید
اگرچہ تو تقلید میں فائدہ اُٹھانے والا ہے

تا نگوئی دیدم آں شہ می گریست
یہ نہ کہنا میں نے دیکھا کہ وہ شاہ رو رہا تھا

من چو او بگریستم کایں منکریست
میں اُسکی طرح رویا، کیونکہ یہ (شیخ کی فضیلت کا) انکار کرنا ہے

گریۂ کز جہل و تقلید ست و ظن
وہ رونا جو لاعلمی اور تقلید اور گمان کی وجہ سے ہے

نیست ہمچوں گریۂ آں مؤتمن
وہ اس امانتدار کے رونے کی طرح نہیں ہے

تو قیاسِ گریہ بر گریہ مساز
تو رونے کو رونے پر قیاس نہ کر

ہست زیں گریہ بداں راہِ دراز
اِس رونے سے اُس رونے تک بہت فاصلہ ہے

ہست آں از بعدِ سی سالہ جہاد
وہ (رونا) تیس سالہ مجاہدہ کے بعد ہے

عقل اینجا ہیچ نتواند فتاد
عقل اِس جگہ کبھی نہیں پہنچ سکتی

ہست زاں سوئے خرد صد مرحلہ
وہاں عقل سے آگے سَو مرحلے ہیں

عقل را واقف مداں اں قافلہ
اُس قافلے سے عقل کو واقف نہ سمجھ

گریۂ او نز غم ست و نز فرح
اُس (شیخ) کا رونا نہ غم سے ہے نہ خوشی سے

رُوح داند گریۂ عینُ المُلح
بے نور آنکھ کا رونا، روح جانتی ہے

گریۂ او خندۂ او زاں سریست
اُس کا رونا، اُس کا ہنسنا اُس جانب کا ہے

زانچہ وہم و عقل باشد آں بریست
جو وہم اور عقل کی وجہ سے ہو، وہ اِس سے بری ہے

آبِ دیدہ او چو دیدہ او بُود
اُس کا آنسو اُس کی آنکھ کی طرح ہوتا ہے

دیدۂ نادیدہ دیدہ کے شود
اندھے کی آنکھ، آنکھ کب ہو سکتی ہے!

آنچہ او بیند نتاں کردن مساس
جو وہ دیکھتا ہے، اُس کو چھوا نہیں جاسکتا ہے

نز قیاسِ عقل و نز راہِ حواس
نہ عقل کے قیاس سے، نہ حواس کی راہ سے

شب گریزد چونکہ نُور آید زدُور
جب روشنی آتی ہے، رات دور سے بھاگ جاتی ہے

پس چہ داند ظلمت از احوالِ نور
تو تاریکی روشنی کے احوال کیا جانے؟

پشہ بگریزد ز بادِ بادِ ہا
پِسّو ہوا سے مچھر بھاگ جاتا ہے

پس چہ داند پشہ ذوقِ بادہا
تو ہواؤں کا ذوق مچھر کیا جانے؟

فی البحر سے علوم باطنی کے علماء مراد ہیں۔ بخشش یعنی دریا کے جواہر پر اللہ تعالےٰ زیادہ بخشش کرتا ہے۔ اے خندہ۔ اے وہ انسان جو وہم اور خیالی تصور پر ہنستا ہو ... یعنی شیخ۔ زہر عجب۔ یعنی شیخ کے رونے کے سبب ناواقف تھا۔

۵۲ گفت۔ اُس خاص مُرید نے رونے والے مرید سے کہا تو بے خبری میں شیخ کی دیکھا دیکھی رویا ہے۔ آخر خدا کے لئے تو اپنے رونے کو شیخ کے رونے کی طرح نہ سمجھ گریہ۔ تیرا رونا تو محض تقلید میں تھا اور تو شیخ کے رونے سے بے خبر تھا۔ ایں منکریست۔ تیرا یہ کہنا شیخ کی فضیلت کا انکار ہوگا۔ مؤتمن۔ امانتدار۔

۵۳ تو قیاس۔ اپنے رونے کو شیخ کے رونے پر قیاس نہ کر لینا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہست۔ شیخ کا رونا مشاہدہ کی بنیاد پر ہے جو تیس سالہ مجاہدہ کے بعد حاصل ہوا ہے محض عقل بنیاد پر یہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔

۵۵ گریۂ او۔ شیخ کا رونا نہ غم دوزخ سے ہے نہ فرحت جنت سے بلکہ اُس کا رونا محض شوقِ خداوندی سے ہے۔ گریۂ او۔ شیخ کا رونا اور ہنسنا منجانب اللہ ہے عقل اور وہمی بنیاد پر رونے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ آبِ دیدہ۔ شیخ کی جیسی آنکھیں ہیں کہ وہ عالم غیب کا مشاہدہ کرتی ہیں ایسا ہی اُسکا رونا ہے اندھے کی آنکھیں آنکھیں

چوں قدیم آید حدث گردد عبث — پس کجا داند قدیمے را حدث

جب قدیم آتا ہے حادث بیکار ہو جاتا ہے — تو حادث قدیم کو کیا جانے؟

بر حدث چوں زد قدم دنگش کند — چونکہ کردش نیست ہم رنگش کند

جب قدیم حادث پر چھا جاتا ہے اُسکو حیران کر دیتا ہے — جب اُس کو معدوم کر دیا اسکو ہم رنگ کر لیتا ہے

گر بخواہی تو بیابی صد نظیر — لیک من پروا ندارم اے فقیر

اگر تو چاہے تو سَو مثالیں حاصل کرلے — لیکن اے فقیر! مجھے فرصت نہیں ہے

ایں الٓمٓ و حٰمٓ ایں حروف — چوں عصائے موسیٰ آمد در وقوف

یہ الٓمٓ و حٰمٓ یہ حروف — جاننے میں حضرت موسیٰؑ کے عصا کی طرح ہیں

حرفہا ماند بدیں حرف از بروں — لیک باشد در صفات ایں زبوں

بظاہر حروف ان حروف سے مشابہ ہیں — لیکن اِن کی صفات سے عاجز ہیں

ہر کہ گیرد او عصائے ز امتحاں — کے بود چوں آں عصا وقت بیاں

وہ شخص جو آزمائش کے لئے لاٹھی ہاتھ میں لے لے — بیان کے وقت وہ اُس (موسیٰؑ کی) لاٹھی کی طرح کب ہے؟

عیسوی ست ایں دم نہ ہر باد و دمے — کز بر آید از فرح یا از غمے

یہ سانس عیسوی ہے ہر ہوا اور سانس نہیں ہے — جو کہ خوشی یا رنج سے آئے

ایں الٓم و حٰمٓ اے پدر — آمدست از حضرت مولی البشر

اے باوا! یہ الٓم و حٰمٓ — انسانوں کے مولیٰ کے دربار سے آئے ہیں

ہر الف لامے چہ می ماند بدیں — گر تو جانے داری بدیں چشم مبیں

ہر الف لام اِن کے کیا مشابہ ہو سکتا ہے؟ — اگر تو روح رکھتا ہے، اِن آنکھوں سے نہ دیکھ

گرچہ ترکیبش حروف ست اے ہمام — می نماند ہم بترکیب عوام

اے سردار! اگرچہ اُس کی بناوٹ حروف سے ہے — (لیکن) وہ عوام کی ترکیب کی طرح نہیں ہے

ہست ترکیب محمدؐ لحم و پوست — گرچہ در ترکیب ہر تن جنس اوست

محمدؐ کی بناوٹ گوشت اور پوست ہے — اگرچہ بناوٹ میں ہر جسم اس جیسا ہے

گوشت دارد پوست دارد استخواں — ہیچ ایں ترکیب را باشد ہماں

(ہر جسم) گوشت رکھتا ہے کھال رکھتا ہے ہڈی رکھتا ہے — کبھی اِس بناوٹ میں وہ (آثار) ہوں گے

کاندریں ترکیب آمد معجزات — کہ ہمہ ترکیب ہا گشتند مات

اس بناوٹ میں ایسے معجزے آئے — کہ تمام بناوٹیں مات ہو گئیں

نہیں ہیں۔ انچہ۔ شیخ جن چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے وہ عقل نہیں ہیں۔

سلے شب۔ جسطرح رات، دن کے احوال نہیں جان سکتی ہے اسی طرح عقل اور وہم شیخ کے مشاہدات کو نہیں جان سکتے ہیں۔ پشہ۔ مچھر جبکہ ہوا کے پہلے جھونکے سے بھاگ جاتا ہے تو وہ ہوا خوری کے ذوق سے کیسے واقف ہو سکتا ہے یہی حال شیخ کے مشاہدات اور عقل کا ہے۔ چوں قدیم۔ قدیم کے سامنے حادث کا وجود معدوم ہو جاتا ہے تو حادث قدیم کی حقیقت کیسے سمجھ سکتا ہے۔

سلے دنگش حیران۔ چونکہ۔ قدیم حادث کو مٹا کر اپنا ہم رنگ بنا لیتا ہے انسان صفاتِ خداوندی سے متصف ہو کر بشریت کو گم کر دیتا ہے صد نظیر۔ اسکی بہت مثالیں ہیں کہ حادث اور قدیم میں فرق ہے۔ ایں۔ حروف مقطعات یا قرآن کے عام•

سلے ایں دم۔ حضرت عیسیٰ کے مریض پر پھونک مارنے اور عام پھونک میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہر الف۔ قرآن پاک کے حروف خدائی دربار سے نازل ہوئے ہیں ان کو عام حروف کی طرح نہ سمجھنا چاہیے ان سے جو کلمات مرکب ہوں گے وہ عام کلمات کی طرح نہ ہوں گے۔ ہست۔ ظاہری بناوٹ تو آنحضورؐ کی بھی ایسی ہی تھی جیسی عام انسانوں کی ہوتی ہے۔

سلے گوشت۔ ہر جسم انہی اجزا سے بنا ہے جس سے آنحضورؐ

• حروف قدیم ہیں اور اسی طرح کے حروف انسانی کلام میں بھی ہیں لیکن دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کی لاٹھی اور عام لاٹھی میں۔ حرفہا۔ قدیم اور حادث حروف بظاہر یکساں ہیں لیکن اُنکے اوصاف میں بہت بڑا فرق ہے۔ ہر کہ۔ عام لاٹھی اور موسیٰؑ کے عصا میں بہت فرق ہے۔

ہمچناں ترکیب حم از کتیب | ہست بس بالا و دیگر با نشیب
اسی طرح قرآن کے حم کی بناوٹ | بہت بلند ہے اور دوسری نیچی ہیں

زانکہ زیں ترکیب آید زندگی | ہمچو نفخ صور در درماندگی
کیوں کہ اس بناوٹ سے زندگی آتی ہے | جیسا کہ عاجزی (قیامت) میں صور کا پھنکنا

اژدھا[1] گردد شگافد بحر را | چوں عصا حم از دادِ خدا
اژدھا بنجاتے ہیں سمندر کو پھاڑ دیتے ہیں | حم عصا کی طرح خدا کی عنایت سے

ظاہرش ماند بظاہر ہا و لیک | قُرص نان از قرصِ مہ دور ست نیک
اسکا ظاہر (دوسرے الفاظ کے) ظاہری احوال کے مشابہ ہے لیکن | روٹی کی ٹکیا، چاند کی ٹکیا سے بہت دور ہے

گریۂ اُو خندۂ اُو نطقِ اُو | فہمِ اُو و خلق او و خُلقِ اُو
اُسکا رونا، اُسکا ہنسنا، اُس کا بولنا | اُسکی فہم، اُس کی ساخت، اور اُسکے اخلاق

عقلِ اُو وہمِ اُو و حسِ اُو | نیست از وے ہست محضِ صُنعِ ہُو
اُس کی عقل، اور اُس کا وہم اور اُسکا احساس | اُسکا اپنا نہیں ہے وہ محض اللہ کی کاریگری ہے

چونکہ[1] ظاہر ہا گرفتند احمقاں | واں دقائق شد از ایشاں بس نہاں
احمقوں نے چونکہ ظاہری احوال کو پسند کیا | وہ باریکیاں اُن سے بہت پوشیدہ ہو گئیں

لاجرم محجوب گشتند از غرض | کہ دقیقہ فوت شد در معترض
وہ یقیناً مقصد سے محجوب ہو گئے | معارض میں نکتہ فوت ہو گیا

ایں سخن پایاں ندارد باز گرد | کاں کنیزک با خرِ خاتوں چہ کرد؟
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے واپس چل | اُس باندی نے بی بی کے گدھے سے کیا کیا؟

نہاں ۔ یعنی عام لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہو گئے بلکہ وہ اللہ کے اعلان کے مخفی ہو گئے

کا جسم بنا ہے لیکن ہر جسم کی بناوٹ میں وہ آثار کہاں ہیں جو آنحضورؐ کی بناوٹ میں ہیں کا ندریں۔ آنحضورؐ کے جسم کی بناوٹ سے وہ معجزے ظاہر ہوئے کہ تمام بناوٹیں بار ملن گئیں۔ ہمچناں۔ اسی طرح انہی حروف سے جب قرآنی کلمات مرکب ہوئے تو وہ فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے۔ زانکہ۔ اب ان کلمات سے دلوں میں ایسی ہی زندگی پیدا ہوتی ہے جسطرح نفخِ صور سے قیامت میں جسموں کی زندگی ہو گی۔

[1] اژدھا۔ خدا نے اِس کلام میں ایسی ہی تاثیر رکھی ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کے عصا میں تھی۔ قُرص۔ سورج اور روٹی کی ٹکیا بظاہر یکساں ہیں لیکن معنوی بہت فرق ہے گریہ اُو۔ یعنی شیخ کے افعال کو عام انسانوں کے افعال کیطرح نہ سمجھنا چاہیئے اب اُس کے

شرح

ایک مرید شیخ کے پاس آیا کہ شیخ رو رہا ہے پس جبکہ اُس مرید نے شیخ کو روتے دیکھا تو خود ہی رونے لگا اور اسکی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے —— یہ تو واقعہ تھا اب اُس کے مناسب مضمون ارشادی سنو! مگر اس سے پہلے ایک مقدمہ سُن لو۔ وہ یہ ہے کہ جس وقت ایک دوست دوسرے دوست سے مذاق کرتا ہے۔ اس وقت کان والا اگر ایک مرتبہ ہنستا ہے تو بہرا دو دفعہ ہنستا ہے۔ کیونکہ بہرا پہلی دفعہ تو لوگوں کی تقلید میں اور بہ تکلف ہنستا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ لوگ ہنس رہے ہیں اسوقت جو وہ بہرا ہنستا ہے تو اسکو

کچھ خبر نہیں ہوتی ہے کہ لوگ کیوں ہنس رہے ہیں لیکن اُسکے بعد وہ پوچھتا ہے کہ بھائی تم کیوں ہنستے تھے اُس کے پوچھنے پر لوگ ہنسی کا سبب بتلاتے ہیں - پس جبکہ وہ سُنتا ہے تو دوبارہ ہنستا ہے جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا - تو اب سمجھو کہ یہی حالت مقلد اور سالک غیر واصل کی ہے کہ جو خوشی اسے حاصل ہوتی ہے اس میں وہ بمنزلہ بہرے کے ہوتا ہے - اور یہ خوشی شیخ کا پرتو ہوتی ہے اور اس کا سرچشمہ شیخ ہوتا ہے -

الغرض ایسے مریدوں کا غم اور انکی خوشی ان کی ذاتی نہیں ہوتی - بلکہ اس کا مبدء شیخ ہوتا ہے اور جبکہ اسکو بتائیدِ شیخ کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے - تو وہ خوشی شیخ کا پرتو اور اسکی تقلید ہوتی ہے اور اسکی مثال ایسی ہوتی ہے - جیسے ندی میں ٹوکرا پڑا ہو اور پانی سے بھرا ہو - یا شیشہ پر نور پڑ رہا ہو پس اگر ٹوکرا اور آئینہ پانی اور نور کو اپنا ذاتی سمجھیں تو یہ ان کا نقص ہے جب ٹوکرا ندی سے جدا ہوگا اس وقت اسے معلوم ہوگا کہ وہ پانی ندی کا تھا - نہ کہ میرا علیٰ ہٰذا - جس وقت ماہتاب غروب ہوگا اس وقت آئینہ کو معلوم ہوگا کہ وہ نور میرا نہ تھا بلکہ روشن ماہتاب کا تھا - یوں ہی جس وقت شیخ سے اس مرید کا تعلق منقطع ہوتا ہے اس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو کچھ حال تھا شیخ کا پرتو تھا - اور خود اس کا کمال ذاتی نہ تھا - لیکن جس وقت وہ مرتبہ تقلید سے گذر کر مرتبہ تحقیق پر پہنچتا ہے - اور حق سبحانہٗ کا زندہ کن اور حیات بخش حکم اسکو حیات روحانی عطا فرما کر اس کی آنکھیں کھولتا ہے اور اسکو بصیرت عطا فرماتا ہے - اس وقت وہ صبح کی طرح دوبارہ ہنستا ہے اور اس وقت اسکو اپنی اس ہنسی پر ہنسی آتی ہے جو کہ تقلید کی حالت میں اسکو آتی تھی - اور وہ کہتا ہے کہ اس قدر دور و دراز راہ سے جہاں یہ حقیقت اور یہ راز اور بھید تھا - میں وادی تقلید میں اپنی اندھی پن سے دور ہی دور کیونکہ خوش تھا -

[خلاصہ یہ کہ وہ بصیرت حاصل کرنے کے بعد کہتا ہے کہ جس وقت میں وادیٔ تقلید میں سرگرداں تھا اس وقت اس حقیقت اور راز میں جو مجھے اس وقت حاصل ہے - اور مجھ میں

بہت بُعد تھا۔ پھر باوجود اس بُعد کے میں کیونکر ہنستا تھا] میں تو کیا سمجھتا تھا اور بات فی الحقیقت کیا تھی یعنی وہ ہنسی تو شیخ کا پرتو تھا۔ اور میں اسے اپنا کمال سمجھتا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ میری کمزور قوت مُدرکہ غلط تصویر دکھلاتی تھی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ ہونا بھی یہی چاہیئے تھا۔ کیونکہ مبتدیاں راہ سلوک کے لئے ارباب کمال کا سا ادراک کہاں حاصل ہو سکتا ہے اُن کے خیال ہیں اور اہل اللہ کی تحقیق میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے بھلا کہیں بچوں کے دل میں بوڑھوں کا سا خیال آ سکتا ہے یا وہ ان کا سا فکر کر سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ بچوں کا فکر تو یہ ہوتا ہے کہ وہ دایہ کو طلب کریں یا دودھ مانگیں۔ یا کشمش اور اخروٹ مانگیں یا روئیں دھوئیں۔ ختم شد ——— برخلاف بوڑھوں کے کہ ان کا فکر تدبیر منزل و سیاست مُدن وغیرہ ہوتی ہے پس کجا فکر اطفال اور کجا فکر اشیاخ پس تم سمجھو کہ مقلد خواہ کتنا ہی بڑا عالم و متبحر ہو۔ اور کیسے ہی باریک نکات اور دقائق بیان کرتا ہو۔ بمنزلہ ایک ضعیف الفہم لڑکے کے ہے اور دلائل و اشکالات میں اس کا غور و خوض اسکے لیے نافع نہیں ہے۔ بلکہ مضر ہے کیونکہ وہ بصیرت سے اس کا تعلق منقطع کرتا ہے۔ اور اس نے اس سرمایۂ قابلیت و استعداد کو جو کہ اسکی چشم بصیرت کا سرمہ اور اس کو روشن کرنے والا تھا۔ بے محل صرف کر دیا۔ اور اسکو لے جا کر اعتراضات و جوابات میں لگا دیا۔ پس اے مقلد! تو بخارا سے لوٹ! اور ذلت عشق اختیار کر۔ تاکہ تو شیر مرد ہو۔ یعنی تحصیل جاہ بعلم ظاہر کو چھوڑ اور ذلت عشق اختیار کر تاکہ تو عارف کامل ہو جائے اور تاکہ تجھے اپنے باطن میں ایک دوسرا بخارا (معدنِ علم) نظر آئے۔ جس کی محفل کے رہنے والے شراب بے خودی سے مست ہیں۔ اور ماسوی اللہ کے متعلق کچھ نہیں سمجھتے [یا یوں کہا جائے کہ اسکی محفل کے لوگ رسمی فقہاء نہیں ہیں۔ جیسے کہ فقہاء بخارا] علماء ظاہر گو تیز اور ذکی اور ذہین اور دقیقہ رس ہیں۔ مگر صرف علم ظاہر میں۔ رہے معارف اور حقائق سو وہاں ان کی دقیقہ سنجی کام نہیں دیتی۔ چنانچہ قاصد زمین میں تیز چلتا ہے مگر دریا پر

پہنچ کر اس کے چولیں ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ اور وہ کھڑا کا کھڑا رہ جاتا ہے۔
پس علمائے ظاہر غیر عارف محول نے فی البرّ اور صرف علوم ظاہریہ میں تیزی دکھلانے والے ہیں۔ سیر فی اللہ میں ایک قدم نہیں چل سکتے۔ پس یہ لوگ کچھ بھی نہیں ہیں۔ آدمی تو وہی ہیں جو دریا میں چلتے ہوں اور سیر فی اللہ کرتے ہوں۔
اور اے اوہام و خیالات پر جھکے ہوئے شخص تو جان لے! کہ ایسے لوگوں پر حق سبحانہ کی بڑی عنایت ہے پس تو اس کمال کو حاصل کر ـــــ خیر یہ مضمون ارشادی تو ختم ہوا۔ اب سنو! کہ ہم نے کہا تھا کہ وہ عاری عن الکمالات مرید بھی براہ تقلید شیخ کی طرح رونے لگا وہ بہروں کی طرح مقلدانہ روتا تھا۔ اور سبب جانتا نہ تھا پس جبکہ وہ بہت زیادہ رو چکا تو شیخ کی خدمت کی اس کے بعد رخصت ہو گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے فوراً ایک مرید خاص چلا اور کہا کہ اے بے شعور! ابر کی طرح شیخ کے اس گریہ کی موافقت میں رونے والے جو کہ بصیرت سے ناشی ہے۔ تو اگرچہ تقلیداً حالت شیخ کو حاصل کئے ہوئے ہے مگر دیکھنا خبردار! یہ نہ کہنا کہ میں نے شیخ کو روتے دیکھا تو جس طرح وہ رو رہے تھے یونہی میں بھی رو رہا تھا۔ کیونکہ یہ انکار ہے شیخ کے کمال کا۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تو شیخ کو بھی اپنا ہی سا سمجھتا ہے ـــــ وہ رونا جس کا منشا جہل اور تقلید اور ظن ہے اس امینِ خدا کے رونے کے مماثل نہیں ہو سکتا۔ پس تو اپنے رونے کو اس کے رونے پر قیاس نہ کرنا۔ اور دونوں کو یکساں نہ سمجھنا کیونکہ دونوں کے رونے میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے وہ رونا تیس۳۰ سال کے مجاہدات کا نتیجہ ہے اور اس رونے میں عقل کام نہیں کر سکتی چونکہ اس کے اور عقل کے درمیان سینکڑوں منزلیں ہیں اسلئے عقل کو اس آنسوؤں کے قافلہ سے واقف نہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ اس کا رونا نہ غم سے ناشی ہے اور نہ خوشی سے اور عقل کی رسائی اسے گریہ تک ہے جس کا سبب غم یا خوشی ہو۔ پس عقل اسکو کیونکر جان سکتی ہے۔ ہاں اس سرچشمہ کمالات (کامل

کے رونے کی حقیقت کو ذوقاً روح جانتی ہے۔

(عین الملح بجائے ضمیر غائب کے لایا گیا ہے اور ملح جمع ہے ملحۃٌ کی جس کے معنی ہیں سخن خوش ونمکین والمراد ھٰہنا الکمالات مطلقا) اس کا رونا بھی اور اس کا ہنسنا بھی دونوں غیبی ہیں اور جس عالم سے وہم وعقل ہیں اُس سے اُن کو تعلق نہیں۔ اسلئے انکی حقیقت مدرک بالوہم والعقل نہیں ہوسکتی ـــــ اُسکی آنسو جن کا منشا ذات حق سبحانہٗ ہے جس کو وہ بچشم قلب دیکھتا ہے۔ ویسے ہی ہیں جیسے اس کی دیکھی ہوئی ذات جو ان آنسوؤں کا منشا ہے اور وہ دیکھی ہوئی ذات جو دیکھی ہوئی نہیں ہے دیکھی نہیں جاسکتی۔ یعنی ذات حق سبحانہٗ جس کو وہ بچشم قلب دیکھتا ہے اور عقل وحواس جسمانیہ سے وہ ذات اور حواس جسمانیہ سے مدرک نہیں ہوسکتی تو ضرور ہے کہ اسکے آنسو بھی مدرک بوہم وعقل نہ ہوں۔ اب ہم آنچہ او بہند نشاں کردن مپاس الخ کو مدلل کرنا چاہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قاعدہ ہے کہ جب صبح ہوتی ہے تو رات رفوچکر ہوجاتی ہے اسلئے رات نور صبح کو نہیں جان سکتی۔ نیز جب تیز ہوا آتی ہے تو مچھر رخصت ہوجاتے ہیں پس مچھر ہوا کو کیا جان سکتے ہیں۔ جب یہ مقدمہ ممہد ہوگیا۔ تو اب سمجھو! کہ جب تک حق سبحانہٗ کسی کے لیے متجلی نہ ہوں اس وقت تک کوئی انکو کیسے جان سکتا ہے اور جس وقت وہ متجلی ہوں گے اس وقت وہ لاشئے ہوجائے گا پس حادث من حیث ھو حادث قدیم کو کیسے جان سکتا ہے کیونکہ جب قدیم جلوہ افروز ہوتا ہے۔ تو حادث کو مبہوت کردیتا ہے اور جبکہ اسکو فنا کردیتا ہے اور اسکی خودی کو کھودیتا ہے تو اسکو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور اس کی شان یہ ہوجاتی ہے کہ بی یسمع وبی یبصر الخ پس حادث من حیث ھو حادث کے لئے حق سبحانہٗ کو دیکھنے کی کوئی صورت نہیں۔ اگر تم چاہوگے تو سینکڑوں مثالیں مل جائیں گی۔ لیکن مجھے فرصت نہیں ہے کہ میں زیادہ مثالیں بیان کروں اسلئے صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور اس مضمون کو ختم کرکے

پھر حالت شیخ کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔ ہم نے گریہ وخندۂ شیخ کو باوجود مشابہت باگریۂ مردم کے عقل و وہم سے بالاتر کہا تھا ۔ اور اسکو ثابت بھی کیا تھا ۔

اب ہم اس استبعاد کو دور کرتے ہیں ۔ جو ان کے دیگر گریہ ہا وخندہ ہا کے ساتھ مشابہت صوری کی بناء پر پیدا ہوتا ہے ۔ اور کہتے ہیں کہ الٓمٓ اور حٰمٓ اور دیگر الفاظ قرآنیہ عصائے موسٰے کے مشابہ ہیں ۔ کیونکہ گو صورۃً دیگر حروف ان حروف سے مشابہ ہیں مگر وہ حروف صفات میں ان حروف سے مغلوب ہیں اور ان حروف کی حروف قرآنیہ کے مقابلہ میں وہی حالت ہے جو اور لاٹھیوں کی عصائے موسٰی کے مقابلہ میں ۔

مثلاً جو شخص کہ امتحان کے لئے کوئی لاٹھی ہاتھ میں لے گا تو وہ لاٹھی وقت ظہور اثر عصائے موسٰے کے مانند ثابت نہ ہوگی ۔ پس یہی حالت حروف قرآنیہ اور دیگر حروف کی ہے کہ یہ حروف قرآنیہ اعجازِ اثر میں اور ان الفاظ کی مانند نہیں ہیں جو کہ آدمیوں سے خوشی یا غم وغیرہ سے صادر ہوں ۔ کیونکہ یہ الٓمٓ و حٰمٓ وغیرہ کلام خداوندی ہیں اور خدا کی طرف سے آئے ہیں ۔ لہٰذا ہر الف لام وغیرہ جو کلام بشر ہیں ان سے مشابہ نہیں ہو سکتے پس اگر تم روحانیت رکھتے ہو ۔ تو تم ان کو اس نظر سے نہ دیکھو ۔ اور ان کو کلام بشر کی مانند نہ سمجھو ـــــ یہ مسلّم ہے کہ ان کی ترکیب حروف ہی سے ہے مگر پھر بھی ان کی ترکیب عوام کی ترکیب کے مشابہ نہیں ہے ۔

دیکھو ! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بھی ہڈی اور گوشت اور کھال وغیرہ سے بنا ہے ۔ اور اس ترکیب میں ہر جسم اس کا مجانس ہے ۔ یعنی جس طرح اور اجسام میں گوشت پوست ہڈیاں وغیرہ ہیں یوں ہی اس میں بھی ہیں لیکن کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ ترکیب اوروں کی سی ہے ہرگز نہیں کیونکہ اس ترکیب میں معجزات موجود ہیں جن سے تمام ترکیبات مغلوب ہیں ۔ مثلاً ان کی انگلی چاند کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے اوروں کی انگلی ایسا نہیں کر سکتی ۔ نیز ان کی انگلی سے پانی نکلتا ہے اوروں کی انگلی

ہے نہیں نکلتا وغیرہ وغیرہ۔

پس ترکیب جسم احمدی اور ترکیبات دیگر اجسام یکساں نہیں ہوسکتیں بس یہی حالت الٓمٓ و حٰمٓ قرآنیہ کی ترکیب کی ہے کہ ان کی ترکیب سب ترکیبوں سے فائق ہے اور دیگر ترکیبات اسکے نیچے ہیں کیونکہ یہ ترکیبیں حیات روحانی بخشنے والی ہیں اور موت روحانی کی حالت میں ان میں وہی خاصیت ہے جو موت جسمانی کی حالت میں۔ نفخ صور میں۔ نیز حٰمٓ وغیرہ عصائے موسیٰ کی طرح کبھی اژدھا بن جاتی ہیں۔ اور کبھی دریا کو خشک کر دیتی ہیں۔ یعنی اپنے اعجاز کے سبب دشمنوں کو اپنے معارضہ سے عاجز کرتی ہیں ــــــ برخلاف دیگر ترکیبات کے کہ ان میں یہ خاصیت نہیں ہے پس ان کا ظاہر گو اور ظاہروں سے مشابہ ہے لیکن ان کے باطن میں وہی فرق ہے جو قرص ماہتاب اور قرصِ نان میں۔

جب یہ معلوم ہوگیا تو اب کوئی استبعاد نہ رہا۔ کیونکہ شیخ کا رونا۔ اس کا ہنسنا اس کی گفتگو، اُس کی سمجھ، اسکی خلقت، اُس کا خُلق، اسکی عقل، اُس کا وہم، اسکی حِس اُس کی نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی طرف سے ہیں کیونکہ وہ فانی فی الحق اور بی یسمع و بی یبصر وغیرہ کا مصداق ہے ایسی حالت میں اگر اس کا رونا وغیرہ عقل سے بالاتر ہو جیسا کہ ہم نے کیا ہے تو کیا تعجب ہے لیکن چونکہ احمقوں نے ظاہر کو لے لیا اور حقائق ان کی نظر سے مخفی ہوگئیں اسلئے اپنی ہوائے نفسانی کے سبب محجوب ہوگئے اور انکار کر بیٹھے۔ اور اعتراض کے سبب حقائق اُن سے فوت ہوگئیں۔

خیر یہ گفتگو تو ختم نہ ہوگی۔ اب دوسری طرف رُخ کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ لونڈی نے اپنی بی بی کے گدھے کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اس سے تم کو معلوم ہوگا کہ ظاہر بینی اور دقیقہ ناشناسی کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔

داستانِ آں کنیزک کہ با خرِ خاتونِ خود شہوت میراند و اُو را
اُس باندی کی داستان جو بی بی کے گدھے سے شہوت رانی کرتی تھی اور اُس نے اُس کو

شہوت راندن چوں آدمیاں آموختہ بُود و کدُوئے در قضیبِ خرے
انسانوں کی طرح شہوت پورا کرنا سکھا دیا تھا اور گدھے کی قضیب میں کدو

میکرد تا از اندازہ نگذرد و خاتون براں وقوف یافت لیکن دقیقہ
پہنا دیتی تھی تاکہ اندازہ سے آگے نہ جائے اور بی بی کو اس کا پتہ لگ گیا لیکن کدو کا نکتہ

کدُو راندید کنیزک را بہ بہانہ براہ کرد جائے دور دور و باں خر جمع
نہ سمجھی، باندی کو ایک بہانہ سے بہت دور روانہ کر دیا اور وہ بغیر کدو کے

شُد بے کدُو و ہلاک شد بفضیحت کنیزک بیگاہ باز آمد و نوحہ
اُس گدھے سے لگ گئی اور رسوائی کے ساتھ ہلاک ہوگئی باندی اچانک واپس آئی اور رونے

کرد کہ اے جانم و اے چشمِ روشنم کیر دیدی و کدُو ندیدی ذکر
لگی کہ اے میری جان اور اے میری روشن آنکھ تو نے کیر دیکھا اور کدو نہ دیکھا ذکر

دیدی و آں دگر ندیدی کُلُّ نَاقِصٍ[2] مَلْعُوْنٌ یعنی کُلُّ نَظَرٍ
دیکھا وہ دوسرا نہ دیکھا ہر ناقص ملعون ہے یعنی ہر کوتاہ نظر

وَّ فَہْمٍ نَاقِصٍ مَلْعُوْنٌ وگرنہ ناقصانِ ظاہرِ جسم مرحوم اند نہ ملعون
اور کوتاہ سمجھ ملعون ہے ورنہ ظاہری جسم کے ناقص قابل رحم ہیں نہ کہ ملعون،

قولہ تعالےٰ لَیْسَ[3] عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا
اللہ تعالےٰ کے قول نے "نہیں ہے اندھے پر گناہ اور نہ لنگڑے پر گناہ اور

عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ. نفیِ حرج کرد و نہ نفیِ لعنت و نفیِ عتاب و غضب
نہ مریض پر گناہ" گناہ کی نفی کر دی نہ کہ لعنت اور عتاب اور غضب کی

یک کنیزک نرخرے[1] بر خود فگند
ایک باندی نے ایک گدھا اپنے اوپر ڈال لیا

از و فورِ شہوت و فرطِ گزند
شہوت کی کثرت اور شہوت کی زیادتی کی تکلیف سے

آں خرِ نر را بگاں خو کردہ بود
اس نر گدھے کو جماع کی عادت ڈال دی تھی

خر جماعِ آدمی پے بُردہ بود
گدھے نے آدمی کا جماع سیکھ لیا تھا

یک کدوِی بُود حیلت سازہ را
اُس حیلہ ساز (باندی) کے پاس ایک کدو تھا

در نرش کردہ پئے اندازہ را
جس کو اُس نے اندازہ کے مطابق اُسکے ذکر میں پہنا دیا تھا

در قضیبش آں کدو کردے عجوز
بڑھیا اُس کے ذکر میں کدو پہنا دیتی

تا رَوَد نیمِ ذکر وقتِ سپوز
تاکہ گھسانے کے وقت آدھا ذکر جائے

---

[1] چونکہ۔ ظاہر بینوں سے حقائق پوشیدہ رہتے ہیں۔ لاجرم۔ اصلی مقصد اُن کی نگاہوں سے چھپ گیا اور اصل حکمت اِس عارض میں مخفی ہوگیا جو اُنکو پیش آیا۔

[2] کل ناقص ملعون ہر ناقص ملعون ہے ناقص سے مراد وہ شخص ہے جس کی عقل اور فہم ناقص ہو کیوں کہ جن کا جسم ناقص ہوتا ہے وہ تو قابل رحم ہیں۔

[3] لیس علی الاعمی حرج۔ لنگڑے پر کوئی گناہ نہیں ہے ناقص جسم والے کے لئے گناہ کی نفی کر دی لیکن اگر وہ ناقص عقل والا ہے تو لعنت اور غضب اور عتاب کی اُس سے نفی نہیں ہے۔

[1] نرخر۔ خر نر۔ فرط گزند۔ شہوت کی تکلیف کی زیادتی۔ گاں۔ جماع کرنا۔ نرہ۔ ذکر۔ قضیب۔ شلاغ۔ ذکر۔ کیر۔ ذکر۔

گر ہمہ کیرِ خر اندر وے رَوَد — آں رحم وآں رودہا ویراں شوَد
اگر گدھے کا پورا ذکر اُس میں جائے — تو رحم اور انتڑیاں تباہ ہو جائیں

خر ہمی شد لاغر و خاتونِ اُو — ماندہ عاجز کز چہ شد ایں خر چو مُو
گدھا دُبلا ہو رہا تھا اور اُس کی مالک — حیران تھی کہ یہ گدھا بال جیسا کس وجہ سے ہو گیا

نعلبنداں را نمود آں خر کہ چیست — علتِ اُو کہ نتیجہ اش لاغریست
اُس نے اِس گدھے کو نعلبندوں کو دکھا یا کہ کیا ہے؟ — اُس کی بیماری جس کا نتیجہ دُبلا پن ہے

ہیچ علت اندرو ظاہر نشُد — ہیچ کس از سرِّ آں مُخبر نشُد
اُس میں کوئی بیماری ظاہر نہ ہوئی — اُس کے راز سے کوئی شخص باخبر نہ ہوا

در تفحص[۱۴] اندر افتاد اُو بجِد — شد تفحص را دمادم مُستعِد
وہ کوشش سے جستجو میں لگ گئی — اور جستجو کے لئے پے در پے مُستعد ہو گئی

جِد را باید کہ جاں بندہ بُود — زانکہ جد جوئندہ یابندہ بُود
جان کو کوشش کا غلام ہو جانا چاہیے — کیونکہ جستجو کرنیوالے کی کوشش پانیوالی بنجاتی ہے

چوں تفحص کرد از حالِ اِشک — دید خُفتہ زیرِ آں خر نرگسک
جب اُس نے گدھے کے حال کی جستجو کی — اُس کے نیچے نرگس کو پڑا ہوا دیکھا

چوں تفحص کرد از احوالِ خر — آں کنیزک بُود زیر و خر زبر
جب اُس نے گدھے کے احوال کی جستجو کی — تو وہ باندی نیچے تھی اور گدھا اوپر

از شگافِ در بدید آں حال را — پس عجب آمد ازاں آں زال را
اُس نے دروازے کی درز سے وہ حال دیکھا — تو وہ اُس بوڑھی کو پسند آ گیا

خر ہمی گائید[۱۵] کنیزک را چناں — کہ بعقل و رسمِ مرداں بازناں
گدھا باندی سے اس طرح جماع کر رہا ہے — جو مردوں کی عورتوں کے ساتھ رسم اور عقل کے مطابق ہے

در حسد شد گفت چوں ایں ممکن ست — پس من اولیٰ تر کہ خر مِلکِ من ست
وہ حسد میں مبتلا ہو گئی۔ بولی جب یہ ممکن ہے — تو میں زیادہ مستحق ہوں، کیونکہ گدھا میرا ہے

خر مُہذّب گشتہ و آموختہ — خواں نہادست و چراغ افروختہ
گدھا مہذب اور سدھا ہوا — دسترخوان بچھا ہے اور چراغ روشن ہے

کرد نادیدہ درِ خانہ بکوفت — کاے کنیزک چند خواہی خانہ رُوفت
اُس نے انجان بن کر دروازہ کھٹکھٹایا — کہ اے باندی! گھر میں کتنی جھاڑو دیگی

از پئے رُوپوش میگفت ایں سخن — کاے کنیزک آمدم در باز کُن
انجان بن کے لئے یہ بات کہہ رہی تھی — اے باندی! دروازہ کھول میں آرہی ہوں

کرد خاموش و کنیزک را نگفت — راز را از بہرِ طمع خود نہفت
چُپ رہی اور باندی سے نہ کہا — راز، اپنی چھپی ہوئی خواہش کی وجہ سے

---

۱۴ تفحص۔ جستجو۔ اِشک۔ تُرکی لفظ ہے۔ گدھا۔ نرگسک۔ کاف تصغیر کا ہے نرگس اُس لونڈی کا نام ہے۔ شگافِ در۔ کواڑوں کی درز

۱۵ گائیدن۔ جماع کرنا۔ ز۔ چنانکہ۔ خر مہذب۔ یعنی عیش و عشرت کے سب اسباب مہیا ہیں۔ ترو فتن۔ جھاڑو دینا۔ رو ترش۔ باندی نے اپنے آپ روزہ دار ظاہر کیا۔ عطن۔ اونٹوں کا باڑا یہاں گدھے کا اصطبل مراد ہے۔

پس کنیزک جملہ آلاتِ فساد — کرد پنہاں پیش شُد در را کُشاد
باندی نے خرابی کے سب سامان — چھپا دیئے، آگے بڑھی، دروازہ کھول دیا

رُو ترش کرد و دو دیدہ پُر ز نم — لب فرو افگندہ یعنی صائمم
اُس نے مُنہ بنایا اور دو آنکھیں آنسوؤں سے پُر — ہونٹ لٹکائے ہوئے یعنی میں روزہ دار ہوں

در کفِ اُو نرمہ جاروبے کہ مَن — خانہ را می رُوفتم بہرِ عطن
اُس کے ہاتھ میں نرم جھاڑو کہ میں — اصطبل کی کوٹھری میں جھاڑو دے رہی تھی

چونکہ با جاروب در را اُو کُشاد — گفت خاتوں زیرِ لب کاے اُوستاد
جب اُس نے جھاڑو لئے ہوئے دروازہ کھولا — بی بی نے مُنہ ہی مُنہ میں کہا، اے اُستاد!

رُو ترش کردی و جاروبے بکف — چیست ایں خر بر گسستہ از عَلف
تو نے مُنہ بنایا اور جھاڑو ہاتھ میں — یہ گدھا چارے سے ہٹا ہوا کیوں ہے؟

نیم کارہ و خشمگیں جنباں ذکر — زانتظارِ تو دو چشمش سوئے در
آدھا کام کئے ہوئے اور غصہ میں ذکر کو ہلانے والا — تیرے انتظار میں اُس کی دونوں آنکھیں دروازہ کی جانب ہیں

زیرِ لب گفت ایں نہاں کرد از کنیز — داشتش آں دم چو بے جرماں عزیز
مُنہ ہی مُنہ میں کہا، اُس کو باندی سے چھپایا — اُس وقت اُس کو بے قصور کی طرح پیارا رکھا

بعد ازاں گفتش کہ چادر نہ بسر — رو فلاں خانہ ز من پیغام بر
اُس کے بعد اُس سے کہا، سر پر چادر ڈال — فلانے گھر جا، میرا پیغام لے جا

ایں چنیں گو و آں چنیں گو و آں چناں — مختصر کردم من افسانہ زناں
ایسا کہہ اور ویسا کہہ — میں نے عورتوں کا افسانہ مختصر کر دیا

آں چہ مقصود ست مغزِ آں بگیر — چوں براہش کرد آں زالِ ستیر
جو مقصد ہے اس کا خلاصہ لے لے — جب اُس پردہ نشین بوڑھی نے اسکو روانہ کر دیا

چوں بدر کردش ز حیلت زاں مکاں — در فرو بست و بخلوت شادماں
جب اُس کو تدبیر سے اُس مکان سے باہر نکال دیا — دروازہ بند کر لیا اور تنہائی میں خوش تھی

بُود از مستیِ شہوت شادماں — در فرو بست و ہمی گفت آں زماں
وہ شہوت کی مستی سے خوش تھی — دروازہ بند کر دیا اور اُس وقت کہہ رہی تھی

یافتم خلوت زنم از شکر بانگ — رَستہ ام از چار دانگ و از دو دانگ
میں نے تنہائی پائی، شکر کا نعرہ لگاتی ہوں — چار دمڑی اور دو دمڑی سے مجھے نجات ملی ہے

از طرب گشتہ بُزانِ زن ہزار — در شرارِ شہوتِ خر بیقرار
مستی سے عورت کی شہوت ہزار (گنا) ہو گئی — وہ گدھے کی شہوت کی چنگاری سے بیقرار تھی

چہ بُزاں کاں شہوتش دُو را بُز گرفت — بُز گرفتن گیج را نبود شگفت
کیسی شہوت، اُس شہوت نے اسکو بُز بنا دیا — احمق کو بُز بنا دینا تعجب خیز نہیں ہے

---

۲ زیرِ لب۔ یعنی بڑبڑا کر بات کہی۔ چیست۔ اگر تو صرف جھاڑو ہی دے رہی تھی تو یہ گدھا اس حالت میں کیوں ہے۔ داشتش۔ اُس بی بی نے اُس باندی سے ایسا برتاؤ کیا جیسا کہ اُس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

۱ ایں چنیں۔ بی بی نے پیغام میں بہت سی باتیں کہلوائیں جن کی تفصیل میں نے چھوڑ دی ہے۔ ستیر۔ پردہ نشین۔ چار دانگ۔ یعنی تھوڑا بہت۔ بزاں۔ عورت کی شہوت۔

۳ بز گرفت۔ مذاق کیا۔ گز گرفت۔ یعنی بُری چیز کو بھلا کر کے دکھا دیا ہے۔ آسے بسا۔ جس طرح اس بی بی نے باندی سے پوری بات نہ سنی اسی طرح بہت سے ناقص لوگ ہیں جو اپنے آپ کو کامل شیخ سمجھ بیٹھے ہیں۔

میلِ شہوت کر کُند دل را و کور — تا نماید گرگ یوسفؑ نار نور

خواہش اور شہوت، دل کو بہرا اور اندھا بنا دیتی ہے — یہاں تک کہ بھیڑیا، یوسف، اور آگ، نور نظر آتے ہیں

اے بسا سرمست نار و نار جُو — خویشتن را نورِ مطلق داند او

بہت سے آگ کے سرمست اور آگ کے جویا — وہ اپنے آپ کو نورِ مطلق سمجھ لیتے ہیں

جز مگر بندہ خدا کز جذب حق[۳] — وا رہش آرد بگرداند ورق

سوائے اُس مردِ خدا کے کہ جذبہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ — اُس کو راستہ پر لے آئے، ورق پلٹ دے

تا بداند کاں خیالِ ناریہ — در طریقت نیست الا عاریہ

تاکہ وہ سمجھ لے کہ وہ آتشیں خیال — طریقت میں عارضی ہی ہیں

زشتہا را خوب بنماید شرہ — نیست از شہوت بتر ز آفاتِ رہ

حرص، بُرائیوں کو بھلا دکھا دیتی ہے — راہِ (طریقت) کی آفتوں میں شہوت سے زیادہ بدتر کوئی نہیں ہے

صد ہزاراں نامِ خوش را کردہ ننگ — صد ہزاراں زیرکاں را کردہ دنگ

لاکھوں نیکناموں کو اُس نے بدنام کر دیا — لاکھوں عقلمندوں کو بے عقل کر دیا

چوں خرے را یوسفِ مصری نمود — یوسفے را چوں نماید آں جہود[۵]

جبکہ اُس نے گدھے کو مصری یوسفؑ کر کے دکھا دیا — وہ یہودی، یوسفؑ کو کیسا دکھائے گا؟

بر تو سرگیں را فسونش شہد کرد — شہد را خود چوں کند وقتِ نبرد

اُس کے منتر نے تیرے لئے گوبر کو شہد کر دیا — معرکہ میں، وہ شہد کو خود کیسا دکھائے گا؟

شہوت از خوردن بود کم کن خورد — یا نکاحے کن گریزاں شو ز شر

شہوت کھانے سے (پیدا) ہوتی ہے، کھانے کو کم کر دے — یا نکاح کر لے، شر سے بچ جا

چوں بخوردی میکشد سوئے حرم — دخل را خرجے بباید لاجرم

جب تو نے کھایا وہ تجھے زنانخانہ کی جانب کھینچے گا — لامحالہ آمد کے لئے خرچ ضروری ہے

پس نکاح آمد چو لاحول و لا[۶] — تا کہ دیوت نفگند اندر بلا

تو نکاح لاحول ولا قوۃ کی طرح ہے — تاکہ شیطان تجھے مصیبت میں نہ پھنسائے

چوں حریصِ خوردنی زن خواہ زود — ورنہ آمد گربہ و دُنبہ ربود

جبکہ تو کھانے کا حریص ہے، جلد نکاح کر لے — ورنہ بلی آئی اور چکی لے گئی

بارِ سنگیں بر خرے کاں میجہد — زود برنہ پیش ازاں کو بر نہد

جو گدھا کود رہا ہے، بھاری بوجھ — جلد رکھ دے، اس سے پہلے کہ وہ پھینکے

فعلِ آتش را نمی دانی تو سرد — گردِ آتش با چنیں دانش مگرد

آگ کے کام کو تو ٹھنڈا نہ سمجھ — ایسی عقل کے ہوتے ہوئے آگ کے گرد چکر نہ کاٹ

---

[۳] جز۔ اِس شعر سے وہ بچتا ہے جس کی جذبِ رہنمائی کرے، وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اُس کو نورِ مطلق حاصل نہیں ہوا بلکہ یہ ناری خیال تھا جو ایک عارضی چیز ہے۔ زشتہا۔ انسان کی حرص بُرائی کو بھلا کر کے دکھا دیتی ہے شہوت انسان کے لئے سب سے بُری آفت ہے

[۵] جہود یعنی شہوت۔ بر تو۔ انسان کی شہوت بُری چیز کو جب بھلا دکھا دیتی ہے تو بھلی چیز کو کیا کچھ کر کے نہ دکھائیگی۔ شہوت۔ انسان کی شہوت کھانے پینے سے بڑھتی ہے تو شہوت کو دبانے کے لئے یا کم خوری چاہیئے یا نکاح کر لینا چاہیئے۔ چوں۔ جب انسان قیمتی چیزیں کھائے گا تو اُس کو عورتوں کی طرف زیادہ شہوت ہوگی اس لئے کہ جب پیٹ میں اچھی غذا داخل کر رہا ہے تو اُس کا نکلنا بھی لازمی ہے۔

[۶] پس نکاح شیطان کے پھندے سے بچنے کیلئے مثل لاحول کا کام کرتا ہے۔ ورنہ۔ یعنی تیری ساری نیکی اور تقویٰ تباہ ہو جائیگا۔ بار سنگیں جس گدھے میں اچھل کود کی عادت ہے اُس کو بوجھ سے دبائے رکھنا چاہیئے یہی نفس کی حالت

عِلمِ دیگ و آتش ار نبود ترا — از شرر نے دیگ ماند نے اَبا
اگر تجھے دیگ اور آگ کا ہنر حاصل نہیں ہے — چنگاریوں سے نہ دیگ رہے گی نہ شوربا

آب حاضر باید و فرہنگ نیز — تا پزد آں دیگ سالِم در اَزیز
پانی موجود رہے اور عقل بھی — تاکہ اُبال میں، دیگ سالم پک جائے

چوں ندانی دانشِ آہنگری[۵۳] — ریش و مُو سوزد چو آنجا بگذری
جبکہ تو لوہارپن کا ہنر نہیں جانتا ہے — جب تو وہاں سے گذرے گا ڈاڑھی اور بال جل جائینگے

دَر فرو بست آں زن و خر را کشید — شادمانہ لاجرم کیفر چشید
اُس نے دروازہ بند کیا اور گدھے کو کھینچ — خوشی سے، لامحالہ بدانجام چکھا

درمیانِ خانہ آوردش کشاں — خفت[۵۱] اندر زیرِ آں نر خر ستاں
اُس کو کھینچتی ہوئی گھر کے بیچ میں لائی — اُس گدھے کے نیچے چت لیٹ گئی

ہم برآں کرسی کہ دید او از کنیز — تا رسد در کامِ خود آں قحبہ نیز
اُسی چوکی پر جو اُس نے باندی کی دیکھی تھی — تاکہ وہ رنڈی بھی اپنا مقصد حاصل کرے

پا برآورد و خر اندر وے سپوخت — آتشے از کیرِ خر در وے فروخت
گدھے نے ذکر کو لا اور اُس کے اندر گھسایا — اُس میں گدھے کے ذکر سے آگ لگ گئی

خر مؤدّب گشتہ در خاتوں فشرد — تا بخایہ در زماں خاتوں بمرد
سکھائے ہوئے گدھے نے بی بی کے اندر دبا دیا — خصیے تک، بی بی فوراً مر گئی

بر دریدا از زخمِ کیرِ خر جگر — رودہا[۵۲] بگسستہ شد از ہمدگر
گدھے کے ذکر کے زخمی کرنے سے جگر پھٹ گیا — انتڑیاں ایک دوسرے سے جدا ہوگئیں

کرسی از یکسو زن از یکسو فتاد — دم نزد در حال و آں زن جان بداد
تخت ایک طرف، عورت ایک طرف گر گئی — اُس حالت میں سانس نہ لیا اور اُس عورت نے جان دیدی

صحنِ خانہ پُر زخوں شد زن نگوں — مُرد او و بُرد جاں ریبُ المنوں
گھر کا صحن خون سے بھر گیا، عورت اوندھی ہوگئی — وہ مر گئی، حوادث زمانہ اُس کی جان لے گئے

مرگِ بد با صد فضیحت اے پدر — تو شہیدے دیدۂ از کیرِ خر
اے بابا! سینکڑوں رسوائیوں کے ساتھ بُری موت — تو نے گدھے کے ذکر کا کوئی شہید دیکھا ہے؟

تو عذابُ الخزیِ بشنو از نبے — در چنیں ننگے مکن جاں را فدے
تو قرآن سے رسوائی کا عذاب سُن لے — ایسی رسوائی میں جان قربان نہ کر

دانکہ ایں نفسِ بہیمی نر خر ست — زیر اُو بودن ازاں ننگیں تر ست
جان لے یہ حیوانی نفس، گدھا ہے — اُس کے نیچے ہونا اُس سے (بھی) زیادہ عیب دار ہے

در رہِ[۵۴] نفس از بمردی در منی — تو حقیقت داں کہ مثلِ آں زنی
اگر تو خودی میں نفس کی راہ میں مرگیا — تو سمجھ لے کہ تو اُس عورت کی طرح ہے

بے علم دیگ نفس کو قابو میں رکھنے کا ہنر نہیں ہے تو اُس سے بچنا ہی چاہیئے۔ آب حاضر۔ اگر دیگ پکانی ہے تو ہنر ہونا چاہیئے اور اُسکے اُبال کیلئے پانی موجود رہنا چاہیئے تاکہ پانی چھڑک کر اُبال کو روکا جاسکے۔

۵۳ چوں ندانی جب انسان لوہار کا پیشہ نہ جانتا ہو تو بھٹی کے قریب بھی نہ جائے ورنہ داڑھی مونچھ جلا لے گا۔ در فرو بست اُس بی بی نے دروازہ بند کر لیا کیفر۔ انجام بد۔

۵۱ خفت۔ یعنی لیٹ گئی۔ ستاں۔ چت۔ قحبہ۔ یعنی زانیہ بی بی۔ پا برآورد۔ پا ذکر سے کنایہ ہے۔ مؤدّب۔ سکھایا ہوا۔ خایہ۔ خصیے۔

۵۲ رودہا۔ انتڑیاں۔ ریب المنون۔ حوادث زمانہ۔ فضیحت۔ رسوائی۔ عذاب۔ قرآن پاک میں ہے نُذِیْقَہُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ تاکہ ہم اُن کو ذلت کے عذاب کا مزہ چکھائیں۔ نبے۔ قرآن پاک۔ دانکہ نفس کے نیچے ہونا گدھے کے نیچے ہونے سے بھی زیادہ بُرا اور ذلیل کام ہے۔

۵۴ در رہ۔ انسان اگر نفس پروری کی حالت میں مرگیا تو اُس کی موت اُس بی بی کی موت سے بھی زیادہ رسوائی ہے بنفس۔ جیسا انسان کا باطن ہوگا قیامت میں اللہ تعالیٰ اُسی صورت پر حشر کرے گا۔

نفسِ ما را صورتِ خر بدہد او ۔۔۔ زانکہ صورتہا کُند بر وفقِ خو

وہ (اللہ تعالیٰ) ہمارے نفس کو گدھے کی صورت عطا کر دیگا ۔۔۔ کیونکہ وہ خصلت کے مطابق صورتیں بنا دیگا

ایں بُوَد اظہارِ سِر در رستخیز ۔۔۔ اللہ اللہ از تنِ چوں خر گریز

قیامت میں راز کا یہ اظہار ہوگا ۔۔۔ خدا کے لیے گدھے جیسے جسم سے بھاگ

کافراں را بیم کرد ایزد ز نار ۔۔۔ کافراں گفتند نار اولیٰ ز عار[1]

اللہ (تعالیٰ) نے کافروں کو آگ سے ڈرایا ۔۔۔ کافروں نے کہا، ذلت سے آگ بہتر ہے

گفت نے آں نار اصلِ عارہاست ۔۔۔ ہمچو آں نارے کہ آں زن را بکاست

(اُس نے) کہا نہیں آگ ذلتوں کی جڑ ہے ۔۔۔ اُس آگ کی طرح جس نے اُس عورت کو جلا دیا

لُقمہ اندازہ نخورد از حرصِ خود ۔۔۔ در گلو بگرفت لُقمہ مرگِ بد

اُس نے اپنی حرص کی وجہ سے اندازہ سے لقمہ نہ کھایا ۔۔۔ بُری موت کا لقمہ گلے میں پھنس گیا

لُقمہ اندازہ خور اے مردِ حریص ۔۔۔ گرچہ باشد لُقمہ حلوا و خبیص

اے لالچی انسان! لقمہ اندازے سے کھا ۔۔۔ اگرچہ حلوا اور کھجور کے حلوے کا لقمہ ہو

حق تعالیٰ داد میزاں را زباں ۔۔۔ ہیں ز قرآں سُورۂ رحمٰن بخواں

اللہ تعالیٰ نے ترازو کو زبان عطا کی ہے ۔۔۔ آگاہ، قرآن میں سے سورۂ رحمٰن پڑھ لے

ہیں ز حرصِ خویش میزاں را مہل ۔۔۔ آز و حرص آمد ترا خصم و مُضل

خبردار! اپنے لالچ میں ترازو کو نہ چھوڑ ۔۔۔ تمنا اور حرص تیرے دشمن اور گمراہ کرنے والے ہیں

حرص جوید کُل بر آید او ز کُل ۔۔۔ حرص میر است اے فُجُل ابن الفجل[2]

حرص کُل چاہتی ہے، کُل سے محروم رہتی ہے ۔۔۔ حرص حاکم ہے، اے نامرد، نامرد کے بیٹے

آں کنیزک میشد و میگفت آہ ۔۔۔ کردی اے خاتوں تو اُستا را براہ

وہ باندی روانہ ہوئی، کہتی تھی، ہائے ۔۔۔ اے بی بی! تونے اُستاد کو روانہ کر دیا

کار بے اُستاد خواہی ساختن ۔۔۔ جاہلانہ جاں بخواہی باختن

تونے بغیر اُستاد کے کام بنانا چاہا ۔۔۔ جاہلوں کی طرح جان دینا چاہا

اے زمن دُزدیدہ عِلمِ ناتمام ۔۔۔ ننگت آمد کہ بپرسی حالِ دام

اے! تونے میرا ناقص علم چُرایا ۔۔۔ مجھے اس سے شرم آئی کہ جال کا حال معلوم کرے

تا نچیدے دانہ مرغ از خرمنش ۔۔۔ ہم نیفتادے رسن در گردنش

جبکہ اُسکے کھلیان سے پرند دانہ نہ چگتا ۔۔۔ اُس کی گردن میں رسّی بھی نہ پڑتی

دانہ کمتر خور مکُن چندیں رفو ۔۔۔ چو کُلُوا[3] خواندی بخواں لَا تُسْرِفُوا

دانہ بہت کم کھا، اِس قدر رفو نہ کر ۔۔۔ جبکہ تونے "کھاؤ" پڑھ لیا "زیادتی نہ کرو" پڑھ لے

تا خوری دانہ نیفتی تو بدام ۔۔۔ ایں کند عِلم و قناعت والسّلام

تاکہ تو دانہ چُگ لے (اور) جال میں نہ پھنسے ۔۔۔ یہ علم اور قناعت کرتا ہے، والسلام

---

[1] عار۔ یعنی مسلمان ہونے کی ذلت۔ ہمچو۔ جس طرح نفس کی آگ نے اُس بی بی کو ذلتوں میں مبتلا کیا تمہارے نفس کی آگ جو اسلام کو عار کا سبب بنا رہی ہے سینکڑوں ذلتوں میں مبتلا کر دیگی۔ لقمہ۔ اُس بی بی نے اپنے اندازہ کے مطابق کام نہ کیا حرص کی اور وہ ماری گئی۔ خبیص۔ چھوارے کا حلوہ۔ زباں۔ ترازو کا کانٹا جو کمی بیشی کو بتا دیتا ہے۔ سُورہ۔ سورۂ رحمٰن میں ہے وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ "اُس اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قایم کی تاکہ تم تجاوز نہ کرو"

[2] فُجُل۔ مشہور مقولہ۔ طَلَبُ الْكُلِّ فَوْتُ الْكُلِّ "کُل کا طلب کرنا کُل کو ہاتھ سے دینا ہے" فُجُل۔ ڈھیلا، سُست۔ کردی۔ وہ باندی کہہ رہی تھی کہ میں اِس فن کی اُستاد تھی تونے مجھے تو روانہ کر دیا اور بغیر اُستاد کے کام چلانا چاہا۔ اے زمن۔ تونے مجھ سے آدھی بات سیکھی۔ تا نچیدے۔ اگر پرند جال کا دانہ نہ چُگے تو جال میں نہ پھنسے۔

[3] کُلُوا۔ قرآن پاک میں ہے كُلُوا وَلَا تُسْرِفُوا ... "کھاؤ اور اِسراف نہ کرو"، تا خوری۔ حِلم اور قناعت حاصل کرو تو دنیا سے فائدہ بھی اُٹھا لوگے اور مصائب میں بھی گرفتار نہ ہوگے۔

نعمت از دنیا خورد عاقل نہ غم
عقلمند، دنیا میں نعمت کھاتا ہے نہ کہ غم

جاہلاں محروم ماندہ در ندم
جاہل، ندامت سے محروم رہتے ہیں

چوں درافتد در گلو شاں حبلِ دام
جب اُن کے گلے میں جال کی رسّی پھنستی ہے

دانہ خوردن گشت بر جملہ حرام
سب پر دانہ چگنا حرام ہو جاتا ہے

مُرغ اندر دام دانہ کے خورد
پرند، جال میں سے دانہ کب چگتا ہے؟

دانہ چوں زہر ست در دام ار چرد
جال میں سے اگر دانہ چگے وہ زہر جیسا ہے

مُرغِ غافل میخورد دانہ ز دام
غافل پرند، جال میں سے دانہ چگتا ہے

ہمچو اندر دامِ دنیا ایں عوام
جس طرح عوام دنیا کے جال میں سے

باز مُرغانِ خبیرِ ہوش مند
پھر باخبر، ہوشمند پرندوں نے

کردہ اند از دانہ خود را خشک بند
اپنے آپ کو دانہ سے روک دیا ہے

کاندرونِ دام و دانہ زہرہاست
کیوں کہ جال اور دانے میں زہر ہیں

کور آں مرغے کہ در فخ دانہ خواست
وہ پرند اندھا ہے جس نے جال میں سے دانہ چاہا

صاحبِ دام ابلہاں را سر برید
جال والے نے، بیوقوفوں کا سر قلم کر دیا

واں ظریفاں را بہ مجلسہا کشید
اور خوش گلو پرندوں کو مجلسوں میں لے گیا

کہ ازانہا گوشت می آید بکار
کیوں کہ ان کا گوشت کار آمد ہے

وز ظریفاں بانگ و نالۂ زیر و زار
اور خوش گلو پرندوں کی آواز اور رونا، ترنم اور گریہ

پس کنیزک آمد از اشکافِ در
تو باندی نے دروازے کی درز سے

دید خاتوں را بمردہ زیرِ خر
بی بی کو گدھے کے نیچے مُردہ دیکھا

گفت اے خاتونِ احمق ایں چہ بود
اس نے کہا اے بیوقوف بی بی! یہ کیا تھا؟

گر ترا اُستاد خود نقشے نمود
اگر اُستاد نے تجھے خود ایک نقش دکھا دیا

ظاہرش دیدی سرش از تو نہاں
تونے اُسکا ظاہر دیکھ لیا اُسکا راز تجھ سے پوشیدہ رہا

اُوستا ناگشتہ بکشادی دکاں
اُستاد بنے بغیر تونے دکان کھول دی

کیر دیدی ہمچو شہد و چوں خبیص
تونے ذکر کو شہد اور حلوہ جیسا دیکھا

آں کدو را چوں ندیدی اے حریص
اے حریص! تونے وہ کدو کیوں نہ دیکھا؟

یا چو مستغرق شدی در عشقِ خر
یا جب تو گدھے کے عشق میں مدہوش ہو گئی

آں کدو پنہاں بماندت از نظر
وہ کدو تیری نظروں سے چھپا رہا

ظاہرِ صنعت بدیدی ز اُوستاد
تونے اُستاد کی ظاہری کاریگری دیکھی

اُوستادی برگرفتی شاد شاد
تونے خوشی خوشی اُستادی اختیار کر لی

اے بسا زراقِ گولِ بیوقوف
بہت سے احمق بیوقوف مکاروں نے

از رہِ مرداں ندیدہ غیرِ صوف
سوائے اُون کے مردوں کے راستے میں کچھ نہ دیکھا

لہ نعمت۔ عقلمند آدمی دنیا کو آخرت کیلئے استعمال کر کے فائدہ اٹھالیتا ہے اور نادان ندامت اور محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔ چوں در افتد۔ جب دنیادار دنیا کے غم میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس پر حرّآ دخور حرام ہو جاتا ہے۔ مُرغ جو ہوشیار پرند ہو گا وہ جال کا دانہ کبھی نہ چگے گا۔

لہ مُرغ غافل۔ بیوقوف انسان دنیا میں مُبتلا ہو جاتا ہے جو کہ جال کے دانہ کی طرح ہے۔ باز مُرغاں۔ جو ہوشیار پرند ہوتے ہیں وہ جال کے دانے سے اپنے آپکو علیحدہ رکھتے ہیں۔ فخ۔ جال۔ صاحب۔ شکاری، بیوقوف پرندوں کو ذبح کر ڈالتا ہے اور خوش گلو پرندوں کو فروخت کر دیتا ہے جو لوگوں کی محفلوں میں پہنچ جاتے ہیں یہی صورت دنیا کے جال میں پھنسنے کے بعد دنیاداروں اور اہل اللہ ذاکر و شاغل لوگوں کی ہوتی ہے۔

لہ پس کنیزک۔ بی بی کے مرنے کے بعد باندی نے کہا بی بی کسقدر احمق تھی مجھ سے تھوڑی سی بات سیکھ کر اپنے آپ کو اُستاد سمجھ بیٹھی اور ہلاک ہوئی۔ ظاہرش۔ فن کا ظاہر دیکھا اور اُس کے رازوں سے ناواقف ہوتے ہوئے دکان کھول بیٹھی۔ خبیص۔ خرمے کا حلوہ۔

لہ اے بسا۔ یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو کسی شیخ کامل سے تھوڑی سی بات سیکھ کر دکان جما لیتے ہیں۔ زراق۔ مکار شیوخ۔ صوف۔ یعنی اُون کی کملی۔

اے[۱] بسا شوخاں زاندک احتراف — از شہاں ناموختہ جز گفت و لاف

بہت سے بے حیا ہیں تھوڑے سے ہنر سے — اُنھوں نے شاہوں سے سوائے باتوں اور شیخی کے کچھ حاصل کیا

ہر یکے در کف عصا کہ موسیم — می دمد بر ابلہاں کہ عیسیم

ہر ایک کے ہاتھ میں لاٹھی ہے کہ میں موسیٰ ہوں — بیوقوفوں پر دم کرتا ہے کہ میں عیسیٰ ہوں

آہ ازاں روزے کہ صدقِ صادقاں — باز خواہد از تو سنگِ امتحاں

ہائے وہ دن۔ کہ سچوں کی سچائی — امتحان کا پتھر، تجھ سے طلب کرے گی

آخر از اُستاد باقی را بپرس — کہ حریصاں جملہ کور انند و خرس

آخر باقی (ہنر) اُستاد سے پوچھ لے — کیونکہ لالچی سب اندھے اور گونگے ہیں

جملہ جُستی باز ماندی از ہمہ — صیدِ گرگاں اند ایں اَبلہ رَمہ

تونے سب کو ٹٹولا سب سے محروم رہا — یہ بیوقوف گلّہ، بھیڑیوں کا شکار ہے

صورتے بشنیدی گشتی ترجماں — بیخبر از گفت خود چوں طوطیاں

تونے تھوڑی سی بات سنی ترجمان بن گیا — طوطیوں کی طرح اپنی گفتگو سے بے خبر ہے

[۱] اے بسا۔ یہ مزدورِ شیخ سوائے شیخی بگھارنے کے شیوخ سے کچھ حاصل نہ کرسکے اور اپنے آپکو موسیٰؑ و عیسیٰؑ ظاہر کرتے ہیں۔ جملہ جُستی۔ یہ یا تو حریص مریدوں کو خطاب ہے یا مزدورِ شیخ کو جو مریدوں کو پھانسنے کے حریص ہیں۔ طوطیاں۔ طوطی انسان کی بولی بولتی ہے لیکن اُس کو سمجھتی نہیں ہے۔

شرح

ایک لونڈی نے غلبۂ شہوت اور اسکی تکلیف کی زیادتی کے سبب اپنے اوپر گدھا ڈالا۔ اس سے پیشتر وہ اسکو جماع کا عادی کرچکی تھی۔ اور وہ گدھا آدمی کی سی جُفتی سیکھ گیا تھا۔ اُس ہوشیار لونڈی کے پاس ایک کدو تھا۔ اسکو اُسنے گدھے کے عضوِ تناسل میں اندازہ کے لیے پہنا دیا تھا۔ یعنی اُس بڑھیا نے اُس کدو کو اسکے عضوِ مخصوص میں اسنے پہنایا تھا۔ تاکہ دخول کے وقت آدھا اندر جائے۔ سارا نہ جاسکے اسلئے کہ وہ جانتی تھی کہ اگر تمام اندر چلا گیا تو رحم اور آنتوں سب کا ستیاناس ہوجائے گا۔ چونکہ وہ لونڈی اس سے ہمیشہ یہ کام لیا کرتی تھی اسلئے وہ گدھا دُبلا ہوتا جاتا تھا اور گدھے کے مالک بی بی پریشان تھی اور سوچتی تھی کہ یہ گدھا اتنا دُبلا کیوں ہوگیا۔ اُسنے نعل بندوں کو بھی دکھلایا اور پوچھا کہ اسے کیا مرض ہے جو یہ یوں دُبلا ہوتا جاتا ہے۔ مگر کسی کو بیماری کا پتہ نہ چلا اور کسی نے اس کا راز نہ بتلایا۔

بالآخر! وہ نہایت کوشش کے ساتھ اسکی تفتیش میں مصروف ہوئی اور تحقیق کے لئے پورے طور پر تیار ہوئی ـــــ آدمی کو چاہیئے کہ جان سے کوشش کا غلام ہوجائے کیونکہ جو کوشش سے کسی شئے کو طلب کرتا ہے وہ بالآخر اُسے پا لیتا ہے۔ چنانچہ جب اُس بی بی نے پوری کوشش سے اپنے گدھے کے حال کی تفتیش کی تو بالآخر اُسے اس کا راز معلوم ہوگیا اور اسنے دیکھا کہ لونڈی اسکے نیچے پڑی ہے اور جب کہ اُس نے اپنے گدھے کے حال کو تحقیق کیا تو اُس نے دیکھا کہ لونڈی نیچے ہے اور گدھا اوپر۔

اس حالت کو اس نے کواڑ کی درز سے دیکھا تھا ـــــ اس بڑھیا کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہُوا کہ گدھا لونڈی سے یوں جماع کر رہا ہے۔ جیسے مرد عورتوں کے ساتھ عقل اور قاعدہ کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ نیز اُسکو رشک ہُوا۔ اور اُسنے سوچا کہ جب ایسا ہو سکتا ہے تو میں اس کی زیادہ مستحق ہوں کیونکہ گدھا میرا ہے نیز گدھا بھی سدھایا ہوا اور سکھلایا ہوا ہے اسلئے کوئی دشواری ہی نہیں ہے۔

غرضکہ خوان رکھا ہوا ہے اور چراغ روشن ہے یعنی سامان سب موجود ہے پھر کیوں محروم رہوں۔ یہ خیال کر کے اسنے اپنے کو ایسا بنا لیا جیسا کہ دیکھا ہی نہیں اور دروازہ پر تھپکی دی۔ اور کہا کہ اری باندی! آخر کب تک جھاڑو دیگی اب تک دے نہیں چکی ـــــ اور وہ جو یہ کہتی تھی کہ کب تک جھاڑو دیگی۔ میں آگئی اور دروازہ کھول! یہ محض واقعہ کو چھپانے کے لیے کہتی تھی ورنہ وہ جانتی ہی تھی کہ واقعہ کیا ہے غرضکہ وہ چُپ رہی اور لونڈی سے یہ واقعہ نہیں کہا اور اس راز کو اس نے اپنے طمع کے لیے چھپا لیا ادھر تو یہ ہوا ادھر لونڈی نے جب دیکھا کہ بی بی آگئی تو اسنے بدمعاشی کا سارا سامان چھپا دیا اور دروازہ کھول دیا اور منہ بنا لیا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائی اور ہونٹ نیچے لٹکا لیا اسنے اسکو یہ ظاہر کرنا تھا کہ میں روزہ دار ہوں اور اسکے ہاتھ میں ایک نرم جھاڑو تھی۔ جس سے اس کو یہ ظاہر کرنا تھا کہ میں گدھے کے تھان کی صفائی کے لیے گھر میں جھاڑو دے

رہی تھی۔ پس جبکہ اُسنے ہاتھ میں جھاڑو لیے دروازہ کھولا تو بی بی نے چپکے سے
کہا کہ اری استاد! تو نے بھی منہ بھی بنا لیا اور ہاتھ میں جھاڑو بھی لے لی۔ مگر یہ کیا بات ہے
کہ گدھے نے چارہ چھوڑ دیا ہے اور نا فراغت یافتہ اور غصہ میں بھرا ہوا ہے اور عضو تناسل
کو ہلا رہا ہے اور تیرے انتظار میں دروازہ کو تک رہا ہے۔ یہ اُسنے آہستہ ہی سے
کہا اور لونڈی کو مطلع نہیں کیا۔ اور اسنے ویسے ہی پیار محبت کی باتیں کیں جیسے بے
قصوروں سے کرتے ہیں۔ اسکے بعد کہا کہ اچھا سر پر ڈوپٹہ ڈال لے۔ اور فلاں گھر میرا
یہ پیغام لے جا۔ وہاں جاکر یوں کہنا ووں کہنا۔ ایسا کہنا ویسا کہنا۔

غرض اسنے بہت لمبا چوڑا کام بتا دیا۔ میں نے عورتوں کے قصہ کو مختصر کر دیا ہے اور
بقدر مقصود بیان کر دیا ہے تم اسکے مغز لے لو۔ اور پوست کو چھوڑ دو۔ خیر! تو جب
اس پردہ نشین بڑھیا نے اُسے چلتا کر دیا۔ اور جبکہ تدبیر سے اسکو اس مکان سے
نکال دیا تو اسنے دروازہ بند کر لیا۔ اور خلوت سے خوش ہوئی۔ چونکہ وہ مستی شہوت سے
خوش تھی اسلئے اسنے دروازہ بند کر لیا اور یہ کہنے لگی اب مجھے خلوت مل گئی ہے اور اب میں
شکر کا نعرہ لگاتی ہوں اور اب مجھے تمام عالم کی کچھ فکر نہیں ہے خوشی سے اس
عورت کی شہوت ہزار گونہ بڑھ گئی تھی اور گدھے کی شہوت کے سبب بے قرار تھی کیسی
شہوت وہ شہوت جسنے اسکو پاگل بنا دیا تھا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ وہ
پہلے ہی سے احمق تھی اور احمق کو پاگل بنا لینا کون سی بڑی بات ہے۔ جس پر تعجب ہو
پھر شہوت جیسی چیز کا کسی کو پاگل کر دینا تو اور بھی تعجب خیز نہیں۔ کیونکہ یہ تو وہ بلا ہے
کہ دل کو بہرا اور اندھا بنا دیتی ہے یہاں تک کہ بھیڑیا یوسف معلوم ہونے لگتا
اور آگ نور معلوم ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو سراسر آگ
ہیں اور آگ ہی کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ یعنے خواہش نفس اور شہوت میں گرفتار ہیں مگر
ان کو کچھ نہیں دکھلائے دیتا۔ اور وہ اپنے کو سراسر نور سمجھتے یعنی اپنے کو اچھا جانتے ہیں

در سمجھتے ہیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں بہت اچھا کر رہے ہیں۔

اور عام لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں بجز اس بندۂ خدا کے۔ جس کو حق سبحانہٗ اپنے جذب سے راہ پر لوٹا لا دیں اور اس کی حالت بدل دیں۔ یہاں تک کہ وہ جان لے کہ یہ آتشی یعنی دوزخ میں پہنچانے والا خیال طریقت میں نہیں ہے اگر ہے تو محض عارضی ہے جو بہت جلد زائل ہو جاتا ہے۔ یعنی اس خیال کو سلوک سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ حالت اگر سالکین کو بمقتضائے بشریت پیش آتی ہے تو بہت جلد زائل ہو جاتی ہے۔

خیر! یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ کہنا ہم کو یہ ہے کہ شہوت کا غلبہ بُری چیزوں کو اچھی ظاہر کرتا ہے اسلئے شہوت سے زیادہ موانع راہ خدا میں کوئی چیز خطرناک نہیں ہے اسنے سینکڑوں نیک نامیوں کو بدنامیوں سے بدل دیا ہے اور لاکھوں عاقلوں کو متحیر کر دیا ہے جبکہ اسنے گدھے کو لونڈی اور بی بی کے لیے۔ ایسا مرغوب بنا دیا۔ جیسا کہ زلیخا کے لیے یوسف علیہ السلام۔ تو اب تم سمجھ سکتے ہو کہ جو حقیقت میں یوسف ہوگا اس کو کیا ظاہر کریگی۔ اور جبکہ اس کا منتر تمہارے لیے گوہ کو شہد بنا دیتا ہے۔ تو اب تم خیال کر سکتے ہو کہ... شہد کو کیا بنا دیگا۔

غرض کہ یہ نہایت ہی خطرناک شئے ہے۔ اس سے احتراز چاہیئے۔ اب ہم اسکی تدبیر بتلاتے ہیں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ شہوت کھانے سے پیدا ہوتی ہے پس تم کو کم کھانا چاہیئے تاکہ مادہ منویہ کم پیدا ہو۔ اور شہوت کم ہو۔ لیکن اگر تم کسی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتے۔ تو پھر اس کی صورت یہ ہے کہ نکاح کرو۔ اور اس طرح اسکے شر سے بچو۔ کیونکہ جب تم کھاؤ گے تو اس سے مادہ منویہ پیدا ہوگا اور اس سے شہوت کا غلبہ ہوگا اور وہ تمہیں عورت کی طرف مائل کریگا کیونکہ آمدنی کے لئے خرچ کی ضرورت ہے ایسی صورت میں نکاح اس شیطانی شہوت کے لیے لاحول ولاقوۃ ہے پس تم نکاح کر لو تاکہ یہ شیطان تم کو مصیبت میں نہ ڈال دے اور تم اس کی شر سے محفوظ رہو۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اگر تم کو

کھانے کا شوق ہے خواہ بضرورت یا بلاضرورت تو فوراً شادی کرو ۔ ورنہ بلی آئے گی اور دنبہ اٹھا لے جائے گی ۔ یعنی تمہارا کام خراب ہو جائے گا ۔

دیکھو جو گدھا اُچھلتا کودتا ہو اس پر اس سے پیشتر ہی بھاری بوجھ لاد دینا چاہیئے کہ وہ اُچھل کود کر بوجھ کو گرا دے ۔ یوں ہی شہوت بھی نہایت خطرناک شئے ہے اس کا پہلے ہی انتظام کر لینا چاہیئے ۔ خواہ یوں کہ کھانا کم کیا جائے ۔ یا یوں کہ شادی کر لی جائے لیکن اگر شادی کا انتظام نہ ہو سکے تو شہوت کے پاس ہی نہ پھٹکنا چاہیئے اور کھانا کم کرنا چاہیئے دیکھو! اگر تم آگ کا کام نہیں جانتے تو باوجود اس علم کے کہ میں آگ کا کام نہیں جانتا اسکے پاس نہ پھٹکنا چاہیئے کیونکہ اگر تم ہانڈی چولہے کا کام قاعدہ نہیں جانتے ہو اور پھر ہانڈی چولہا کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آگ کے شعلے نہ ہانڈی کو چھوڑیں گے نہ سالن کو بلکہ سب کو تباہ کر دیں گے ۔ ہانڈی چولہے کے کام کے لیے ضرورت ہے کہ پانی پاس موجود ہو اور علم و عقل بھی ہو تاکہ جس وقت آگ تیز ہو ۔ اور ہانڈی ابلنے لگے فوراً چھینٹا دیکر جوش کو دبا دیا جائے اور ہانڈی کھد کھد پکتی رہے اور پک کر صحیح سالم اُتر آئے ۔ یوں ہی آتشِ شہوت کے لیے ضرورت ہے کہ اسکے جوش کو کم کرنے کا سامان یعنی بیوی ..... موجود ہو ۔ تاکہ جسوقت شہوت غلبہ کرے ۔ فوراً جماع سے اسکے جوش کو کم کر دیا جائے ۔ نیز اگر تم لوہاری کا پیشہ نہیں جانتے ہو ۔ تو اگر تم ایسی حالت میں آگ کے پاس جاؤ گے تو تمہاری ڈاڑھی اور بال جل جائیں گے ایسی حالت میں چاہیئے کہ تم آگ سے الگ رہو ۔ یہی حالت شہوت کی ہے کہ اگر تم اس کو قابو میں رکھنے پر قادر نہیں ہو ۔ تو اس سے الگ رہو ۔

خیر! یہ مضمون ارشادی تو ختم ہُوا ۔۔۔ اب سُنو کہ اس عورت نے دروازہ بند کر لیا ۔ اور خوشی خوشی گدھے کو جماع کے لئے کھینچا ۔ جس کا اس نے خمیازہ بھگتا تفصیل اسکی یہ ہے کہ وہ اس کی رسّی پکڑ کر گھر میں لائی ۔ اور اسکے نیچے اسی کرسی پر

چت لیٹ گئی۔ جس پر اُس نے لونڈی کو لیٹے دیکھا تھا۔ تاکہ وہ بیوہ بھی اپنا مقصد حاصل کرے اور چت لیٹ کر ٹانگیں اٹھا دیں۔ اس پر گدھے نے اسکے اندر دخول کردیا۔ اس کا دخول کرنا تھا کہ اسکے اندر آگ لگ گئی۔ گدھے نے ذرا جھک کر خصیوں تک بی بی کے اندر اُتار دیا اور وہ بی بی فوراً مر گئی۔ گدھے کے عُضو تناسل کے صدمہ سے اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور آنتیں الگ الگ ہوگئیں۔ کرسی الگ گئی عورت الگ گری۔

غرضکہ عورت نے دم ہی نہ لیا اور فوراً جان دیدی۔ گھر کا صحن خون سے لال ہوگیا عورت الٹی ہوگئی اور مرگئی۔ اور موت کی سختی اس کی جان لے گئی۔ غرضکہ بڑی رسوائی کی موت ہوئی۔ کیونکہ آج تک نہیں سنا گیا کہ کوئی گدھے کے ذکر سے مرا ہو۔

اچھا بتلاؤ کیا تم نے کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو گدھے کے ذکر سے شہید ہوا ہو۔ ہرگز نہیں ——— اس مضمون کو یہاں تک پہنچا کر مولانا پھر مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تم اس عورت کی حالت سے عبرت پکڑو اور سمجھو کہ حق سبحانہٗ اپنے نافرمانوں کو رسوائی کا عذاب دیتے ہیں جو کہ نہایت سخت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ پس تم ایسی شرمناک حالت میں جان نہ دو۔ یعنی معصیت سے بچو تاکہ تم ایسی شرمناک حالت میں جان دینے سے محفوظ رہو ——— دیکھو نفس شہوانی ایک گدھا ہے اسکے نیچے آجانا اور اس کا مغلوب ہوجانا خرِ معروف کے نیچے آنے سے زیادہ شرمناک بات ہے کیونکہ گدھے کے نیچے پڑنے میں عار کا منشا انسان کی شرافت اور گدھے کی خست و دنائت ہے اور خست و دنائت نفس میں گدھے سے زیادہ ہے کیونکہ گدھے کی خست اور دنائت کی جو وجہ بھی بتائی جائے گی وہ نفس میں بدرجہ اکمل موجود ہوگی۔ پس نفس گدھے سے زیادہ اخس و ارذل ہوگا اور اسکے نیچے پڑنا زیادہ موجب شرم ہوگا۔ پس اگر تم خودی کے سبب نفس کیلیے جان دیدو کہ سمجھو کہ

فی الحقیقت تم اس عورت کی مثل ہو۔

دیکھو! قیامت میں نفس کو گدھے کی صورت میں محشور کیا جائے گا کیونکہ وہاں صورتیں خصائل کے موافق عطا کی جائیں گی اور نفس خصائل میں گدھے سے زیادہ ملتا ہے اسلئے اس کا حشر گدھے کی صورت میں ہوگا۔ یہ معنی ہیں قیامت میں اظہار بواطن کے پس خدا کے لیے اور پھر خدا کے لیے اس گدھے کے مانند نفس سے بھاگو اور اس کے نیچے نہ آؤ اور اس سے مغلوب نہ ہو کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ نہایت شرم کی بات ہے اور عار ایسی بری چیز ہے کہ کفار نے عار کو نار پر ترجیح دی تھی۔

چنانچہ جب حق سبحانہ نے انکو آگ کی دھمکی دی تو انہوں نے کہا کہ اخترنا النار علی العار یعنی ہم ننگ کے مقابلہ میں آگ کو قبول کرتے ہیں۔ اسکے جواب میں حق سبحانہ نے فرمایا کہ عار سے بچنے کے لیے آتش دوزخ کو اختیار کرنا تمہاری غلطی۔ کیونکہ اسکی رسوائی تمام رسوائیوں سے بڑھی ہوئی ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی۔ بس یہ ننگ سے بچنا۔ بلکہ چھوٹے ننگ سے بچکر بڑی کو اختیار کرنا ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ آتش دوزخ یوں ہی تمام عاروں سے بڑھ کر جیسے وہ آتش شہوت جس نے اس عورت کا خاتمہ کر دیا۔ پس تم نفس کی ماتحتی کی عار اور آتش دوزخ کی رسوائی دونوں کو کیوں گوارا کرتے ہیں۔

اس مضمون ارشادی کو ختم کر کے مولانا پھر قصۂ خاتون کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے حرص سے کام لیا اور اپنے حرص کے سبب لقمہ اندازہ کے موافق نہ کھایا لہٰذا وہ لقمہ گلے میں اٹک گیا اور سبب مرگ بن گیا ـــــ اسکے بعد پھر مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حریص لوگو! تم بھی لقمہ اندازہ کے موافق کھاؤ۔ خواہ وہ لقمہ حلوا ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی قضائے شہوات استیفائے لذات قانون شرعی کے موافق کرو۔ اور اس طرح نہ کرو کہ وہ تمہارے لئے مضر ہو۔ تم قرآن میں سورۂ رحمٰن پڑھو اور اس میں دیکھو

کہ حق سبحانہٗ فرماتے ہیں وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ - یعنی حق سبحانہٗ نے ترازو قائم کی ہے جو تم کو ایک شے کی حد اور اس کا اندازہ بتاتی ہے - تاکہ تم اندازہ میں حد سے نہ بڑھ جاؤ اور وہ میزان قانونِ شریعت ہے - پس تم اپنے حرص سے اس میزان کو نہ چھوڑو اور حرص سے کام نہ لو - کیونکہ حرص تمہاری دشمن اور گمراہ کنندہ ہے - حرص تو کل چاہتی ہے - مگر اس کے ہاتھ سے کُل نکل جاتا ہے اور کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا پس تم اسے چھوڑو - کیونکہ یہ اُمّ الذمائم اور رأس الخطیئات ہے -

اس کے بعد پھر اصل قصہ کی طرف عود کرتے ہیں - اور فرماتے ہیں لونڈی خاتون سے رخصت ہو رہی تھی اور بزبان حال کہہ رہی تھی کہ اے خاتون! تو نے غضب کیا کہ استاد کو رُخصت کر دیا تو بدوں استاد کے کام کریگی - اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حماقت سے جان کھو دیگی - اے وہ خاتون جس نے مجھ سے علم ناتمام اڑا لیا ہے تجھے عار آئی - کہ اس پھندے کا حال مجھ سے تحقیق کرے - اچھا اس کا نتیجہ دیکھنا -

یہاں سے پھر مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک جانور دانہ کے خرمن سے دانہ نہیں چُنتا - اُس وقت تک اس کے گلے میں رسّی بھی نہیں پڑتی اسلئے اس کی ہلاکت کا باعث اسکی بے احتیاطی ہوتی ہے پس ہم کہتے ہیں کہ تم غذا کو چھوڑ دو اور اسی قدر اصلاح جسم کی فکر نہ کرو - یہ مانا کہ قرآن میں حکم کُلُوا موجود ہے مگر اس میں لَا تُسْرِفُوْا بھی ہے جس کی معنی یہ ہیں کہ اندازہ کو ملحوظ رکھو اور حد سے نہ بڑھو اور احتیاط کو مدّنظر رکھو! اور بے احتیاطی نہ کرو - تاکہ تم دانہ بھی کھالو - اور جال میں بھی نہ پھنسو - یعنی تم کو غذا بھی مل جائے اور تم اُسکی مضرت سے بھی محفوظ رہو - اور یہ بات دو چیزوں سے حاصل ہو سکتی ہے اول علم مضار دوم قناعت: پس اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے تم کو ان دونوں کے حاصل کرنے کی ضرورت ہے -

دیکھو! جو عاقل ہیں وہ دنیا میں نعمتیں کھاتے ہیں - مگر غم نہیں کھاتے یعنی چونکہ قانع

ہوتے ہیں اسلئے جو کچھ ان کو مِل جاتا ہے بشرطیکہ اس میں مضرت نہ ہو۔ اسکو کھالیتے ہیں اور اشیاء مضرہ کی حرص نہیں کرتے۔ اس طرح وہ نعمائے الٰہیہ سے متمتع ہوتے ہیں اور کوئی مضرت دینی انکو لاحق نہیں ہوتی ـــــ برخلاف احمقوں کے کہ وہ حریص ہیں اور مضر اور غیر مضر میں تمیز نہیں کرتے۔ اسلئے جو کچھ ملتا ہے کھالیتے ہیں اور اس طرح اُخروی نعمتوں سے محروم ہوجاتے ہیں اور پھنستے ہیں ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جب کے گلے میں پھندا پڑنے والا تھا تو ان پر حرام تھا کہ وہ دانہ کھاتے ـــــ دیکھو عاقل جانور جال میں سے دانہ نہیں کھاتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ اس دانہ کو کھالے گا تو وہ اسکے حق میں زہر ہوجائے گا یعنی اسکی جان لے لیگا۔ ہاں جو جانور غافل ہوتا ہے وہ جال میں سے دانہ کھالیتا ہے جس طرح کہ دامِ دنیا میں سے عوام غذائیں کھاتے ہیں اور کچھ نہیں دیکھتے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

ہاں! جو لوگ عاقل جانوروں کے مشابہ ہیں یعنی اہل اللہ انہوں نے اپنے کو دامِ دُنیا سے دانہ کھانے کو بالکل روک لیا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس دامِ دنیا اور اس کی غذاؤں میں بہت سے زہر مِلے ہوئے ہیں جو کہ حیات روحانی کو سلب کرنیوالے ہیں ـــــ اب مولانا فرماتے ہیں کہ نہایت ہی اندھے ہیں وہ جانور جو جال میں سے دانہ کھاتا چاہیں۔ کیونکہ وہ ذرا سی قوت کے لیے جان دینا گوارا کرتے ہیں جس یہی حالت اہلِ دنیا کی ہے کہ وہ بھی لذات فانیہ دنیویہ کے لئے موت روحانیہ کو گوارا کرتے ہیں اور نعمائے اُخرویہ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجانا۔ قبول کرتے ہیں۔ ایک فرق تو احمق جانوروں اور زیرک جانوروں کے درمیان یہ تھا کہ جو بیان کیا گیا کہ عاقل جانور محتاط ہوتے ہیں اور احمق بے احتیاط۔ اب دوسرا فرق سمجھو۔ شکاری جب شکار کرتا ہے تو اسکی جال میں جس طرح احمق جانور پھنستے ہیں۔ یوں ہی کبھی کبھی بمقتضائے الٰہی عاقل جانور بھی پھنس جاتے ہیں پس سے شکاری اُن کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے کہ احمقوں کا تو سر کاٹتا ہے اور عاقلوں کو اپنی مجلس میں لے جاتا ہے اور اپنی مجلس کو ان سے رونق

دیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ احمقوں کا تو گوشت کام آتا ہے اور عاقلوں کی آواز اور ان کا نالہ اور خوشی و غم مطلوب ہے جیسے بلبل مینا وغیرہ ——— یوں ہی حق سبحانہٗ بھی لوگوں کے ساتھ مختلف برتاؤ کرتے ہیں اور جو لوگ حماقت سے دنیا میں گرفتار ہوتے ہیں انکو مقہور کرتے ہیں۔ اور جو لوگ عقل معاد رکھتے ہیں اور حتی الامکان اس جال میں پھنسنے سے احتراز کرتے ہیں اور با این ہمہ کبھی بقضائے الٰہی اس میں پھنس جاتے ہیں تو ان کے جُرم کو معاف فرماتے ہیں اور انکو اپنے تقرب سے سرفراز فرماتے ہیں۔

خیر یہ ارشادی مضمون تو ختم ہوا۔ اب اصل قصہ سُنو! الغرض وہ لونڈی اس کام سے واپس آئی اور شگاف دَر سے جھانک کر دیکھا کہ خاتون گدھے کے نیچے مری پڑی ہے یہ دیکھ کر اس نے کہا کہ ارے احمق بی بی! یہ کیا حرکت تھی اگر استاد نے تجھے ایک صورت دکھائی تھی تو تونے صرف اس کا ظاہر دیکھا تھا۔ مگر اس کا راز تجھ سے مخفی تھا لیکن تونے سمجھ لیا کہ بس یہ ہی ہے اور کچھ نہیں۔ اور یہ سمجھ کر بدوں استاد بنے تونے دوکان کھول لی۔ تونے گدھے کے شہد اور حلوے کی مانند خریدار ذکر کو تو دیکھا اس کدو کو کیوں نہ دیکھا جس سے تیری جان بچی رہتی۔

معلوم ہوتا ہے کہ گدھے کے عشق میں تیری حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے کوئی استغراق میں ہو۔ اسلئے وہ کدو تیری نظر سے مخفی ہو گیا۔ افسوس! کہ تونے استاد کی ظاہری فعل دیکھ لیا اور خوش خوش استاد بن بیٹھی۔ اس کا یہ نتیجہ ہُوا۔

یہاں سے مولانا پھر مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہت سے دھوکا باز اور احمق لوگ ہیں۔ جنہوں نے اہل اللہ کے طریق سے سوائے اُونی لباس کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جو ذرا سا فن سیکھ کر دلیر بن گئے ہیں اور اہل اللہ سے انہوں نے صرف باتیں بنانا اور دعوی کرنا سیکھا ہے اور کچھ نہیں سیکھا یہ تو ان کی حالت ہے اس پر طرفہ ان کا یہ ہے کہ ہر ایک ہاتھ میں لاٹھی لئے ہوئے موسیٰ ہونے

کا مدعی ہے اور احمقوں پر منتر پھونکتا ہے اور کہتا ہے کہ میں عیسیٰ ہوں خیر او جعل ساز د!
یہاں جو چاہو کر لو۔ لیکن اُس روز تمہیں حقیقت معلوم ہو گی جس روز امتحان کی کسوٹی تم
سے سچوں کی سی سچائی کی طالب ہو گی اور کہے گی کہ تم اہل اللہ اور شیخ ہونے کے مدعی تھے
اب تم دکھلاؤ کہ تم میں ان کی سی سچائی کہاں ہے۔

ارے احمقو! کیوں فریب کرتے ہو۔ جس قدر تم نے اہل اللہ سے حاصل کیا ہے وہ
تو حاصل ہو ہی گیا جو رہ گیا ہے وہ بھی حاصل کر لو۔ اور اصلی شیخ بن جاؤ۔ تم حرص جاہ نہ کرو۔
کیونکہ جتنے حریص ہیں سب اندھے اور گونگے ہیں نہ ان کو حق دکھائی دیتا ہے اور نہ حق انکی
زبان سے نکلتا ہے۔ دیکھو اگر کل جاہ طلب کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ کچھ بھی نہ ملے گا
کیونکہ حریص لوگ جو کہ بمنزلہ بکریوں کے گلہ کے ہیں شیاطین کا شکار ہیں جو کہ ان کے لیے بمنزلہ
بھیڑیوں کے ہیں۔ اور وہ شیاطین انکو ہلاک ..... کر دیتے ہیں پس جبکہ وہ حرص کے
سبب وہ خود ہی برباد ہو جاتے ہیں تو انکو کیا حاصل ہو سکتا ہے لہٰذا ہمارا یہ کہنا صحیح
ہے کہ جملہ جُستی باز ماندی از ہمہ۔ اے تو نے اہلُ اللہ کے کلام کی صورت یعنی اسکے
الفاظ سن لیے اور تو نقال بن گیا۔ حالانکہ تجھے طوطیوں کی طرح یہ بھی خبر نہیں کہ میں کیا
کہہ رہا ہوں۔

تمثیلِ تلقینِ شیخ مُریداں را و پیغمبر اُمّت را کہ ایشاں طاقت

شیخ کی مریدوں کو اور پیغمبر کی امت کو تلقین کرنے کی مثال کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے

تلقینِ حق تعالیٰ ندارند و با حق اُلفت ندارند چنانکہ طوطی

تلقین کی طاقت نہیں رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے انہیں مناسبت نہیں ہے جیسا کہ طوطی

باصورتِ آدمی اُلفت ندارد کہ از و تلقین تواند گرفت حق

آدمی کی صورت سے مناسبت نہیں رکھتی ہے کہ اس سے تلقین حاصل کر سکے اللہ

تعالیٰ شیخ را چوں آئینہ پیشِ مُرید ہمچو طوطی دارد و از پسِ

تعالیٰ نے شیخ کو آئینہ کی طرح طوطی جیسے مرید کے سامنے رکھ دیتا ہے اور آئینہ کے پیچھے سے

آئینہ تلقین میکند قولہٗ عزّ و جلّ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ

تلقین کرتا ہے اللہ عزّ و جلّ کا قول ہے آپ اپنی زبان نہ ہلایئے تاکہ اس (وحی) پر جلدی کریں

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ایں ست ابتدائے مسئلہ

نہیں ہے وہ مگر وحی جو بھیجی جاتی ہے یہ اس مسئلہ کی ابتداء ہے

بے منتہا چنانکہ منقار جنبانیدنِ طوطی اندرونِ آئینہ کہ خیالش

جس کی کوئی انتہا نہیں ہے چنانچہ آئینہ کے اندر کی طوطی کا چونچ ہلانا جس کو تو عکس

میخوانی بے اختیار و تصرفِ اوست عکسِ خواندنِ طوطیِ

کہتا ہے اس کے اختیار اور تصرف کے بغیر ہے وہ باہر والی طوطی کے پڑھنے کا

بیرونی کہ متعلّم است نہ عکسِ آں معلّم کہ پسِ آئینہ ست

عکس ہے جو سیکھنے والی ہے نہ کہ اس سکھانے والے کا عکس ہے جو آئینہ کے پیچھے ہے

ولیکن خواندنِ طوطیِ بیرونی تصرفِ آں معلّم ست پس

لیکن باہر والی طوطی کا پڑھنا سکھانے والے کا تصرف ہے تو

ایں مثال آمد نہ مثل

یہ ایک مثال ہے نہ کہ مثل

طوطیِ در آئینہ می بیند اُو | عکسِ خود را پیش اُو آوردہ رُو

ایک طوطی آئینہ میں دیکھتی ہے | اپنے عکس کو کہ وہ اُس کے سامنے منہ کئے ہوئے ہے

در پسِ آئینہ آں اُستا نہاں | حرف میگوید ادیبِ خوش زباں

آئینہ کے پیچھے وہ اُستاد چھپا ہوا ہے | وہ خوش بیان ادیب بات کر رہا ہے

طوطیک پنداشتہ کیں گفتِ پست | گفتِ آں طوطیست کاندر آئینہ است

طوطی سمجھتی ہے کہ یہ دھیمی آواز | اُس طوطی کی گفتگو ہے جو آئینہ کے اندر ہے

؎ تمثیل۔ طوطی کو جب سکھایا جاتا ہے تو اُس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ طوطی کو آئینہ کے بالمقابل کر دیا جاتا ہے اور اُستاد آئینہ کے پیچھے چھپ کر بولنا شروع کرتا ہے۔ آئینہ کے سامنے کی طوطی یہ سمجھتی ہے کہ یہ وہ طوطی بول رہی ہے جو آئینہ میں اُسکو نظر آ رہی ہے جو خود اُسکا عکس ہی ہے لہٰذا وہ اُسکو اپنی ہم جنس سمجھکر اُس سے بولنا سیکھ لیتی ہے یہی حال اللہ تعالیٰ اور نبی اور نبی کے ساتھیوں کا ہے نبی بمنزلہ آئینہ والے کس کے ہے اور حضرت حق [illegible]

؎ طوطی۔ اس طوطی کے بالمقابل اُس کا عکس ہوتا ہے۔ اُستا۔ استاد طوطیک آئینہ کے باہر والی طوطی یہ سمجھتی ہے کہ آئینہ کے اندر کی طوطی بول رہی ہے لہٰذا وہ اُس کی نقل شروع کر دیتی ہے۔

پس ز جنسِ خویش آموزد سخن
تو وہ اپنی ہم جنس سے بات کرنا سیکھتی ہے

بیخبر از مکرِ آں گرگِ[4] کہن
اِس پرانے بھیڑیئے کی تدبیر سے بے خبر ہے

از پسِ آئینہ می آموزدش
وہ آئینہ کے پیچھے سے اُس کو سکھا دیتا ہے

ورنہ ناموزد جز از جنسِ خودش
ورنہ وہ اپنی ہم جنس کے سوائے نہ سیکھے

گفت را آموخت زاں مردِ ہُنر
اُس ہنرمند انسان سے اُس نے بات سیکھ لی

لیک از معنی و سرّش بے خبر
لیکن اُس کے معنی اور راز سے بے خبر ہے

از بشر بگرفت منطق یک بیک
اُس نے ایک ایک بات انسان سے سیکھ لی

از بشر جز ایں چہ داند طوطیک
انسان سے، اِس کے سوا طوطی کیا جانے

ہمچناں[1] در آئینہ جسمِ ولی
اِسی طرح ولی کے جسم کے آئینہ میں

خویش را بیند مُریدِ مُمتلی
(خامی سے) پُر مرید اپنے آپ کو دیکھتا ہے

از پسِ آئینہ عقلِ کُل را
آئینہ کے پیچھے سے عقلِ کُل کو

کے بہ بیند وقتِ گفت و ماجرا
کب دیکھ سکتا ہے، گفتگو اور قصہ کے وقت

اُو گماں[2] دارد کہ میگوید بشر
وہ خیال کرتا ہے کہ انسان کہہ رہا ہے

واں دگر سرّ است و اُو زاں بیخبر
وہ دوسرا پوشیدہ ہے اور وہ اُس سے بے خبر ہے

حرف آموزد ولے سرِّ قدیم
وہ حروف سیکھ جاتا ہے لیکن قدیم راز

می نداند طوطیست اُو یا ندیم
نہیں جانتا ہے، کہ وہ (سکھانیوالا) طوطی ہے یا ساتھی ہے

ہم صفیرِ[3] مُرغ آموزند خلق
لوگ پرندوں کی بول سیکھ لیتے ہیں

کایں سخن اندر دہاں اُفتاد و حلق
کیونکہ یہ بول اُن کے مُنھ اور حلق میں آجاتی ہے

لیک از معنیِ مُرغاں بیخبر
لیکن پرندوں کے معانی سے بے خبر ہوتے ہیں

جز سلیمانِ نبی خوش نظر
سوائے حضرت سلیمانؑ نبی کے جن کی سمجھ خوب تھی

حرفِ درویشاں بسے آموختند
بہت سے لوگوں نے درویشوں کے الفاظ سیکھ لئے ہیں

منبر و محفل بداں افروختند
اُن سے منبر اور مجلس کی رونق بڑھائی ہے

یا بجز آں حرف شاں روزی نبود
یا تو اُن کا مقدر حروف کے سوا کچھ نہیں ہے

یا در آخر رحمت آمد رہ نمود
یا انجام کار (اللہ کی) رحمت آکر رہنمائی کر دیتی ہے

[1] ہمچناں۔ اِسی طرح مُرید اور احمق سمجھتا ہے کہ شیخ اور نبی اُس کی ہم جنس ہے اور اُس سے سیکھتا ہے اور اُستاد، عقلِ کل اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ پاتا ہے جو اصل میں مُعلّم ہے۔

[2] او۔ مُرید اور احمق سمجھتا ہے کہ شیخ اور نبی کہہ رہا ہے، اِس راز سے وہ بے خبر ہوتا ہے کہ در اصل اُس سے اللہ تعالیٰ کہلوا رہا ہے۔ حرف۔ نبی کی کی بات سُن لیتا ہے لیکن اُس کو معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اصل بولنے والا نبی ہے جو بمنزلہ طوطی کے عکس کے ہے یا اللہ تعالیٰ ہے جو بمنزلہ اُس ساتھی کے ہے جو آئینہ کے پیچھے سے بولتا ہے۔

[3] ہم صفیر۔ انسان پرندوں کی بولی بولنا سیکھ جاتا ہے لیکن اُس بولی کے معنی جو پرندے مُراد لیتے ہیں اُن سے وہ لاعلم ہوتا ہے۔ حرف درویشاں۔ اسی طرح بہت سے انسان کاملین کی نقل اُتارنے لگتے ہیں۔ یا بجز۔ یہ نقالی کبھی نقالی ہی رہتی ہے اور کبھی حقیقت کی رہنمائی بھی کر دیتی ہے۔

[4] صاحبِ خبر تے۔ ایک بزرگ تنہائی میں چلّہ کشی کر رہے تھے اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک حاملہ کُتیا ہے اور اُس کے پیٹ میں بچے بھونک رہے ہیں جس سے اُن کو تعجب ہوا اور سوچنے لگے کہ پیٹ میں بچوں کے بھونکنے میں کیا حکمت

نے دُعا کی کیونکہ اِس حکمت کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جان سکتا ہے کہ اے خدا تو اِس کی حکمت کو واضح فرما دے خدا نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور بتایا کہ پیٹ کے اندر ان کتّے کے بچوں کا بھونکنا بناوٹی پیروں کی لاف زنی کی مثال ہے جس سے نہ خود اُن کو فائدہ حاصل ہوتا ہے نہ دوسروں کو۔

شرح اور چونکہ مولانا نے مقلد نقال کو طوطی سے تشبیہ دی تھی اسلئے اب طوطی کی حالت بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ طوطی آئینہ کے اندر اپنے عکس کو اپنی طرف متوجہ دیکھتی ہے اور آئینہ کے پیچھے استاد اور معلم چھپا ہوتا ہے اور وہ ادیب خوش کلام آئینہ کے پیچھے سے گفتگو کرتا ہے یہ طوطی سمجھتی ہے کہ یہ آہستہ گفتگو اس طوطی کی گفتگو ہے جو آئینہ میں ہے اسلئے وہ اپنی جنس سے گفتگو سیکھ لیتی ہے اور اس معلم کی تدبیر سے ناواقف ہوتی ہے۔ وہ استاد اسکو آئینہ کے پیچھے بیٹھ کر تعلیم دیتا ہے ورنہ وہ اسکی تعلیم حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ اسکو صرف اس کا ہمجنس ہی تعلیم دے سکتا ہے یہ راز ہے آئینہ کو اسکے سامنے رکھنے اور خود اسکے پیچھے بیٹھنے کا۔ خیر اس طرح وہ طوطی اس استاد کامل سے بولنا سیکھ لیتی ہے مگر اس گفتگو کے معنی اور حقیقت سے واقف نہیں ہوتی۔ وہ طوطی آدمی کی ایک ایک بولی سیکھ لیتی ہے مگر اسکو آدمی کا اسکے زیادہ علم نہیں ہوتا۔ پس یہی حالت اس مقلد نقال کی بھی کہ جس طرح طوطی آئینہ میں اپنا عکس دیکھتی ہے اور اپنے زعم میں اسکے تعلیم حاصل کرتی ہے یوں ہی وہ خودی سے پر مرید آئینہ جسم شیخ میں اپنے کو دیکھتا ہے —— یعنی وہ بزعم خود معلم کو اپنا ہم جنس سمجھتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ گفتہ او گفتہ اللہ بود۔

اور وقت تعلیم وہ عقل کل یعنی حق سبحانہ کو جو حقیقۃً معلم ہیں اس آئینہ کے پیچھے نہیں دیکھ سکتا۔ اسلئے وہ سمجھتا ہے کہ آدمی بول رہا ہے۔ حالانکہ دوسرا جو اصل میں معلم ہے اس سے مخفی ہوتا ہے اور اسکو اس کی خبر نہیں ہوتی اور وہ گفتگو سیکھ لیتا ہے مگر وہ حق سبحانہٗ کو جو کہ اس پر دہ میں اس کو تعلیم دیتے ہیں نہیں سمجھتا اور وہ نہیں جانتا کہ معلم میرا ہم جنس ہے جو محسوس ہے، یا دوسرا جو اسکے ساتھ اور مخفی ہے۔

غرضکہ وہ شیخ کو بھی اپنا ہی سا سمجھتا ہے اور اسکے نزدیک اس کا کمال صرف وہ الفاظ ہی ہوتے ہیں۔ جس کو وہ سیکھتا ہے۔ اس تشبیہ کی تفصیل تو ختم ہوئی —— اب دوسری

تشبیہ سنو! مقلد نقال کی ایسی مثال ہے جیسے وہ لوگ جو جانوروں کی بولی سیکھ لیتے ہیں۔ سو آدمی جانوروں کی بولی تو سیکھ لیتے ہیں کیونکہ وہ ایک بات ہوتی ہے جو اُس کی زبان اور حلق میں پیدا ہوتی ہے۔ جس کے سیکھ لینے میں کوئی دشواری نہیں لیکن وہ لوگ جانوروں کے مقصود اور اس کی باطنی حالت سے ناواقف ہوتی ہے بجز سلیمان علیہ السلام کے کہ وہ باطن مرغاں کو بھی جانتے ہیں یوں ہی بہت سے لوگ اہل اللہ سے گفت گو سیکھ لیتے ہیں اور اسی سے معتبر اور محفل کو رونق دیتے ہیں مگر اہل اللہ کے باطن کی انکو خبر نہیں ہوتی بجز اہلِ کمال کے۔ اس حالت میں ان کا انجام یا تو یہ ہوتا ہے کہ صرف نقالی ہی میں مر جاتے ہیں اور بجز الفاظ کے ان کی قسمت میں کچھ نہیں ہوتا۔ یا آخر بہ برکت نقل رحمت الٰہی ان کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور ان کی رہنمائی کرتی ہے اور وہ قال ان کا حال ہو جاتا ہے [فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ خود نقل صلحا بھی مفید ہے لیکن اگر نیت صحیح ہو تو اسکے فائدہ کی توقع اغلب ہے ورنہ صرف محتمل واللہ اعلم]

صاحبدلے در چلّہ بخواب دید کہ سگے حاملہ در شکمِ آن بچگاں

ایک صاحب دل نے چلّہ میں خواب میں دیکھا کہ ایک حاملہ کتیا ہے اس کے پیٹ

بانگ میکردند در تعجب ماند کہ حکمتِ بانگِ سگ پاسبانی

میں بچے بھونک رہے ہیں وہ تعجب میں رہ گیا کہ کتے کے بھونکنے کا فائدہ نگہبانی ہے

ست و بانگ در اندرونِ شکمِ مادر بے پاسبانی ست و نیز

اور ماں کے پیٹ میں بھونکنا نگہبانی کے لئے نہیں ہے اور آواز دودھ چاہنے اور

بانگ جہت یاری خواستن و شیر خواستن باشد وغیرہ و در شکم

دودھ مانگنے کے لئے بھی ہوتی ہے اور ماں کے پیٹ میں ان میں سے کوئی

مادر ہیچکدام ازینہا نیست چون بخویش آمد بحضرتِ حق مناجات

بھی (مقصود) نہیں ہے وہ جب بیدار ہوا اللہ تعالے سے دعا کی

کرد وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ جواب آمد کہ آں صورتِ

اور بجز اللہ کے اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا ہے۔ جواب آیا کہ یہی صورت حال

خداوندی ہے کتے حفاظت اور پاسبانی کے لئے بھونکتے ہیں ماں کے پیٹ میں بھونکنے سے یہ فائدہ نہیں ہے نیز بچہ کے رونے میں مدد کے لئے یا دودھ کے لئے زیادہ ہوتی ہے ۔۔ بھی یہاں نہیں ہے انتہی

حالِ قومی ست کہ از حجاب بیروں نیامدہ و چشمِ دل باز نشدہ
اُس قوم کی ہے جو پردے سے نہیں نکلی ہے اور دل کی آنکھ نہیں کھلی ہے
و دعوائی بصیرت کنند و مقالات گویند از آں نہ ایشاں را
اور وہ بصیرت کا دعویٰ کرتی ہے اور تقریریں کرتی ہے جن سے نہ اس کو
قوت و یاری و نہ مستمعاں را ہدایتے و رشدے میرسد
کوئی قوت اور مدد حاصل ہوتی ہے اور نہ سننے والوں کو کوئی ہدایت اور رہنمائی ملتی ہے

آں یکے می دید خواب اندر چلہ[۵۱]
ایک شخص نے چلّہ میں خواب میں دیکھا
در رہے مادہ سگے بُد حاملہ
راستہ میں ایک حاملہ کتیا تھی

ناگہاں آوازِ سگ بچگاں شنید
اس نے اچانک کُتّے کے پلّوں کا بھونکنا سُنا
سگ بچہ اندر شکم بُد ناپدید
کتے کے بچے پیٹ میں چھپے ہوئے تھے

پس عجب آمد ورا زاں بانگہا
اُس کو اُن آوازوں سے تعجب ہوا
سگ بچہ اندر شکم چوں زد ندا
کُتّے کے بچے پیٹ میں کیوں بھونکے؟

سگ بچہ اندر شکم نالہ کناں[۵۲]
کُتّے کے بچوں کو (ماں کے) پیٹ کے اندر روتے ہوئے
ہیچ کس دیدست ایں اندر جہاں
کسی نے دنیا میں یہ دیکھا ہے؟

چوں بجست از واقعہ آمد بخویش
جب وہ خواب سے بیدار ہوا، ہوش میں آیا
حیرت او دمبدم میگشت بیش
اُس کی حیرت لمحہ بلمحہ بڑھ رہی تھی

در چلہ کس نے کہ گردد عقدہ حل
چلّہ میں کوئی نہیں تھا، کہ عُقدہ حل ہو
جز کہ درگاہِ خدای عز و جل
سوائے خدائے عزوجل کی درگاہ کے

گفت یارب زیں تشکال و گفتگو
اس نے کہا اے اللہ! اس اشکال اور گفتگو کی وجہ سے
در چلہ وا ماندہ ام از ذکرِ تو
چلّے میں تیرے ذکر سے قاصر ہو رہا ہوں

پرِ من بکشای تا پَرّاں شوم
[illegible]
در حدیقۂ ذکر و بستاں شوم
[illegible] کے باغ میں پہنچوں

آمدش آوازِ ہاتف[۵۳] در زماں
اُس کو فوراً غیبی فرشتہ کی آواز آئی
کآں مثالے داں زلافِ جاہلاں
کہ اس کو جاہلوں کے شیخی بگھارنے کی مثال سمجھ

کز حجاب و پردہ بیروں نامدہ
جو حجاب اور پردے سے باہر نہیں نکلے ہیں
چشم بستہ بیہدہ گویاں شدہ
آنکھیں بند کئے ہوئے بکواس کرتے ہیں

بانگِ سگ اندر شکم باشد زیاں
کُتّے کا پیٹ میں بھونکنا بیکار ہے
نے شکار انگیز و نے شب پاسباں
نہ شکار نکالنے والا ہے اور نہ رات کا محافظ ہے

گرگ نا دیدہ کہ دفعِ او بود
اُس نے بھیڑیے کو نہیں دیکھا کہ اس کا دفعیہ ہو
دزد نادیدہ کہ منعِ او شود
اُس نے چور کو نہیں دیکھا کہ اُس کی روک ہو

[۵۱] چلہ۔ چلّہ کشی جو تنہائی میں ہوتی ہے۔ بانگہا۔ یعنی کُتّے کے بچوں کی ماں کے پیٹ میں سے بھونکنے کی آواز۔
[۵۲] نالہ کناں۔ روتے ہوئے۔ واقعہ۔ یعنی خواب۔ عُقدہ حل۔ یعنی گرہ کُھل جائے۔ معاملہ حل ہو جائے۔ گفت الخ۔ صاحبِ دل نے خدا سے عرض کیا میں اس فکر میں تیری یاد سے غافل ہو رہا ہوں۔
[۵۳] ہاتف۔ غیبی آواز۔ سگاں۔ کُتّے کے پلّوں کا پیٹ میں بھونکنا جاہلوں کی لاف زنی کی مثال ہے۔ بانگ۔ کُتّے کے پلّوں کا پیٹ میں بھونکنا بیکار بات ہے نہ تو اس سے یہی فائدہ ہے کہ کوئی شکار جھاڑی میں سے نکل کر بھاگے اور شکاری اس کا شکار کرے نہ چور کو بھگانے کے لئے ہے۔

از حریصی وز ہوائے سروری[۱] — در نظر کند و بلافیدن جری
حرص اور سرداری کی خواہش کی وجہ سے — نظر میں کند ہے اور بکواس کرنے میں جری ہے

از ہوائے مشتری و گرم دار — بے بصیرت پا نہادہ در فشار
خریدار اور گرم بازاری کی خواہش کی وجہ سے — بغیر بصیرت کے بکواس میں قدم رکھے ہوئے ہے

ماہ نادیدہ نشانہا میدہد — روشنائی را بداں کژمی نہد
چاند دیکھے بغیر نشانیاں بتاتا ہے — اُس کے لئے روشنائی کو ٹیڑھا رکھتا ہے

از برائے مشتری در وصفِ ماہ — صد نشاں نادیدہ گوید بہرِ جاہ
چاند کی صفت بیان کرنے میں، خریدار کے لئے — مرتبہ کی خاطر بغیر دیکھے ہوئے سیکڑوں نشانیاں بتاتا ہے

مشتری نادیدہ گوید صد نشاں — تا ازو خاید دوغ نوشد کف زناں
خریدار کو بغیر دیکھے سیکڑوں نشانیاں بتاتا ہے — بکواس کرتا ہے تالیاں بجاتے ہوئے چھاچ پیتا ہے

مشتری کو سود دارد خود یکیست[۲] — لیک ایشاں را دراں ریب و شکیست
بس خریدار میں فائدہ ہے وہ صرف ایک ہے — لیکن اُن کو اُس میں شک و شبہ ہے

از ہوائے مشتری بے شکوہ — مشتری را باد دادند ایں گروہ
بے حقیقت خریدار کی خواہش میں — اُس جماعت نے خریدار کو کھو دیا ہے

مشتری ماست اللّٰہ اشتریٰ — از غمِ ہر مشتری ہیں برتر آ
ہمارا خریدار اللہ ہے جس نے خرید لیا ہے — ہر خریدار کے غم سے آگے بڑھ

مشتری جو کہ جویانِ تو است — عالمِ آغاز و پایانِ تو است
اُس خریدار کو تلاش کر جو تیرا جویاں ہے — تیرے آغاز اور انجام کا جانکار ہے

ہیں مکش ہر مشتری را تو بدست[۳] — عشقبازی با دو معشوقہ بدست
خبردار! ہر خریدار کو تو ہاتھ سے نہ کھینچ — دو معشوقوں سے عشقبازی بُری ہے

زو نیابی سود و مایہ گر خرد — نبودش خود قیمتِ عقل و خرد
اگر وہ پونجی کو خریدے گا تو اُس سے فائدہ حاصل نہ کر سکیگا — اُس کے پاس (تیری) عقل اور سمجھ کی قیمت ہی نہ ہوگی

نیست اُو را خود بہائے نیم نعل — تو برو عرضہ کُنی یاقوت و لعل
خود اُسکی قیمت آدھے نعل کی نہیں ہے — تو اُس کو یاقوت اور لعل دکھا رہا ہے

حرص[۴] کورت کرد و محرومت کُند — دیو ہمچوں خویش مرجومت کُند
لالچ نے تجھ کو اندھا کر دیا اور محروم کرے گا — شیطان تجھے اپنی طرح سنگسار بنا دے گا

ہمچناں کاصحابِ فیل و قومِ لُوط — کردشاں مرجوم چوں خود آں سخوط
جس طرح اصحاب فیل اور لوطؑ کی قوم کو — اُس مغضوب نے اپنی طرح سنگسار بنا دیا

---

[۱] از حریصی۔ جاہل شیخ کی لالچ اور سرداری کی خواہش میں یہ حالت ہوتی ہے کہ اُس کی نظر تو کند ہو جاتی ہے اور وہ شیخی بگھارنے میں جری ہو جاتا ہے گرم دار دوست۔ فشار۔ بکواس۔ ماہ یعنی ذات حق کے مشاہدہ کے بغیر اس کی سیکڑوں نشانیاں بیان کرتا ہے اور اپنے [illegible] غلط رہنمائی کرتا ہے مشتری۔ وہ مرید بھی بغیر مشاہدہ کے بکواس شروع کر دیتا ہے اور وضعی مستی ظاہر کرنے لگتا ہے۔ دوغ وشد یعنی چھاچ پی کر ذہنی مستی ظاہر کرتا ہے۔

[۲] مشتری کو۔ ایک مومن کا خریدار دراصل اللہ تعالیٰ ہے قرآن پاک میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ "اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کی جانیں خرید لی ہیں" از غم لہٰذا ایک مومن کو کسی اور خریدار کی فکر میں نہ پڑنا چاہیئے۔ جویاں۔ اللہ تعالیٰ تیرا جویاں ہے اور وہ تیرے انجام و آغاز کو جانتا ہے۔

[۳] بدست (شعر)
ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں
زو۔ اگر خدا کے علاوہ کوئی خریدار ہے گا تو اس سے تجھے کوئی فائدہ نہ ہوگا اُس خریدار کے پاس تجھے خریدنے کی قیمت کہاں ہے۔ نیست۔ وہ خود دو کوڑی کا ہے اُس پر اپنی عقل و خرد کے لعل و یاقوت کو پیش کرنا نادانی ہے۔

مُشتری راصابراں دریافتند
صابر لوگوں نے خریدار پا لیا ہے

چوں سُوئے ہر مُشتری نشتافتند
کیونکہ وہ ہر خریدار کی طرف نہیں دوڑے ہیں

واں کہ گردانید رُوزاں مُشتری
جس شخص نے اس خریدار سے منہ موڑا

بخت واقبال وبقا زو شد بری
نصیب اور اقبال اور بقا اس سے کنارہ کش ہوگئے

ماند حسرت بر حریصاں تا ابد
لالچیوں کو ہمیشہ حسرت رہی

ہمچو حالِ اہلِ ضرواں در حسد
جس طرح حسد میں ضروان والوں کا حال

مرجم - لالچ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ مرجوم - سنگسار۔ اصحاب فیل۔ ابرہہ کا لشکر جس نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے چڑھائی کی تھی۔ ستوہ بمنضرب یعنی شیطان۔ وانکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرتا ہے وہ بڑا بدنصیب ہے اور تباہ ہو جاتا ہے۔

شرح یہاں سے مولانا نقال مقلدوں کی تیسری تمثیل بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک شخص نے چلہ کشی کی حالت میں خواب میں دیکھا کہ ایک گاؤں میں ایک کُتیا حاملہ ہے اور اسکے بچے اُس کے پیٹ میں بول رہے ہیں اس شخص نے خواب میں یکایک اس کی آواز سُنی حالانکہ وہ پردہ شکم میں مستور تھے اُن کی آوازیں سنکر اُس کو تعجب ہوا اور اسنے کہا کہ بچوں نے پیٹ کے اندر بولنا کیوں شروع کیا اس کا کیا سبب ہے بچوں کو کتیا کے پیٹ میں بولتے تو دنیا بھر میں کسی نے نہیں دیکھا۔ پھر یہ کیا بات ہے جب وہ بیدار ہُوا اسکی حیرت دمبدم بڑھنے لگی۔ چلہ میں بجز خدائے عزوجل کے کوئی شخص نہ تھا جس سے یہ عقدہ حل ہو جائے اسلئے اسنے حق سبحانہ کی جناب میں التجا کی اور کہا کہ اے للہ! اس بول چال کے متعلق جو مجھے اشکال ہے اس سے میں چلہ میں تیری یاد سے رُک گیا ہوں۔ کیونکہ میری طبیعت میں الجھن پیدا ہوگئی ہے۔ اور میں اس اشکال میں مصروف اور مشغول ہوگیا ہوں پس تو میرے پر کھول دے اور اس عقدہ کو حل کردے تاکہ میں اُڑوں اور تیری یاد کے باغ اور سیستان میں جاؤں یعنی تیری یاد میں مشغول ہوں۔ جب اُسنے یہ دعا کی تو ہاتف غیبی نے آواز دی اور کہا کہ یہ ان جاہلوں کی حالت کی تمثیل ہے جو حجاب اور پردہ ناسوت سے ہنوز نہیں نکلے اور آنکھ بند کئے بیہودہ لفاظی کرنے اور حقائق معارف بگھارتے ہیں کیونکہ کتے کی آواز پیٹ کے اندر محض فضول ہوتی ہے نہ تو وہ شکار کو

نکلتے ہیں اور نہ رات کو پاسبانی کا کام کرتے ہیں نہ اس بھونکنے والے نے بھیڑیے ہی کو دیکھا ہے کہ اس کی آواز سے بھیڑیا بھاگ جائے اور نہ اس نے چور کو دیکھا ہے کہ اسکو چوری سے روک دے ــــ غرضیکہ اس کی آواز بالکل بے کار ہوتی ہے یونہی یہ لوگ بھی ہیں کہ حرص اور خواہش سرداری کے سبب بدوں بصیرت کے ڈینگیں مارنے پر جرأت کرتے ہیں۔ اور خریداروں اور معتقدوں کی خواہش میں بدوں بصیرت کے لغو گوئی میں مصروف ہیں۔ انہوں نے چاند نہیں دیکھا مگر اسکی علامات بیان کرتے ہیں اور اس سبب سے روشنی کی حقیقت غلط سلط بیان کرتے ہیں۔

یہ لوگ خریداروں کے لیے چاند کی سینکڑوں علامات بیان کرتے ہیں۔ اور مقصود یہ ہے کہ لوگ ہم کو عارف سمجھیں اور ہماری قدر کریں ان لوگوں نے ستارہ مشتری کو تو دیکھا نہیں۔ مگر وہ اس کی سینکڑوں علامتیں بیان کرتے ہیں اور فضول بکواس ہانکتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہوئے یا منہ میں جھاگ لائے ہوئے چھاچھ لے رہے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ لوگ شراب پی رہے ہیں یعنی لوگوں کو دھوکا دے رہے ہیں اور باوجودیکہ وہ عارف نہیں ہیں۔ مگر اپنی گفتگو سے اپنے کو عارف ثابت کر رہے ہیں۔ ارے کم بختو! کس دھوکے میں پڑے ہوئے ہو۔ ہم نے مانا کہ تم نے خریدار پیدا کر لیے اور لوگوں کو دھوکا دے لیا لیکن کیا نتیجہ ــــ یاد رکھو ! کہ جو خریدار فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ صرف وحدہٗ لاشریک ہے لیکن کیا کیجئے ان کو اس کا یقین نہیں یہ اوروں کو نافع سمجھتے ہیں بلکہ صرف ــــ انہی کو نافع سمجھتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے ان بے وقعت خریداروں کی خاطر اصلی خریدار کو ہاتھ سے کھو دیا۔ ارے نادانو! سمجھو کہ ہمارے خریدار تو حق سبحانہٗ ہیں جو کہتے ہیں

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط

پس تم ان کے سوا ہر خریدار کی فکر چھوڑو اور اس خریدار کو تلاش کرو جو تمہارا طالب ہے اور تمہاری ابتدا اور انتہا سے واقف ہے اور تم ہر خریدار کو قبضہ میں نہ لاؤ کیونکہ

معشوق اور مطلوب صرف ایک بڑا پاہیئے۔ محبت دو سے بھی بُری ہے چہ جائیکہ بہتوں سے

دیکھو! اگر غیر اللہ نے تمہارے کمال کو خرید بھی لیا اور اسکی قدر بھی کی۔ تو اس سے ہم کو نفع حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اسکے پاس عقل کی قیمت کہاں ہے۔ عقل تو بڑی چیز ہے اُس کے پاس تو آدھے جوتے کی بھی قیمت نہیں ہے۔ کیونکہ جو کچھ بھی اس کے پاس ہے، وہ تو اُسکے پاس عاریت ہے۔ اصل مالک تو اسکے حق سبحانہٗ ہی ہیں پھر تو ایسے شخص کے سامنے یاقوت اور لعل (کمالات) پیش کرتا ہے۔ حق سبحانہٗ کے پاس کیوں نہیں پہنچاتا جس کے قبضہ میں سب کچھ ہے اور وہ تیرے مال سے زیادہ قیمت دینے کو تیار ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ تجھے حرص نے اندھا کر رکھا ہے کہ تجھے نفع نقصان نہیں سوجھنے دیتی۔ اور یہ حرص ہی تجھے محروم کر رہی ہے اور شیطان نے تجھے اپنی طرح مردود کر رکھا ہے جس طرح کہ اس غصہ والے اصحابِ فیل اور قومِ لوط وغیرہ کو اپنی طرح مردود بنا دیا پس تو حرص اور شیطان کو چھوڑ اور صبر اختیار کر۔ کیونکہ جن لوگوں نے صبر کیا ہے تو جب کہ انہوں نے صرف اسی کو مطمح نظر بنالیا ہے اور ہر مشتری کی طرف دوڑ دھوپ نہیں کی ہے اُس وقت انہوں نے اصل خریدار کو پالیا ہے ــــ اور جس شخص نے اس مشتریٔ حقیقی کو چھوڑا ہے وہ سراسر ٹوٹے میں رہا ہے۔ بخت اقبال بقا اس سے سب بیزار ہوگئے ہیں اور ان حریصوں کو ہمیشہ کے لیے یوں ہی حسرت رہ گئی ہے جس طرح اہلِ ضروان کی حسد میں حالت ہوئی تھی۔ کہ وہ ناکام اور نامراد دُنیا سے رخصت ہوگئے تھے ان کا قصہ حسبِ ذیل ہے۔

قصۂ اہلِ ضرواں و حسدِ ایشاں بر درویشاں کہ پدرِ ما از سلیمی

ضروان کے باشندوں کا قصہ اور اُن کا فقیروں پر حسد کرنا کہ ہمارا باپ سادہ پن

اَغلبِ دَخلِ باغ را بمسکیناں میداد، چوں انگور بودے عُشر

سے باغ کی زیادہ پیداوار مسکینوں کو دیدیتا تھا جب انگور ہوتے دسواں حصہ

دادے و چوں مویز و دوشاب شُدے عُشر دادے و چوں حلوا

دیدیتا اور جب کشمش اور انگور کا شیرہ ہوتا دسواں دے دیتا اور جب حلوا یا

و پالودہ کردے عُشر دادے و از فصیل عُشر دادے و چوں

فالودہ بناتا دسواں دے دیتا کچی کھیتی میں سے دسواں دے دیتا اور جب

خرمن میکوفتے از کفہ آمیختہ عُشر دادے و چوں گندم از

کھلیان گہاتا آدھے گہائے ہوئے میں سے دسواں دیدیتا اور جب گیہوں

کہ جُدا شُدے عُشر دادے و چوں آرد کردے عُشر دادے و چوں

بھوسے سے جدا ہوتے دسواں دے دیتا اور جب آٹا کرتا دسواں دیدیتا اور

خمیر کردے عُشر دادے و چوں نان پختے عُشر دادے لاجرم

جب گوندھتا دسواں دیدیتا اور جب روٹی پکاتا دسواں دے دیتا لامحالہ

حق تعالیٰ در باغ و کشت برکتے نہادہ بود کہ ہمہ اصحابِ

اللہ تعالیٰ نے باغ اور کھیتی میں برکت عطا کی تھی کہ سب باغ والے

باغہا محتاجِ او بودندے ہم بمیوہ و ہم بسیم و او محتاجِ

اُس کے محتاج ہوتے پھل میں بھی اور چاندی میں بھی اور وہ اُن میں سے

ہیچ کس نے از ایشاں و فرزندانِ او خرجِ عشر میدید مکرر

کسی کا محتاج نہ ہوتا اُس کی اولاد نے بار بار دسویں کا خرچ دیکھا

و آں برکت نمی دیدند ہمچو آں زنِ بدبخت کہ کیرِ خر دید و

اور وہ برکت نہ دیکھی اُس بدبخت عورت کی طرح جس نے گدھے کا ذکر دیکھا

کدو را ندید

اور کدو نہ دیکھا

بود مردے صالحے ربّانیے ۚ عقلِ کامل داشت و پایاں دانیے

ایک نیک خداپرست شخص تھا ۔ کامل عقل رکھتا تھا اور انجام سے باخبر تھا

در دہِ ضرواں بنزدیکِ یمن ۚ شہرہ اندر صدقہ و خُلقِ حسن

یمن کے نزدیک ضروان گاؤں میں ۔ خیرات کرنے اور اچھے اخلاق میں مشہور تھا

ضرواں یمن میں ایک گاؤں تھا سلیمی۔ بیوقوفی بھولا پن۔ دوشاب۔ انگور کا شیرہ۔ فصیل۔ کچی کھیتی۔ کفہ۔ کاف کے زیر ۔۔۔ کی خفت کے ساتھ نیم کوفتہ۔

ربانی۔ اللہ والا۔ کہتے یعنی فقراء اس کے گھر کا چکر کاٹتے رہتے تھے۔

کعبۂ درویش بودے کوئے او　　آمدندے مستمنداں[۲] سوئے او
اس کی گلی فقیر کا کعبہ ہوتی　　ضرورتمند اس کی جانب آتے

ہم زخوشہ عشر دادے بے ریا　　ہم زگندم چوں شدے از کہ جدا
بغیر ریاکاری کے بالوں میں سے دسواں دیتا　　گیہوں میں سے بھی جب وہ بھوسے سے جدا ہو جاتے

آرد گشتے عشر دادے ہم ازاں　　ناں شدے عشر دگر دادے زناں
آٹا بنتا تو اس میں سے بھی دسواں دیتا　　روٹی بنتی، روٹی میں سے دوسرا دسواں دیتا

عشر ہر دخلے فرونگذاشتے　　چار بارہ دادے زانچہ کاشتے
کسی آمدنی کے دسویں میں فروگذاشت نہ کرتا　　جو بوتا اس میں سے چار بار ادا کرتا

از عنب عشرے بدادے وز مویز　　عشر ہم دادے وے از دوشاب[۱] نیز
انگوروں سے دسواں دیتا اور کشمش میں سے　　وہ انگور کے شیرے میں سے بھی دسواں دیتا

ہم زحلوا عشر واز پالودہ ہم　　می فرونگذاشتے از بیش و کم
حلوے میں سے بھی دسواں اور فالودے میں سے بھی　　اور کم اور زیادہ میں سے نہ چھوڑتا

بس وصیتہا بگفتے ہر زماں　　جمع فرزندانِ خود را آنجواں
ہر وقت بہت سی وصیتیں کرتا　　وہ جوان اپنی سب اولاد کو

اللہ اللہ قسمِ مسکیں بعدِ من　　وامگیریدش زحرصِ خویشتن
خدا کے لئے میرے بعد مسکین کے حصہ کو　　اپنی حرص سے بند نہ کرنا

تا بماند بر شما کشت و ثمار　　در پناہِ طاعتِ حق پائدار
تاکہ تم پر کھیتی اور پھل رہیں　　مستقل خدا کی اطاعت کی حفاظت میں

دخلہا و میوہا جملہ زغیب　　حق فرستادست بے تخمین و ریب
آمدنیاں اور میوے سب غیب سے　　بے اندازہ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بھیجے ہیں

در محلِ[۲] دخل اگر خرجے کنی　　درگہِ سود است بر سودے زنی
آمدنی کے وقت اگر تو خرچ کرے گا　　وہ فائدے کا دربار ہے تو فائدہ اٹھائے گا

ترک اغلب دخل را در کشت زار　　باز کارد کہ ویست اصلِ ثمار
کاشتکار، پیداوار کا اکثر حصہ کھیت میں　　پھر بو دیتا ہے کیونکہ وہ فائدوں کی جڑ ہے

بیشتر کارد خورد زاں اندکے　　کہ ندارد در بروئیدن شکے
زیادہ بو دیتا ہے، اس میں سے تھوڑا سا کھاتا ہے　　چونکہ اس کو اگنے میں کوئی شبہ نہیں ہے

زاں بیفشاند بکشتن ترک دست　　کاں غلہ ہم زاں زمیں حاصل شدست
کاشتکار بونے میں ہاتھ اسی لئے جھاڑ لیتا ہے　　کیونکہ وہ غلہ اسی زمین سے حاصل ہوا ہے

[۲] مستمنداں۔ حاجتمند۔ عشر۔ شرعی اعتبار سے زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ خیرات کرنا ہوتا ہے۔

[۱] دوشاب۔ انگور کا شیرہ۔ اللہ اللہ۔ وہ صدا رسیدہ مرد اپنی اولاد کو وصیتیں کرتا کہ دسواں حصہ ضرور خیرات کرتے رہنا۔ دخلہا۔ جو سب پیداوار حقیقتاً اللہ کی جانب سے ہے۔

[۲] در محل۔ پیداوار کے وقت اگر خرچ کروگے فائدہ میں رہوگے۔ ترک۔ یعنی کاشتکار پیداوار کا زیادہ حصہ پھر زمین میں بو دیتا ہے۔ در بروئیدن۔ اس میں با زیادہ ہے۔ دست افشاندن۔ یعنی بونا۔

کفشگر[۱۳] ہم آنچہ افزاید زناں
روئی سے جو زائد ہوتا ہے، موچی بھی
میخرد چرم و ادیم و سختیاں
چمڑا اور نرمی اور میشہ خرید لیتا ہے

کہ اصولِ دخلم اینہا بودہ اند
کہ میری آمدنی کی بنیادیں یہ ہی ہیں
ہم ازینہا می کشاید رزقِ بند
انہی سے بند رزق کھلتا ہے

دخل باز آنجا آمدستش لاجرم
لامحالہ اُس کی آمدنی اُس جگہ سے ہی ہوئی ہے
ہم در آنجا میکند داد و کرم
اسی جگہ وہ عطا اور کرم کرتا ہے

ایں[۱۴] زمین و سختیاں پردہ ست و بس
یہ زمین اور کھال بس پردہ ہے
اصلِ روزی از خدا داں ہر نفس
اصل روزی ہر وقت خدا کی جانب سے سمجھ

چوں بکاری در زمینِ اصل کار
تو جب بوئے اصل زمین میں تو
تا بروید ہر یکے را صد ہزار
تاکہ ہر ایک کے لاکھ اُگیں

گیرم اکنوں تخم را گر کاشتی
میں نے مانا، اب اگر تو نے بیج بو یا ہو
در زمینے کش سبب پنداشتی
اس زمین میں جس کو تو نے سبب سمجھا ہے

چوں[۱۵] دو سہ سال آں نروید چوں کنی
اگر وہ دو تین سال نہ اُگے تو کیا کرے گا!
جز کہ در لابہ و دعا کف بر زنی
بجز اس کے کہ خوشامد اور دعا میں ہاتھ اٹھائیگا

دست بر سر میزنی پیشِ الٰہ
خدا کے آگے سر پر ہاتھ مارے گا
دست و سر بر دادنِ رزقش گواہ
ہاتھ اور سر اس کے رزق دینے پر گواہ ہیں

تا بدانی اصلِ اصلِ رزق اوست
تاکہ تو سمجھ لے کہ رزق کی اصل جڑ وہی ہے
تا ہم او را جوید آں کو رزق جوست
جو رزق تلاش کرتا ہے اُسی کو ڈھونڈتا ہے

رزق از وے جو مجو از زید و عمر
رزق اس سے مانگ، زید اور عمر سے نہ مانگ
مستی از وے جو مجو از بنگ و خمر
مستی اس سے چاہ، بھنگ اور شراب سے نہ چاہ

منعمی زو خواہ نے از گنج و مال
خوشحالی اُس سے چاہ نہ کہ خزانے اور مال سے
نصرت از وے خواہ نے از عم و خال
مدد اس سے چاہ نہ کہ چچا اور ماموں سے

عاقبت[۱۶] زینہا بخواہی ماندن
انجام کار تو ان سے (الگ) رہ جائے گا
ہیں کرا خواہی دراں دم خواندن
ہاں، اُس وقت تو کسے پکارے گا!

ایں دم او را خوان و باقی را بہل
اس وقت اُس کو پکار اور باقی کو چھوڑ
تا تو باشی وارثِ ملکِ جہاں
تاکہ تو دنیا کی سلطنت کا مالک ہو جائے

[۱۳] کفشگر۔ موچی، جفت ساز۔ ادیم۔ نرمی یعنی وہ کھال جو سرخ رنگی جاتی ہے۔ سختیاں۔ بھیڑ کی دباغت شدہ کھال، میشہ۔ کہ اصول۔ ان چیزوں میں وہ آمدنی کو صرف کرتا ہے کیونکہ آمدنی کی اصل و بنیاد یہی چیزیں ہیں۔

[۱۴] ایں زمیں۔ پیداوار کے ظاہری اسباب محض ایک پردہ ہیں ورنہ اصل روزی رساں خدا ہے۔۔۔ صد ہزار۔ قرآن پاک میں ہے مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے راستہ میں صرف کرتے ہیں ایک دانہ کی سی ہے جس نے سات بالیں اگائیں ہر بال میں سو دانے، اور خدا جس کے لئے چاہتا ہے دوگنا کر دیتا ہے۔

[۱۵] چوں۔ جب انسان اسباب سے مایوس ہو جاتا ہے تو پھر خدا ہی سے مانگتا ہے۔ دست۔ کھیتی کی تباہی کے وقت سر پیٹ کر خدا سے دعا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان اصل رزق دینے والا خدا ہی کو سمجھتا ہے۔ رزق۔ جب حقیقی رزاق خدا ہے تو اس سے رزق مانگنا چاہیئے۔۔۔ مستی۔ اصل مستی بھی خدا کے عشق سے ہی حاصل ہوتی ہے

[۱۶] عاقبت۔ انسان اپنے خزانے اور مال کو دنیا میں ہی چھوڑ جاتا ہے، تعلق اُس چیز سے پیدا کرنا چاہیئے جو ساتھ دے سکے۔ چوں۔ قرآن پاک میں ہے یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ وَاُمِّہٖ وَاَبِیْہِ وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیْہِ لِکُلِّ امْرِئٍ مِّنْھُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْہِ یعنی قیامت کے دن ہر شخص اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی، اپنی اولاد سے بھاگے گا ہر شخص کی اُس دن وہ حالت

چوں یَفِرُّ الْمَرْءُ آید مِنْ اَخِیْه
جب وہ دن آجائے گا کہ انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا

یَهْرَبُ الْمَوْلُوْدُ یَوْمًا مِنْ اَبِیْه
وہ دن کہ اولاد اپنے باپ سے بھاگے گی

زاں[1] شود ہر دوست آں ساعت عدُو
اس لئے ہر دوست اس وقت دشمن بن جائے گا

کہ بُتِ تو بُود وا زرہ مانع او
کیونکہ وہ تیرا بُت تھا، راستہ سے مانع تھا

روئے از نقاش برمی تافتی
تو نے نقاش سے منہ پھیر لیا

چوں ز نقشش اُنس دل می یافتی
جبکہ اُس کے بنائے ہوئے نقش سے دل کا اُنس محسوس کیا

ایں دم ار یارانت با تو ضد شوند
گر تیرے دوست اس وقت تیرے مخالف ہوجائیں

وز تو برگردند و در خصمی روند
تجھ سے برگشتہ ہوجائیں اور مخالفت میں چلے جائیں

ایں بگو نک روزِ من پیروز شُد
باور کہہ دے کہ اب میرا دن نصیب ور ہے

آنچہ فردا خواست شُد امروز شد
جو کچھ کل کو ہوتا، وہ آج ہو گیا

ضدِ من گشتند اہلِ ایں سرا
اس جہان والے میرے مخالف ہوگئے

تا قیامت عین شُد پیشیں مرا
یہاں تک کہ قیامت میرے لئے پیشگی نقد بنگئی

پیش[2] ازاں کہ روزگارِ خود برم
اس سے قبل کہ میں اپنی عمر پوری کروں

عُمر بالیشاں بپایاں آورم
اُن کے ساتھ زندگی بسر کروں

کالہ معیوب بخریدہ بُدم
میں نے ایک عیب دار سامان خرید لیا تھا

شُکر کز عیبش بگہ واقف شُدم
شکر ہے کہ اسکے عیب سے صبح سویرے واقف ہوگیا

پیش ازاں کز دست سرمایہ شدے
اس سے پہلے ہی کہ ہاتھ سے سرمایہ چلا جاتا

عاقبت معیوب بیروں آمدے
آخر میں معیوب ظاہر ہوتا

مال رفتہ عُمر رفتہ اے نسیب
اے شریف! مال گیا، عمر گئی

مال وجاں دادہ پئے کالہ معیب
عیب دار سرمایہ کے لئے مال اور جان دیدی

نقد[3] دادم زرِ قلبے بستدم
میں نے نقد دے دیا اور کھوٹا سونا لے لیا

شاد شاداں سُوئے خانہ می شدم
خوشی خوشی گھر کی جانب چل دیا

شکر کایں زر قلب پیدا شد کنوں
شکر ہے کہ یہ کھوٹا سونا ابھی واضح ہوگیا

پیش ازاں کہ عُمر بگذشتے فزوں
اس سے پہلے کہ زیادہ عمر گذر جاتی

قلب ماندے تا ابد در گردنم
کھوٹا (سونا) ہمیشہ کے لئے میری گردن میں رہجاتا

حیف بودے عُمر ضائع کردنم
مجھے عمر ضائع کرنے پر افسوس ہوتا

چوں بگہ تر قلبی او رُو نمُود
چونکہ صبح سویرے اُس کا کھوٹ پن ظاہر ہوگیا

پائے خود را واکشم من زود زُود
میں بہت جلد واپس ہوجاؤں گا

انسان کو اُس کی جستجو چاہیئے۔ بھنگ اور شراب کی مستی لغو ہوتی ہے مُستقی۔ انسان کی اصل مالداری نفس کی مالداری ہے جو عطاءِ خداوندی ہے

[1] زاں۔ اس حالت کی وجہ سے انسان کے لئے اُس کا ہر دوست اُس کا دشمن ثابت ہوگا کیونکہ وہ دوست بھی اُس کو ایک بُت کی طرح خدا سے غافل بنا رہا تھا۔ رُوئی۔ مصنوع سے دل لگانا صانع سے دل ہٹانا ہے۔ ایں دم۔ اگر دنیاوی دوست اس دنیا ہی میں تیرے مخالف ہوجائیں تو یہ تیری خوش قسمتی ہوگی۔ ضدِ من۔ آخرت میں جو تیرے لئے مصیبت تھی وہ تو نے دنیا میں بھگت لی

[2] پیش ازاں — ان دوستوں کا نقصان دنیا میں برداشت کرلینا آسان ہے۔ پیش ازاں۔ اس کی یہ مثال ہے کہ خراب سودا خرید لینے پر فوراً اُس کے عیب سے واقفیت ہوجائے تو کچھ تدارک ممکن ہے ورنہ پھر افسوس ہی افسوس کرنا پڑتا ہے۔

[3] نقد دادم۔ انسان یہی کہتا ہے کہ ہائے افسوس میں کھوٹا سونا خرید کر کیسا خوش خوش گھر آیا تھا۔ شکر۔ اگر فوراً کھوٹ ظاہر ہوجائے اور انسان اس کا تدارک کرے تو شکر کا مقام ہے۔

یارِ تو چوں دشمنی پیدا کُند | کَرّ و حقد و رشک اُو بیروں زند
تیرا دوست جب دشمنی ظاہر کرے | وہ حملہ اور کینہ اور رشک ظاہر کرے

تو ازاں اعراضِ اُو افغاں مکُن | خویشتن را اَبلہ و ناداں مکُن
تو اُس کے منہ موڑنے سے فریاد نہ کر | اپنے آپ کو بے وقوف اور نادان نہ بنا

بلکہ شکرِ حق کُن و ناں بخش کُن | کہ نگشتی در جوالِ اُو کُہن
بلکہ اللہ کا شکر کر اور روٹی خیرات کر | کہ تو اُس کے بورے میں پُرانا نہ بنا

از جوالش زود بیروں آمدی | تا بجوئی یارِ صدق و سرمدی
تو اُس کے بورے سے جلد باہر آگیا | تاکہ سچے اور دائمی یار کو تلاش کرے

نازنیں یارے کہ بعد از مرگِ تو | رشتۂ یاریِ اُو گردد سہ تو
وہ نازوں بھرا یار کہ تیرے مرنے کے بعد | اُس کی یاری کا رشتہ تگنا ہو جائے

آں مگر سُلطاں بُود شاہِ رفیع | یا بُود مقبولِ سُلطان و شفیع
وہ یا تو شہنشاہ فرمانروائے برتر ہے | یا شہنشاہ کا محبوب اور شفیع ہے

رَستی از قُلّابِ سالوس و دَغل | غِرِّ اُو دیدی عیاں پیش از اَجل
تو مکر اور فریب کے آنکڑے سے نکل گیا | تو نے موت سے پہلے اُس کی غفلت دیکھ لی

ایں جفائے خلق با تو در جہاں | گر بدانی گنجِ زر آمد نہاں
دنیا میں تیرے ساتھ لوگوں کا ظلم | اگر تو سمجھے سونے کا چھپا ہوا خزانہ بنا

خلق را با تو چنیں بدخو کنند | تا تُرا ناچار رُو آنسو کُنند
لوگوں کو تیرے ساتھ اس طرح بدعادت کر دیتے ہیں | تاکہ تجھے مجبور اور اُس جانب کر دیں

ایں یقیں داں کاندر آخر جملہ شاں | خصم گردند و عدوّ و سرکشاں
تو اس کو یقینی سمجھ کہ آخیر میں سب | مخالف اور دشمن اور سرکش بن جائیں گے

تو بمانی با فُغاں اندر لحد | لَاتَذَرْنِیْ فَرْدًا خواناں اناحد
تو لحد میں فریاد کرتا ہوا رہ جائے گا | خدا سے: مجھے اکیلا نہ چھوڑ: کہتے ہوئے

ایں جفایت بہ ز عہدِ وافیاں | ہم ز دادِ تُست عہدِ باقیاں
تیرے لیے یہ ظلم وفاداروں کے عہد سے اچھا ہو | باقی لوگوں کا عہد بھی تیری عطا ہے

بشنو از عقلِ خودائے انبار دار | گندمِ خُود را بارضِ اللہ سپار
اے کھلیان والے! اپنی عقل سے سُن لے | اپنے گیہوں کو اللہ تعالیٰ کی زمین کے سپرد کرے

تا شود ایمن ز دُزد و از شپش | دیو را با دیو چہ زُو تر بکُش
تاکہ وہ چور اور سُرسُری سے محفوظ ہو جائے | شیطان کو دیک کے ذریعہ مار ڈال

کو ہمی ترساندت ہر دم ز فقر | ہمچو کبکش صید کُن اے نرہ صقر
جو تجھے فقر سے ہر وقت ڈراتا ہے | اے نر شکرے! چکور کی طرح اُس کا شکار کرے

سلہ یارِ تو۔ اس طرح اگر دنیا ہی میں تیرا دوست تجھ سے بگڑے تو اُس پر شکوہ نہ کر بلکہ شکر ادا کر۔ بلکہ۔ دنیاوی علائق دنیا میں ہی ٹوٹ جانے پر شکریہ ادا کرنا چاہیئے اور صدقہ و خیرات کرنا چاہیئے۔ از جوالش۔ تجھے اس بات پر شکر ادا کرنا چاہیئے کہ تو اُس کے پھندے سے نکل گیا اب سچے دوست کی تلاش میں لگ جائیگا۔ نازنیں۔ وہ نازوں بھرا دوست تجھے مل جائے گا تو آخرت میں تیرا ساتھ دے گا۔

سلہ آں۔ وہ دوست جو آخرت میں کام آئے وہ خدا یا خدا کا مقبول بندہ ہے۔ ایں جفا۔ دنیاوی دوستوں کی جفاکاری تیرے لئے رحمت خداوندی ہے۔ خلق را۔ جب اللہ تعالیٰ کا کسی پر کرم ہوتا ہو تو وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ انسان دنیوی علائق توڑ دیتا ہے۔

سلہ تو بمانی۔ اگر یہی دنیاوی دوستیاں باقی رہیں تو قبر میں تو تنہا ہوگا اور پھر پکارے گا کہ اے خدا مجھے تنہا نہ چھوڑ۔ ایں جفایت۔ دنیاوی تعلقات کے ٹوٹنے کو تو کہیگا کہ یہ جفا اُن کی دوستی سے بھلی تھی بلکہ مولانا پہلے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی خوبیاں بیان کر رہے تھے پھر اُسی مضمون کو شروع کیا ہے۔

سلہ تا شود۔ یعنی دانہ کو اللہ کی سرزمین میں بو دے تاکہ اُس کو چور چرا سکے نہ اُس کو بھُن لگے۔ دیو را۔ شیطان جو فقر کے وسوسے پیدا کرے اُس کو لاحول کی دیگ لگا دے۔

بازِ سلطانی عزیز و کامیار ... ننگ باشد کہ کند کبکش شکار

تو بادشاہ کا پیارا اور کامیاب باز ہے ... ذلّت ہے اگر تجھے چکور شکار کرے

بس وصیت کرد و تخمِ وعظ کاشت ... چوں زمینِ شاں شورہ بد سودے نداشت

اُس نے بہت وصیت کی اور وعظ کا بیج بویا ... چونکہ اُن کی زمین شوریلی تھی کوئی فائدہ نہ ہوا

گرچہ ناصح را بود صد داعیہ ... پند را اُذنے بباید واعیہ

اگرچہ نصیحت کرنے والے کے سو داعیے ہوں ... نصیحت کے لئے، حفاظت کرنے والا کان چاہیئے

تو بصد تلطیف پندش میدہی ... او ز پندت میکند پہلو تہی

تو سیکڑوں نرمیوں کے ساتھ اُسکو نصیحت کرتا ہے ... وہ تیری نصیحت سے پہلو تہی کرتا ہے

یک کسِ نا مستمع ز استیز و رد ... صد کسِ گوینده را عاجز کند

ایک نہ سننے والا شخص، جھگڑے اور انکار سے ... سو کہنے والوں کو عاجز کر دیتا ہے

ز انبیا ناصح تر و خوش لہجہ تر ... کے بود کہ رفت دمِ شاں در حجر

انبیاء سے زیادہ ناصح اور شیریں زبان ... کب ہوا ہے کیونکہ اُن کی بات پتھر میں گھس گئی ہے

زانچہ کوہ و سنگ در کار آمدند ... می نشد بدبخت را بکشادہ بند

جن باتوں سے پہاڑ اور پتھر کارآمد بن گئے ... بدبخت کی گرہ نہ کھل

آنچناں دلہا کہ بدشاں ما و من ... نعتِ شاں شد بل اشد قسوۃ

وہ دل جو متکبر تھے ... اُنکی صفت بلکہ (پتھروں سے بھی) زیادہ سخت ہو گئی

در بیان آنکہ عطائے حق سبحانہ تعالیٰ و قدرتِ اُو موقوفِ قابلیت

اِس بات کے بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور قدرت بندوں کی عطا کی طرح قابلیت پر

نیست ہمچوں اذ خلقاں کہ آنرا قابلیت باید زیرا کہ عطائے حق تعالیٰ

موقوف نہیں ہے اُس (مخلوق کی عطا) کے لئے قابلیت چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ

قدیم است و قابلیت حادث عطا صفتِ حق ست جل جلالہٗ و

قدیم ہے اور قابلیت حادث ہے عطا اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کی صفت ہے اور

قابلیت صفتِ مخلوق و قدیم موقوفِ حادث نباشد

قابلیت مخلوق کی صفت ہے اور قدیم حادث پر موقوف نہیں ہوتا ہے

چارۂ آں دل عطائے مبدلیست ... دادِ اُو را قابلیت شرط نیست

اُس دل کا علاج، بدل دینے والے کی مہربانی ہے ... اُس کی عطا کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے

بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اوست ... داد لب و قابلیت ہست پوست

بلکہ قابلیت کی شرط، اُس کی عطا ہے ... عطا مغز ہے، اور قابلیت چھلکا ہے

حجر۔ شیطان کو اِس طرح شکار کرے جس طرح شکرا چکور کا شکار کر لیتا ہے۔ بازِ سلطانی۔ اگر شاہی باز کو چکور مار ڈالے تو بڑے شرم کی بات ہے۔ بس وصیت۔ باپ نے بہت سمجھایا تھا لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پند را۔ نصیحت اُسی پر اثر کرتی ہے جس کے کان اُس کو قبول کریں

سے تو بصد۔ جس شخص کا ارادہ سننے کا نہ ہو اُس کو کیسی ہی نرمی سے سمجھاؤ وہ اعراض ہی کرے گا انبیاء علیہم السلام محبت اور پیار سے سمجھاتے تھے کہ اُن کی نصیحت پتھر تک قبول کر لیتے تھے لیکن کفار قبول نہ کرتے تھے۔ اَشَدُّ قَسوۃ قرآن نے کافروں کے دلوں کو پتھر سے زیادہ سخت اور متاثر نہ ہونے والا قرار دیا ہے۔

سے در بیان۔ حضرت حق کی عطا کے لئے قابلیت ضروری نہیں ہے جب عطا ہوتی ہے تو قابلیت خود پیدا ہو جاتی ہے عطا اللہ کی صفت ہے جو قدیم ہے قابلیت بندہ کی صفت ہے جو حادث ہے تو قدیم کے لئے حادث کیسے شرط بن سکتا ہے جبکہ خود پیدا ہوتی ہے۔

سے چارہ۔ یہ دل جو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے اُسکی اصلاح کی تدبیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس میں تبدیلی کر دے۔ داد او را۔ اللہ جب چاہتا ہے تو ایسے دل میں تبدیلی پیدا کر کے اُس میں قبول کرنے کی صلاحیت پیدا فرما دیتا ہے۔ قابلیت۔

اینکہ موسیٰ را عصا ثعباں شود
یہ کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی اژدھا بنے
ہمچو خورشیدے کفش رخشاں شود
اُن کی ہتھیلی سورج کی طرح چمک دار بنے

صد ہزاراں معجزاتِ انبیا
انبیاء کے لاکھوں معجزے
کاں نگنجد در ضمیرِ عقلِ ما
جو ہماری عقل میں نہیں سماتے ہیں

نیست از اسباب تصریفِ خداست
وہ اسباب کے ذریعہ نہیں ہیں، خدا کا تصرف ہے
نیستہا را قابلیت از کجاست
فنا ہونے والوں کے لئے قابلیت کہاں ہے؟

قابلی گر شرطِ فعلِ حق بُدے
اللہ (تعالےٰ) کے کام کیلئے اگر قابل ہونا شرط ہوتا
ہیچ معدومے بہ ہستی نامدے
تو کوئی معدوم موجود نہ ہوتا

سُنتے بنہادہ و اسباب و طُرق
(اللہ نے) دستور اور اسباب اور راستے رکھدیئے ہیں
طالباں را زیر ایں ازرق تتق
اس نیلے سراپردہ کے نیچے طلبگاروں کیلئے

بیشتر احوال بر سُنت رَوَد
زیادہ باتیں دستور کے مطابق ہوتی ہیں
گاہ قدرت خارقِ سُنت شود
کبھی قدرت (الٰہی) دستور کو توڑنے والی بنجاتی ہے

سُنت و عادت نہادہ با مزہ
پُرلطف دستور اور عادت مقرر کی ہے
باز کردہ خرقِ عادت معجزہ
پھر دستور کے توڑنے کو معجزہ بنا دیا

بے سبب گر عز بما موصول نیست
اگر بغیر سبب کے عزت ہمیں نہیں ملتی
قدرت از عزلِ سبب معزول نیست
قدرت (الٰہی) سبب کو معزول کردینے سے معزول نہیں ہے

اے گرفتارِ سبب بیروں مپر
اے سبب کے پابند رہنے والے! باہر پرواز نہ کر
لیک عزلِ آں مُسبِب ظن مبر
لیکن اُس سبب پیدا کرنیوالے کی معزولی کا گمان کر

ہر چہ خواہد آں مُسبِب آورد
وہ سبب پیدا کرنے والا جو چاہتا ہے کرتا ہے
قدرتِ مطلق سببہا بر دَرد
مطلق قدرت اسباب کو پھاڑ ڈالتی ہے

لیک اغلب بر سبب راند نفاد
لیکن وہ عموماً سبب پر مدار رکھتا ہے
تا بداند طالبے جُستن مُراد
تاکہ طلبگار مُراد کو تلاش کرنا جان جائے

چوں سبب نبود چہ رہ جُوید مُرید
جب سبب نہ ہو تو ارادہ کرنیوالا کونسا راستہ ڈھونڈے
پس سبب در راہ می آید پدید
تو سبب راستہ کے بارے میں نمودار ہوتا ہے

ایں سببہا بر نظرہا پردہاست
یہ اسباب نظروں پر پردے ہیں
کہ نہ ہر دیدار صُنعش را سزاست
کیونکہ ہر شخص اُس کی کاریگری کے دیکھنے کے لائق نہیں ہو

حضرت حق تعالیٰ کی طرف سے جو فیض اور عطا ہے اُس کی دو قسمیں ہیں فیضِ اقدس اور فیضِ مقدس فیضِ اقدس وہ ہے جو ذاتِ باری تعالےٰ سے اعیانِ ثابتہ میں پہنچتا ہے اُس کے لیے استعداد شرط نہیں ہے اور فیضِ مقدس وہ ہے جو اعیانِ ثابتہ سے ارواح کی طرف آتا ہے یہ بقدرِ استعداد اور قابلیت پہنچتا ہے۔ اینکہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی اور حضرت موسیٰ کا یدِ بیضا، فیضِ اقدس کی مثالیں ہیں اور اسی طرح دیگر انبیاء کے معجزے اُن چیزوں میں سے ہیں جن میں قابلیت شرط نہیں ہے۔

۲ نیست۔ ان معجزات کا اسباب سے مہیا شدہ قابلیت سے تعلق نہیں ہے بلکہ یہ دلو بطورِ فیضِ اقدس کے ہے۔ قابلی۔ اگر ہر چیز میں قابلیت شرط ہو تو پھر کوئی معدوم وجود میں نہ آئے اسلئے کہ معدوم میں اسباب سے مہیا شدہ قابلیت کہاں ہے وہ خود ہی معدوم ہیں۔ سنتے۔ عام حالات میں سنتِ الٰہی یہی ہے کہ اسباب مہیا ہوں اور قابلیت ہو تو عطا ہوتی ہے۔ خارق۔ جب فیضِ اقدس کا معاملہ ہوتا ہے تو سنتِ الٰہی کے خلاف ہوتا ہے

۳ معجزہ۔ یہ سنتِ الٰہی کے خلاف ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بے سبب۔ عزت اسباب سے حاصل ہوتی ہے لیکن اللہ کی قدرت جس کو بلا سبب عزت عطا فرما دے۔ اے گرفتار۔ عوام کو اسباب اختیار کرنے چاہئیں لیکن مسبب الاسباب سے غفلت نہ برتنی چاہئے

۵ قدرتِ مطلق۔ اللہ تعالیٰ کی علی الاطلاق قدرت اسباب کی محتاج نہیں ہے۔ تا بداند۔ عوام کی مقصد کی تلاش میں اسباب رہنمائی کرتے ہیں۔ ایں سببہا۔ مقاصد کے اسباب اللہ کی قدرت کے لئے حجاب بنا دیئے گئے ہیں اس لئے کہ ہر شخص بلاواسطہ قدرت کے مشاہدہ کا اہل نہیں ہے۔ دیدہ۔ لیکن انسان کو وہ نظر رکھنی

چاہیئے جو اسباب کو چاک کرکے اصل صورت کو دیکھ سکے تا کہ جب مسبب الاسباب کو دیکھ لیگا تو اسکی نگاہ میں اسباب بے حقیقت بن جائینگے۔
لے ازمسبب۔ ہر خیر و شر مسبب الاسباب کی جانب سے ہے اسباب اور وسائل محض خیالی چیزیں ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان پر کچھ زمانہ غفلت کا گذرے اور طبیب بلا یان کے نقصان حاصل ہو سکیں۔

دیدہ باید سبب سوراخ کن	تا حجب را برکند از بیخ و بن
سبب میں سوراخ کردینے والی نگاہ چاہیئے	تاکہ وہ جڑ اور بنیاد سے پردوں کو اکھاڑ پھینکے
تا مسبب بیند اندر لامکاں	ہرزہ بیند جہد و اسباب و دکاں
تاکہ لامکان میں سبب پیدا کرنے والے کو دیکھے	کوشش اور اسباب اور دکان کو بیکار سمجھے
از مسبب میرسد ہر خیر و شر	نیست اسباب و وسائط اے پدر
ہر بھلائی اور برائی سبب پیدا کرنیوالے کیطرف سے آتی ہے	اے باوا! اسباب اور واسطے نہیں ہیں
جز خیال منعقد بر شاہراہ	تا بماند دور غفلت چندگاہ
سوائے خیال کے جو راستہ پر جما ہوا ہے	تاکہ تھوڑی دیر غفلت کا زمانہ رہے

شرح گذشتہ زمانہ میں ایک باخدا اور نیک شخص تھے جو کہ صاحب عقل کامل اور انجام بینی سے موصوف تھے وہ یمن کے خروان نام گاؤں میں رہتے تھے اور خیرات اور حسن خلق میں شہرۂ آفاق تھے ان کی گلی فقراء کا مرجع تھی اور اہل حاجت ان کے یہاں آیا کرتے تھے۔ اُن کی خیرات کی یہ حالت تھی کہ اول بالیوں میں سے عشر دیتے تھے اسکے بعد جب بھُوسے سے گیہوں نکلتے تھے اس وقت عُشر دیتے تھے اُسکے بعد جب گیہوں کو پیسا جاتا تھا تو آٹے میں سے عُشر دیتے تھے اور جب آٹے کو پکا کر روٹیاں بناتے تھے تو روٹیوں میں سے عُشر دیتے تھے۔ غرضیکہ ہر آمدنی میں سے عشر نکالتے تھے اور کسی آمدنی کا عشر بے دیئے نہ چھوڑتے تھے۔ اور جو چیز بھی ہوتی اس میں سے متعدد مرتبہ عُشر نکالتے تھے۔ چنانچہ وہ اوّل انگوروں سے عشر نکالتے تھے اسکے بعد جب وہ سوکھ کر مویز بنتے تھے تو مویز سے عُشر نکالتے تھے اور اگر انگوروں کا شیرہ نکالتے تھے تو اس شیرہ میں سے عُشر نکالتے تھے۔

غرضیکہ جو چیز بھی ہوتی تھی۔ خواہ کم ہو یا زیادہ اس کا عُشر بغیر دیئے نہ چھوڑتے تھے۔ اسکے ساتھ ہی یہی کرتے تھے کہ اپنی اولاد کو بہت کچھ نصیحت کرتے رہتے تھے اور فرماتے رہتے تھے کہ خدا کے واسطے اور پھر خدا کے واسطے میرے بعد اپنی حرص سے فقیروں کا

حق بند نہ کرنا۔ تاکہ طاعت حق کی پناہ میں تمہاری کھیتی اور پھل تمہارے لئے برقرار رہیں
یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ آمدنیاں اور میوہ سب کے سب حق سبحانہٗ نے عالم غیب سے بھیجے ہیں اور اس میں کچھ شک و شبہ نہیں اسلئے اگر تم اسکو وہیں خرچ کرو گے جہاں سے وہ آئے ہیں تو تم کو فائدہ ہوگا کیونکہ وہ بڑے نفع کی درگاہ ہے وہاں صَرف کرنے والوں کو بہت کچھ نفع ملتا ہے۔

دیکھو! کسان! اکثر آمدنی کو کھیت میں پھر بو دیتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ غلّہ کا مدار اسی پر ہے اگر یہ نہ ہو تو غلّہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسلئے وہ اکثر حصہ بو دیتا ہے اور کم کو کھا لیتا ہے کیونکہ اُسکو اُس کے اُگنے میں اور اُگ کر زائد غلّہ پیدا ہونے میں کچھ شک نہیں ہوتا۔ اور وہ کسان اسلئے اس غلّہ سے ہاتھ جھاڑتا ہے اور وہ غلّہ بھی اسی زمین سے پیدا ہوا تھا۔ اسلئے وہ سمجھتا ہے کہ اور غلّہ بھی ضرور پیدا ہوگا۔ علیٰ ہٰذا۔ موچی اس رقم سے جو روٹی سے بچتی ہے چمڑا اور نری اور میشا خریدتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میری آمدنی کی جڑ یہی تھی اور انہی سے میری بند روزی کھلے گی۔ اسلئے جہاں سے اسے آمدنی ہوئی تھی وہیں دل کھول کر خرچ کرتا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ لوگ وہیں خرچ کرتے ہیں جہاں سے اُن کو آمدنی ہوتی ہے

تو اب تم سمجھو کہ روزی کی اصل اور اس کا مبدء حق سبحانہٗ ہیں اور زمین اور میشا وغیرہ ایک آڑ ہیں۔ اس بناء پر تم کو راہ خدا میں صَرف کرنا چاہیئے اور جب تم کو بونا ہو تو اصل زمین میں بونا چاہیئے تاکہ ایک ایک دانہ کے لاکھ دانے پیدا ہوں۔

اچھا اگر تم نے بیج اس زمین میں بویا جس کو تم سبب سمجھتے تھے اور وہ دو تین سال تک اُگے گا تو جب کہ وہ دو تین سال نہ اُگے گا تو تم بجز اس کے کیا کرو گے کہ دُعا اور تضرع و زاری کو دست آویز بناؤ۔ اور خدا کے سامنے اپنا سر پیٹو ۔ پس تمہارا سر اور تمہارے ہاتھ اس امر کے گواہ ہیں کہ رزق دینے والے حق سبحانہٗ ہیں اور یہ شہادت

اسلئے ہے تاکہ تم جان لو کہ اصل میں مبدء رزق حق سبحانہٗ ہیں - اور تاکہ جو کوئی رزق کا طالب ہو وہ اسی کو ڈھونڈے -

خیر تو جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ اصل رزق دینے والے حق سبحانہٗ ہیں اور باقی تمام اسباب و وسائط ہیں تو اب تم کو چاہئیے کہ تم رزق اسی سے طلب کرو - نہ کہ زید و عمرو سے - اور مستی خود اسی سے چاہو - نہ کہ بھنگ اور شراب سے یعنی اگر تم کو مستی مطلوب ہے تو حق سے دعا کرو - کہ اے اللہ! تو ہمیں اپنی محبت سے سرشار کر - اور مستی کے لیے شراب اور بھنگ نہ پیو ---- اور دولت مندی اسی سے چاہو - نہ کہ عزیز و اقارب سے کیونکہ بالآخر ان سے جدائی ہو گی - اس وقت بتلاؤ کسے پکارو گے - حق سبحانہٗ کو - پس اب بھی اسی کو پکارو - اور سب کو چھوڑو - تاکہ جب وہ تمہارا معین و مددگار ہو جائے تو جس وقت یوم یفرّ المرء من اخیہ متحقق ہو - اور آدمی اپنے سالے سے بھاگے اور جس روز کہ بیٹا اپنے باپ سے بھاگے یعنی قیامت میں - اس وقت عالم کی سلطنت کے مالک ہیں کیونکہ جب تم خدا کے ہو جاؤ گے - خدا تمہارا ہو جائے گا - اور جب خدا تمہارا ہو گیا تو ہر چیز تمہاری ہے -

[فائدہ: فاتضح من ہذا التقریر ان قولہ چوں یفر المرء الخ ظرف لقولہ باشی وارث ملک جہاں - ولیس جملہ شرطیہ کما توہم] رہی یہ بات کہ اس وقت ہر دوست دشمن کیوں ہو گا - اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ تمہارا بت یعنی راہ حق سے مانع تھا - اور چونکہ تم حق سبحانہٗ کی مخلوق سے مانوس ہو گئے تھے اسلئے خالق سے روگردان ہو گئے تھے حاصل یہ ہے کہ قیامت میں دوستوں کی دشمنی کا سبب یہ ہے کہ تم دنیا میں ان سے دل لگا کر حق سبحانہٗ سے غافل ہو گئے تھے -

پس حق سبحانہٗ تم کو دکھلائیں گے - کہ دیکھو! جس کے لیے تم نے ہم کو چھوڑا تھا وہ یہ ہیں [فائدہ: فظہر من ہذا المقال الیٰ ما قال بحر العلوم فی تقریرہ قولہ زاں شود

بر دوست الخ ہوالحق و ماتوہم من ان قولہ زاں شود صلہ لقولہ عدوّ والاشارۃ فی قولہ زان الی الشخص المذکور فی البیت السابق منشاہ الجہل باسالیب الکلام ومحاورات اہل اللسان]

جب حالت یہ ہے کہ قیامت میں دوست دشمن ہو جائیں گے۔ تو اگر دنیا میں تمہارے دوست تمہارے مخالف ہو جائیں۔ اور تم سے پھر جائیں اور تم سے دشمنی کرنے لگیں تو تم کو کہنا چاہیئے کہ آج مجھے کامیابی حاصل ہوگئی کیونکہ جو کل ہونے والا تھا وہ آج ہی ہوگیا۔ اور اہل دنیا میرے دشمن ہوگئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ہی قیامت مجھے مشاہد ہوگئی یعنی قبل اسکے کہ میں اپنا زمانہ گزار دوں اور ان کے ساتھ رہ کر اپنی عمر ختم کر دوں۔ میں نے عیب دار سامان خریدا تھا۔ پس شکر ہے کہ سویرے ہی اس کا عیب معلوم ہوگیا یعنی قبل اسکے کہ میرا سرمایہ عمر میرے ہاتھ سے جاتا رہتا۔ اور آخر میں وہ عیب دار ثابت ہوتا۔ اور میرا مال جاچکتا۔ عمر برباد ہو جاتی۔ اور میں مال اور جان دونوں ایک عیب دار سامان کے لیے دے چکتا۔ میں نے کھرا مال دیکر کھوٹا سونا خریدا تھا اور خوش خوش گھر جا رہا تھا تو شکر ہے کہ یہ سونا ابھی کھوٹا ثابت ہوگیا۔ یعنی قبل اسکے کہ زیادہ عمر گذر جاتی اور کھوٹا سونا ہمیشہ میرے گلے کا ہار رہتا۔ اور اس وقت مجھے اپنی عمر ضائع کرنے پر افسوس تھا۔ اب چونکہ اس کا کھوٹا پن سویرے ہی ظاہر ہوگیا۔ تو میں جلد سے جلد اس سے علیحدگی اختیار کرتا ہوں۔ دیکھو! ہم پھر کہتے ہیں کہ جب تمہارا کوئی دوست تم سے دشمنی پیدا کرے اور اس کا حملہ اور کینہ اور حسد ظاہر ہو۔ تو تم اسکی بے رُخی سے رونا، پیٹنا مت اور اپنے کو احمق اور بے وقوف نہ بنانا۔ بلکہ خدا کا شکر کرنا۔ اور شکرانہ میں روٹیاں تقسیم کرنا کہ تم اسکے ہی پھندے میں بڈھے نہ ہوگئے اور اسکے پھندے سے جلد نکل آئے۔ تاکہ تم اس سے نکل کر سچے اور ہمیشہ رہنے والے دوست کو تلاش کرو۔ وہ نازنین یار جس کی دوستی کا علاقہ ہمیشہ رہے اور موت سے بھی نہ ٹوٹے۔ بلکہ موت کے بعد اور مضبوط ہو جائے کون ہے وہ یا تو حق سبحانہٗ ہیں یا اہل اللہ۔

پس تم ان کو دوست بناؤ۔ شکر ہے کہ تم مکار، فریبی دغاباز دوست کے پنجے سے چھوٹ گئے اور اس کا فریب تم کو موت سے پہلے ہی معلوم ہوگیا۔ دیکھو! دنیا میں مخلوق کی تمہارے ساتھ دشمنی اگر تم غور کرو تو تمہارے لیے ایک مخفی خزانہ ہے کیونکہ حق سبحانہٗ لوگوں کو تمہارا دشمن اسلئے کرتے ہیں کہ تم سب سے مایوس ہوکر مجبوراً حق سبحانہٗ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اس سے بڑی دولت کیا ہو سکتی ہے۔

پس ثابت ہُوا کہ مخلوق کی دشمنی اشرفیوں کا مخفی خزانہ ہے جو قابل قدر ہے نہ کہ قابلِ وحشت۔ یہ امر تم یقینی طور پر جان لو۔ کہ آخر میں تمام دوست دشمن ہو جائیں گے اور قبر میں باآہ وزاری تنہا رہ جاؤ گے اور خدا سے ملتجی ہوگے کہ اے وہ ذات جس کی سختی وفاداراں کے وفائے عہد سے بہتر ہے اور اہل اللّٰہ کا وفائے عہد جسکو عطا ہے تو مجھے قبر میں تنہا نہ چھوڑ دو اور میرا ساتھی ہو جا۔ پس اے دولت مند غلّہ والے تو اپنا غلّہ خدا کی زمین کے حوالہ کر دے۔ اور جو کچھ بھی تو خرچ کرے خدا کے لیے کر۔ تاکہ نہ تجھے چوروں کا کھٹکا رہے اور سُرسُریوں کا۔ اور تو بڑے شیطان اور چھوٹے شیطان یعنی نفس دونوں کو جلد مار دے جو کہ تجھے آخرت کی کھیتی سے مانع ہیں کیونکہ وہ تجھے ہر وقت فقر و فاقہ سے ڈراتے ہیں۔ پس تو اے چراغ نر اس چکور کا شکار کر۔ کیونکہ ایک غالب اور با مقصد بادشاہ کے باز کے لیے بڑی شرم کی بات ہے کہ چکور اس کا شکار کرے۔

خلاصہ یہ کہ تو شیطان اور نفس کو مغلوب کر اور ان سے مغلوب نہ ہو کیونکہ تو حق سبحانہٗ کا باز ہے اور نفس و شیطان چکور ایسی حالت میں تیرا ان سے مغلوب ہو جانا تیرے لئے بڑی شرم کی بات ہے۔

خیر! یہ مضمون ارشادی تو ختم ہُوا ـــــ اب سُنو! کہ اس بزرگ نے اپنی اولاد کو بہت کچھ نصیحت کی لیکن چونکہ ان کی طبیعت ناقابل تھی اور وہ اپنی استعداد کو خراب کر چکے تھے اس لیے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ ہُوا ـــــ اب مولانا پھر مضمون ارشادی بیان

فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ناصح ہزار چاہے مگر کچھ بھی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ تاوقتیکہ مستمع کا مقصود قبول نصیحت نہ ہو۔ اسلئے کہ نصیحت کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ آدمی اس کو بگوش قبول سے ورنہ اگر سمع قبول نہ ہوگا۔ تم ہزار مہربانی سے نصیحت کرو وہ تمہاری ایک بات نہ سنے گا۔ ایک تم کیا اگر سو بھی ہوں تو بھی کچھ فائدہ نہیں کیونکہ ایک نہ ماننے والا شخص اپنی مخالفت اور انکار سے آپکے سو ناصحوں کو عاجز کر دیتا ہے۔ تم غور کرو کہ انبیاء سے زیادہ ناصح اور خوش گفتار کوئی کب ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ان کا کلام پتھر دل تک میں اثر کر گیا ہے لیکن آپکی جس گفتگو کو سنکر پہاڑ اور پتھر کام کرنے لگے۔

اُس سے بد نصیب آدمی کی بیڑی نہ ٹوٹی۔ اور اسکے کام نہ کیا۔ اور وہ دل جو خودی میں گرفتار تھے اس کی نسبت حق سبحانہ نے یہی فرمایا کہ وہ تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں ایسے قلوب کا علاج کچھ نہیں۔ بجز اس کے کہ حق سبحانہ اپنی قدرت کاملہ سے اُنکی حالت بدل دیں اور ان پر ہدایت کا افاضہ فرمادیں۔ کیونکہ ناصحین کے نصیحت کی تاثیر کے لئے تو علاوہ امکان ذاتی کے ایک اور خاص استعداد کی ہی ضرورت ہے۔ مگر خدا کے دین کے لئے بجز امکان ذاتی کے اور کسی قابلیت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ باستثناء امکان ذاتی پر قابلیت کے لیے خدا کا دین شرط ہے۔ اور جو قابلیت بھی کسی میں ہے وہ حق سبحانہ کی بخشی ہوئی ہے۔ اگر وہ عطا نہ کرتا۔ تو قابلیت ہی نہ ہوسکتی لہٰذا عطائے حق اصل ہے اور قابلیت اسکی تابع۔

دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا اژدھا بن جانا اور اسکی ہاتھ کا آفتاب کی طرح چمکنا۔ ان کے علاوہ انبیاء کے اور لاکھوں معجزات جو ہمارے فہم اور عقل سے بالاتر ہیں۔ وہ اسباب سے پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ محض حق سبحانہ کا تصرف ہیں کیونکہ وہ معدوم تھے اور جب وہی نہ تھے تو ان میں قابلیت کا ہونا چہ معنی دارد۔ پس اگر قابلیت خاصہ فعل حق کے لئے شرط ہوتی تو کوئی معدوم موجود ہی نہ ہوسکتا اسلئے

کہ قابلیت عرض ہے جس کا وجود تابع ہے وجود موضوع کے۔ پس جبکہ موضوع ہی کا وجود نہ ہوگا تو عرض کا وجود کیونکر ہوگا۔

پس ثابت ہوا کہ فعل حق سبحانہٗ کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے ہاں اس نے اپنے اختیار سے اس نیلگوں پردہ یعنی آسمان کے نیچے طالبین کے لئے ایک قاعدہ مقرر کردیا ہے اور اسباب اور طریق مقرر کردیئے ہیں۔ تاکہ طالبین ان طریقوں سے اپنے مطالب کو طلب کریں لہٰذا اکثر احوال تو ...... تو اس مقررہ قانون کے مطابق ہی ہوتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی قدرتِ الٰہیہ دفع توہم وغیرہ کے لیے اس قانون کو توڑ بھی دیتی ہے۔ اور گو اس نے ایک مزیدار......... قانون مقرر کیا ہے مگر کسی مصلحت کی بنا پر معجزہ اس قانون ..... کو توڑ بھی دیتا ہے۔

اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ اگر عزت وغیرہ ہم کو عادۃً بلا سبب نہیں مل سکتی تو اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا کو قدرت ہی نہیں ہے اس پر کہ وہ سبب کو درمیان سے ہٹا دے اور بے سبب کے ہم کو ہمارے مطالب عطا فرمائے بلکہ وہ اس پر قادر ہے اور جب چاہتا ہے ایسا کرتا بھی ہے پس اے مجبوس سبب تو اسباب سے باہر نہ جا۔ اور اسباب کو نہ چھوڑ لیکن خدا کو سلطان معزول بھی نہ سمجھ۔ اور یہ خیال نہ کر۔ کہ وہ ایک قانون مقرر کر چکا۔ اب اسکے توڑنے پر اُسے قدرت نہیں ہے۔ [جیسا کہ آجکل کے مادہ پرست و روشن خیال گمان کرتے ہیں] کیونکہ وہ موجد سبب جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور اس کی قُدرت کاملہ اسباب کو توڑ پھوڑ سکتی ہے۔ ہاں اکثریتی حالت یہ ہے کہ اسکی احکام اسباب کی بنا پر نافذ ہوتے ہیں۔ اور مقصود یہ ہے کہ طالبین اپنے مقاصد کو طلب کر سکیں۔ کیونکہ اگر سبب نہ ہوگا تو طالب اپنے مطلوب کے حاصل کرنے کے لئے کون سا طریق تلاش کریگا۔ کوئی بھی نہیں کیونکہ اس وقت اس کا کوئی طریق ہی نہ ہوگا۔ لہٰذا رستہ میں سبب ظاہر ہوتا ہے۔ تاکہ وہ تبلائے کہ اسکی تحصیل کا یہ طریق ہے اور یہ اسباب نظروں

کے لیے حجاب ہیں۔ کیونکہ ہر شخص حق سبحانہٗ کے فعل کو بلا توسط دیکھنے کے لائق نہیں اس لیے کہ اس کے لیے ضرورت ہے نظرِ ثاقب کی۔ جو کہ پردوں کو اکھاڑ پھینکے اور لامکاں میں حق سبحانہٗ کو تصرّف کرتے دیکھے اور کوشش اور اسباب اور دکان وغیرہ کو لغو سمجھے۔ اور یہ بات ہر ایک کے اندر نہ تھی لہٰذا ہر ایک اس کے فعل کو بلا توسط سبب دیکھنے کے قابل نہ تھا —— حاصل یہ ہے کہ ہر بھلائی اور بُرائی فی الحقیقت حق سبحانہٗ کی طرف سے پہنچتی ہے اور اسباب و سائط صرف ایسے ہیں جیسے راستہ میں کوئی خیال بندھ جائے۔ جو کہ فی الحقیقت کوئی چیز نہیں مگر آدمی سمجھتا ہے کہ فلاں شے ہے اور اُس سے مقصود یہ ہے کہ آدمی ایک وقتِ خاص تک غفلت کے چکّر میں رہے تاکہ امتحان متحقق ہو سکے۔

دَر ابتدائے خِلقتِ جسمِ آدم علیہ السّلام کہ جبرئیل علیہ السّلام
حضرت آدم علیہ السّلام کی پیدائش کی ابتدا میں حضرت جبرئیل علیہ السّلام کو اشارہ
را اشارت کرد کہ بروا از زمین مُشتِ خاک برگیر و بروایتے از
کیا کہ جا، زمین کی مٹی سے ایک مٹھی لے لے اور ایک روایت کے مطابق ہر
ہر نواحی مُشتِ خاک برگیر
کہ ہر جانب سے مٹی کی مٹھی اٹھا لے

چونکہ صانع خواست ایجادِ بشر
جب بنانے والے نے انسان کی پیدائش چاہی
از برائے اِبتلائے خیر و شر
خیر اور شر میں آزمانے کے لیے

جبرئیلِ صدق را فرمود رَو
جبرئیلِ امین سے فرمایا، جا
مُشتِ خاکے از زمین بستاں گرو
ایک مُٹھی مٹی زمین سے قبضہ میں لے لے

اُو میاں بست و بیامد بر زمیں
وہ کمربستہ ہوئے اور زمین پر آئے
تا گُذارد اَمرِ ربّ العالمیں
تاکہ ربّ العالمین کے حکم کو انجام دیں

دَست سُوئے خاک بُرد آں مؤتمر
اُس فرمانبردار نے زمین کی جانب ہاتھ بڑھایا
خاک خود را در کشید و شُد حَذِر
زمین نے اپنے آپ کو ہٹایا اور ڈری

ــــــــ

[۳] دراِبتدا۔ جس وقت حضرت آدمؑ کا پتلا بنایا جانے لگا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو حکم دیا کہ زمین سے ایک مشتِ خاک لے آؤ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ زمین کے ہر گوشے سے ایک ایک مٹھی مٹی لانے کا حکم دیا تھا۔ از تا ما۔ انسان کی تخلیق میں آزمائش کی حکمت مضمر ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ انسان پر کچھ زمانہ غفلت طاری رہے۔ جبریل صدق بس صادق جبریلؑ۔

[۴] مؤتمر۔ فرمانبردار خنگ۔ اگر گھوڑے کا سفید رنگ مائل بہ سیاہی یا سبزی ہو تو اُس کو سبزہ خنگ کہا جاتا ہے اگر وہ خالص سفید ہے تو نقرہ خنگ کہتے ہیں۔... رخش۔ رستم کے گھوڑے کا

پس زباں بکشاد خاکے لابہ کرد
کز برائے حرمتِ خلاقِ فرد

ے زمین نے زبان کھولی اور خوشامد کی / کہ یکتا خلاق کی عزت کے طفیل

ترکِ من گو و برو جانم بہ بخش
رُو بتاب از من عنانِ خنگ و رخش

مجھے چھوڑ دو اور چلے جاؤ میری جان بخشی کرو / گھوڑے اور سواری کی باگ میری جانب سے موڑ دو

درکشاکشہائے[۲] تکلیف و خطر
بہرِ اللہ ہِل مرا اندر مبر

خطروں اور تکلیف کی کشمکش میں / خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو، اندر نہ لے جاؤ

بہرِ آں لطفے کہ حقت برگزید
کرد بر تو علمِ لوحِ کُل پدید

اس کرم کے طفیل کہ اللہ (تعالیٰ) نے آپکو برگزیدہ بنایا / لوحِ محفوظ کا علم آپ پر ظاہر کر دیا

تا ملائک را معلم آمدی
دائما با حق مکلم آمدی

یہاں تک کہ آپ فرشتوں کے اُستاد بنے / ہمیشہ اللہ (تعالیٰ) سے گفتگو کرنیوالے بنے

ہم سفیرِ[۳] انبیا خواہی بُدن
تو حیاتِ جانِ وحیی نے بدن

آپ انبیاء کے سفیر بھی بنیں گے / آپ وحی کی جان کی زندگی ہیں نہ کہ بدن کی

بر سرافیلت فضیلت بود ازاں
کو حیاتِ تن بود تو آنِ جاں

(حضرت) اسرافیلؑ پر آپ کو اس لئے فضیلت ہے / کہ وہ بدن کی زندگی ہیں، آپ جان کی ملکیت ہیں

بانگِ صورش نشأۂ تنہا بود
نفخِ تو نشوِ دلِ یکتا بود

اُن کے صور کی آواز جسموں کا زندہ ہونا ہے / آپ کا دم کرنا یکتا دل کا نشوونما ہوگا

مغزِ جانِ تن حیاتِ دل بود
پس ز دادش دادِ تو افضل بود

جسم کی جان کا مغز، دل کی زندگی ہے / اُن کی عطا سے آپ کی عطا بڑھی ہوئی ہے

باز میکائیل رزقِ تن دہد
سعیِ تو رزقِ دلِ روشن دہد

پھر (حضرت) میکائیلؑ جسم کا رزق دیتے ہیں / آپ کی کوشش، روشن دل کو رزق دیتی ہے

او بدادِ کیل پُر کردست ذیل
دادِ رزقِ تو نمی گنجد بہ کیل

انھوں نے پیمانہ کی عطا سے دامن بھر دیا ہے / آپ کے رزق کی عطا پیمانہ میں نہیں سماتی ہے

ہم ز عزرائیل[۱] با قہر و عطب
تو بہی چوں سبقِ رحمت بر غضب

(حضرت) عزرائیلؑ قہر اور ہلاکت والے سے بھی / آپ بہتر ہیں، جیسے کہ رحمت کو غضب پر سبقت ہے

حاملِ عرش ایں چہار اند و تو شاہ
بہترینِ ہر چہارے زانتباہ

یہ چاروں عرش کے حامل ہیں اور آپ بادشاہ ہیں / از روئے آگاہی چاروں سے بہتر ہیں

روزِ محشر ہشت بینی حاملانش
ہم تو باشی افضلِ ہشت آں زماں

حشر کے دن آپ اُسکے اُٹھانے والے آٹھ دیکھینگے / اُس وقت آپ آٹھوں سے افضل ہونگے

نام ہے، ہر وہ گھوڑا جس کا رنگ سفید اور سُرخ ہو۔

۲ درکشاکشہائے۔ چونکہ زمین کو معلوم تھا کہ اس سے حضرت آدمؑ کا پتلا بنے گا اور امتحان اور آزمائش کی کشمکش میں مبتلا ہوگا لہٰذا وہ گھبرا رہی تھی۔ لوحِ کُل۔ لوحِ محفوظ۔ مکلم۔ حضرت جبرئیلؑ وحی لے کر آتے ہیں جو قرآن کہ خدا کا کلام ہوتا ہے۔

۳ ہم سفیر۔ حضرت جبرئیلؑ اللہ کا پیغام اور وحی انبیاء کے پاس لے کر آتے ہیں اور وحی روح کی حیات ہے۔ بر سرافیلت۔ حضرت اسرافیلؑ حشر میں صُور پھونکیں گے تو سب مُردہ جسم زندہ ہو جائیں گے۔ نشأۂ۔ پیدائش۔ تنہا۔ اجسام۔ پس۔ حضرت جبرئیلؑ کی عطا حضرت اسرافیلؑ کی عطا سے بڑھی ہوئی ہے۔ میکائیلؑ۔ حضرت میکائیلؑ کا کام رزق کی تقسیم ہے۔

۱ عزرائیلؑ۔ اُن کا کام روح کو قبض کرنا ہے لہٰذا صفتِ قہر کے مظہر ہیں۔ ایں چہار۔ جبرئیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ، عزرائیلؑ۔ حالانکہ قرآن پاک میں ہے وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ۔ اس دن تیرے رب کے عرش کو آٹھ اٹھانے والے ہوں گے۔ وہ مٹی سہمی ہوئی تھی کہ اس کو لے جانے کا مقصد کیا ہے۔

ہمچنیں برمی شمردوی گریست
وہ اس طرح گنا تی تھی اور روتی تھی

بوئے میبرد اُو کزاں مقصود چیست
اُس نے بھانپ لیا تھا کہ اُس سے مقصد کیا ہے

معدنِ[1] شرم وحیا بُد جبرئیلؑ
(حضرت) جبرئیلؑ شرم اور حیا کی کان تھے

بست آں سوگندہا بروے سبیل
اُن قسموں نے اُن کا راستہ روک دیا

بسکہ لابہ کرد شس وسوگند داد
(زمین نے) اُن کی بہت خوشامدیں کیں اور قسم دی

بازگشت وگفت یا ربّ العباد
وہ واپس ہوگئے اور عرض کیا یا ربّ العباد

کہ نبودم من بکارت سرسری
میں تیرے کام میں سست نہ تھا

لیک ازانچہ رفت تو دانا تری
لیکن جو ہوا تو اُس کو خوب جانتا ہے

گفت[2] نامے کہ زہولش اے بصیر
اے بصیر! اُس نے آپ کا وہ نام لیا جس کے رعب سے

ہفت گردوں باز مانداز مسیر
ساتوں آسمان گردش سے رُک جائیں

چوں بنامِ تو مرا سوگند داد
جب اُس نے مجھے تیرے نام کی قسم دی

رحمت عام ست و احسان و ودا
تیری رحمت اور احسان اور محبت عام ہے

شرمم آمد گشتم از نامت خجل
مجھے شرم آگئی، میں تیرے نام کی وجہ سے شرمندہ ہوگیا

ورنہ آسان ست نقلِ مشتِ گِل
ورنہ ایک مٹھی مٹی کا منتقل کرنا آسان ہے

کہ تو زورے دادہ املاک را
کیونکہ تو نے فرشتوں کو وہ طاقت عطا کی ہے

کہ بدرانند ایں افلاک را
کہ وہ ان آسمانوں کو چاک کر دیں

مشتِ خاکے را چہ قدر و قوت ست
ایک مٹھی مٹی کا کیا رتبہ اور طاقت ہے

برگرفتن لیک غالب رحمت ست
لینے میں، لیکن رحمت غالب ہے

[1] معدن۔ چونکہ حضرت جبرئیلؑ شرم وحیا کی کان ہیں وہ قسموں کی وجہ سے مٹی اُٹھانے سے رُک گئے بسکہ۔ جب زمین نے بہت خوشامد کی وہ دربارِ حق میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں نے تعمیل حکم میں سستی نہیں برتی لیکن جو کچھ واقعہ ہے وہ تیرے علم میں ہے۔

[2] گفت۔ حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ اُس زمین نے آپ کے اُس نام کا واسطہ دیا جس کی ہول سے آسمان کی گردش رُک جاتی تو مجھے شرم آگئی اور زمین سے مٹی نہ لے سکا ورنہ تو نے مجھے وہ قوت عطا کی ہے کہ زمین تو کیا چیز ہے میں آسمانوں کو چاک کر ڈالوں۔

شرح

مقصود مولانا کا اس قصہ سے اس سوال وجواب کا بیان ہے جو آخر میں حضرت عزرائیلؑ اور حق سبحانہٗ کے درمیان ہوئے ہیں اور انہی سوالات وجوابات کا مضمون وجہ ربط بماسبق ہے جب کہ یہ فائدہ ضروری معلوم ہو چکا — تو اب حلِ کتاب سنو جبکہ صانع عالم نے بھلوں اور بُروں کی آزمائش کے لیے انسان کو پیدا کرنا چاہا تو اپنے مخلص فرشتہ جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جاؤ زمین سے مٹھی بھر مٹی ایک خاص وقت کے لیے لاؤ۔ وہ امتثال امر پر کمربستہ ہوئے اور زمین پر آئے تاکہ حکم خداوندی

کی تعمیل کریں ۔ پس اس فرماں بردار فرشتہ نے زمین کی طرف مٹی لینے کے لیئے
ہاتھ بڑھایا ۔ اس پر زمین نے مٹی دینے سے پہلو تہی کی اور ڈر گئی اور یُوں گفتگو اور خوشامد
شروع کی ۔ کہ وحدہٗ لاشریک پیدا کرنے والے کی عزت کے لیے مجھے مُعاف کریں اور یہاں
سے تشریف لے جائیں اور میری جان بخشی کریں ۔ آپ تشریف لے جاویں اور اپنے ..
گھوڑے کی باگ میری طرف سے موڑ دیں ۔ یعنی یہاں سے چلے جائیں اور برائے خدا آپ
مجھے چھوڑ دیں اور اس عنایت کے لیئے جس سے حق سُبحانہ نے تمکو برگزیدہ اور مقبول بنایا
ہے ۔ اور تم پر لوح عالم کا علم روشن کیا ہے حتیٰ کہ آپ فرشتوں کے معلّم ہو گئے ہیں ۔
اور حق سبحانہٗ ہمیشہ سے ہمکلام ہوتے ہیں ۔ اور انبیاء کے پاس حق سبحانہٗ کے سفیر ہو کر
جایا کریں گے ۔ آپ مجھے تکلیف اوامر و نواہی اور خطر کی کشائش میں نہ ڈالیں یعنی مجھے
انسان بننے کے لیے نہ لے جائیں جو کہ اس کشاکش میں مبتلا ہو گا ۔ آپ رُوح کی جنت کا ذریعہ
ہیں جو کہ محل وحی ہے نہ کہ حیات جسم کا ۔ اور اسی لیے آپ کو اسرافیل پر فضیلت ہے کہ وہ
حیات جسم کا ذریعہ ہیں اور آپ حیات رُوح کا ۔ اور ان کی صُور سے اجسام مست ہوں گے
اور آپ کا نفخ دِلوں ... کو مست کریگا ۔ اور حیاتِ جسمانی کا مغز حیات دل ہے اسلیئے
آپ کی عطا ان کی عطا سے بڑھی ہوئی ہے ۔ یہ آپکے اسرافیل پر فضیلت کا بیان ہے ۔
اب میکائیل پر تفضیل کی وجہ سُنئے ۔ میکائیل غذائے جسمانی عطا فرماتے ہیں اور
قلوب صافیہ کو غذا دیتے ہیں اور وہ تو اسی عطا سے لوگوں کا دامن بھرتے ہیں جو پیمانہ میں
نہیں سماتے ہیں ۔ اور آپ کی عطا رزق کے پیمانہ میں نہیں سما سکتی نیز عزرائیل
قاہر و مہلک سے بھی آپ فائق ہیں اور یوں فائق ہیں جیسے رحمت حق قہر حق پر ۔
الحاصل یہ چار فرشتے ہیں جو عرشِ خداوندی کو تھامے ہوئے ہیں ۔ سو آپ اپنے
تیقظ سے چاروں میں افضل ہیں ۔ اور قیامت میں آٹھ فرشتے عرش بردار ہوں گے ۔ اور
آپ ان سب میں افضل ہوں گے ۔ [فائدہ : اس مقام پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ مولانا

کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ جبرائیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل حاملانِ عرش ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ غالباً مولانا کو کوئی روایت ملی ہے جس کی بناء پر آپنے ان کو حاملانِ عرش فرمایا ہے واللہ اعلم! یہ جواب کس وقت ہے جبکہ عرش سے مراد عرش معروف مراد لیا جائے جیساکہ مولانا کا ظاہر کلام اس کو مقتضی ہے لیکن اگر عرش سے ملک حق سُبحانہٗ اور حمل سے تدبیر.... تصرف مراد لیا جائے۔ جیساکہ ولی محمد اور مولانا بحر العلوم نے کہا ہے۔ تو اس پر یہ شبہ نہ ہوگا۔ لیکن ظاہر کلامِ مولانا اس توجیہ سے آبی ہے

چونکہ وہ تقریر عوام کی فہم سے بالاتر ہے اسلئے ہم نے اسکو ذکر نہیں کیا من شاء فلیرجع الیٰ حواشیھما]

الحاصل زمین جبرائیل علیہ السلام کی ایک ایک صفت گنتی تھی اور روتی تھی کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اس سے مقصود کیا ہے اور وہ باعلام حق سبحانہٗ جانتی تھی کہ اُس سے انسان بنایا جائے گا۔ پھر اس کو مکلف کیا جائے گا اُس کے بعد عاصیوں کو سزا اور مطیعوں کو جزا دی جائے گی۔ یہ تو زمین کی حالت کا بیان تھا۔ اب سُنو! کہ جبریل علیہ السلام نے کیا کہا۔ سو چونکہ وہ معدن شرم و حیا تھے اسلئے ان کو شرم آئی کہ حق سبحانہٗ کا واسطہ دینے اور حق سُبحانہٗ کی قسمیں دینے پر بھی اس سے مٹی لے لی جائے۔ اور ان قسموں نے ان کے لیے مٹی لینے کی راہ کو مسدود کردیا۔ اور چونکہ اسنے بہت سی خوشامدیں کیں اور بہت سی قسمیں دیں۔ اور چونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسی وقت اور میرے ہی ہاتھ سے اس کام کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے تاحکم ثانی مٹی کا لینا ملتوی کردیا۔ اور عرض حال کے لیے حق سبحانہٗ کی طرف لوٹ گئے اور جاکر عرض کیا کہ اے اللہ! میں آپکے کام میں کوتاہی کرنے والا نہ تھا لیکن جو واقعہ پیش آیا ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں اُس نے وہ نام لیا جس کی ہیبت سے ہفت آسمان بھی گردش سے رُک جائیں۔ اسلئے میں مٹی لینے سے رُک گیا۔ اور چونکہ اُس نے مجھے آپکے نام کی قسم دی تو مجھے شرم آئی اور میں آپکے نام سے شرمندہ ہوگیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ آپ کی رحمت اور احسان اور محبت

تمام ہے۔ اسلئے کچھ بعید نہیں ہے کہ آپ اپنے اس حکم کو منسوخ فرمادیں۔ بنا بریں میں نے مٹی کا لینا سردست ملتوی کیا اور عرض حال کے لئے حضور میں حاضر ہوا ورنہ مٹھی بھر مٹی کا لے آنا بہت معمولی کام تھا کیونکہ آپ نے تو فرشتوں کو وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ آسمانوں کو پارہ پارہ کردیں پھر مٹھی بھر خاک کیا چیز ہے اور اسکی کیا طاقت ہے کہ وہ رُک جائے اور نہ آئے۔ لیکن مٹی لینے پر جو کہ قہر تھا۔ بوجود مذکورہ رحم غالب ہوا۔ اسلئے تا حکمِ ثانی مٹی کا لینا ملتوی کیا۔

اب حکم ثانی کا منتظر ہوں یا یوں کہا جائے کہ چونکہ آپ میں صفت رحم غالب ہے

اس پر نسخ حکم کا احتمال غالب ہوا۔ اور میں نے مٹی لینا حکم ثانی تک ملتوی کردیا پھر جبکہ جبرئیل علیہ السلام سے اس قدر شفقت ۔ .... کا ظہور ہوا ۔ تو حق سبحانہٗ نے ...... اس خدمت کو ان سے واپس لیکر اس کو میکائیل کے سپرد کیا جس کا بیان اشعار آئندہ میں آتا ہے۔

فرستادن میکائیل علیہ السلام را بقبضِ قبضۂ خاک از زمین
حضرت میکائیل کو بھیجنا زمین کی مٹی کی ایک مٹھی لینے کے لئے انسانوں

جہتِ ترکیب و ترتیبِ جسمِ مبارکِ ابوالبشر خلیفۃ الحق
کے باپ کے مبارک جسم کی ترتیب اور ترکیب کے لئے جو اللہ تعالیٰ

مسجود الملائکہ و معلمہم حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ
کے خلیفہ اور فرشتوں کے مسجود اور ان کے استاد حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ

الصلوٰۃ والسلام
الصلوٰۃ والسلام ہیں

گفت[1] میکائیل را رو تو بزیر ۔۔۔ مشتِ خاکے در رُبا از وے دلیر
حضرت میکائیل سے فرمایا تو نیچے جا ۔۔۔ اے بہادر! اس سے ایک مٹھی مٹی اڑا لا

چونکہ میکائیل شد تا خاکدان ۔۔۔ دست کرد او تا کہ بر باید از آن
جب حضرت میکائیل زمین پر پہنچے ۔۔۔ ہاتھ بڑھایا، تاکہ اس میں سے لے لیں

[1] گفت۔ حضرت جبرئیل کے بعد حضرت میکائیل کو حکم ہوا کہ تم جاکر زمین کی مٹی لے آؤ جب میکائیل زمین کے پاس پہنچے تو وہ لرزنے لگی اور انکی خوشامد کرنے لگی اور زور دار قسمیں دینے لگی۔

خاک لرزید و درآمد در گریز — گشت اُو لابہ کُناں و اشک ریز

زمین کانپی اور اُس نے گریز کیا — وہ خوشامد کرنے لگی اور اُس نے آنسو بہائے

سینہ سُوزاں لابہ کرد و اجتہاد — با سرشکِ خونیش سوگند داد

جلے دل سے اُس نے خوشامد اور کوشش کی — خون کے آنسوؤں کے ساتھ اُن کو قسم دی

کہ بہ[۵۲] یزدانِ لطیفِ بے ندید — کہ بکردت حاملِ عرشِ مجید

کہ بے مثال، مہربان خدا کے واسطے — جس نے آپکو عرشِ مجید کا اُٹھانے والا بنایا ہے

کیلِ ارزاقِ جہاں را مُشرفی — تشنگانِ فضل را تو مُغرفی

آپ جہان کے رزقوں کے پیمانہ کے نگراں ہیں — (اللہ کے) فضل کے پیاسوں کو آپ چلّو بھر کر دینے والے ہیں

زانکہ میکائیلؑ از کیل اشتقاق — دارد و کیّال شُد در ارتزاق

کیونکہ میکائیلؑ کیل سے مشتق — ہے اور وہ رزق حاصل کرنے میں پیمانے سے ناپکر دینے والا ہے

کہ امانم دہ مرا آزاد کُن — بیں کہ خوں آلودہ میگویم سخن

مجھے امن دیدیجئے، مجھے آزاد کر دیجئے — دیکھ لیجئے، کہ خون سے آلودہ ہو کر میں بات کر رہی ہوں

معدنِ[۵۳] رحمِ الٰہ آمد ملک — گفت چوں ریزم براں ریش ایں نمک

فرشتہ اللہ (تعالیٰ) کی رحمت کی کان ہوتا ہے — (اسلئے میکائیلؑ نے) کہا کہ میں اس زخم پر یہ نمک کیسے چھڑکوں

ہم چناں کہ معدنِ قہرست دیو — کہ برآورد از بنی آدمؑ غریو

جس طرح شیطان قہر کی کان ہے — جس نے نبی آدمؑ میں شور برپا کر دیا ہے

سبقِ رحمت بر غضب ہست اے فتا — لطف غالب بُود در وصفِ خدا

اے نوجوان: رحمت غضب سے آگے ہے — خدا کی صفات میں مہربانی غالب تھی

بندگاں[۵۴] دارند لابد خوی اُو — مشکہا شاں پُر ز آبِ جُوی اُو

بندے لامحالہ اُس کی عادت رکھتے ہیں — اُن کی مشکیں اُس کی نہر سے پُر ہیں

آں رسولِ حق قلاوزِ سلوک — گفت اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ الْمُلُوْك

اللہ کے رسولؐ سلوک کے راہنما — نے فرمایا، لوگ بادشاہوں کے دین پر ہیں

رفت[۵۵] میکائیلؑ سُوی ربِّ دیں — خالی از مقصود دست و آستیں

(حضرت) میکائیلؑ دین کے رب کی جانب چلے گئے — ہاتھ اور آستین مقصود سے خالی تھا

گفت اے دانای سِر و شاہِ دیں — کرد خاک لابہ گر و نوحہ و انیں

عرض کیا اے راز کے جاننے والے اور دین کے شاہ! — خوشامدی زمین نے آہ و بکا شروع کر دی

خاکم از زاری و نوحہ پست کرد — گریۂ بسیار کرد آں رُوی زرد

زمین نے عاجزی اور رونے کے ذریعہ مجھے زیر کر دیا — وہ زرد رُو بہت روئی

آبِ دیدہ پیشِ تو با قدر بُود — من نتانستم کہ آرم نا شنود

تیرے سامنے آنسو باعزت تھے — میں اَن سُنی نہ بنا سکا

---

۵۲ کہ بہ یزداں۔ حضرت میکائیلؑ رزقوں کی تقسیم کرتے ہیں۔ مُشرف۔ نگراں۔ مُغرِف۔ چلّو بھرنے والا۔ زانکہ مولانا نے میکائیل کو کیل سے مشتق قرار دیا ہے حقیقتاً یہ عربی لفظ نہیں ہے بلکہ عبرانی لفظ ہے کیل عربی لفظ ہے جس سے یہ نہیں بنا ہے۔

۵۳ معدن۔ فرشتوں کی فطرت رحم کرنا اور شیطان کی فطرت ظلم کرنا ہے۔ خدا کی صفتِ رحمت صفتِ غضب پر غالب ہے۔

۵۴ بندگاں۔ جو اللہ کے خاص بندے ہیں ان میں اپنے مولیٰ کے صفات ہوتے ہیں حدیث شریف میں ہے لوگ بادشاہوں کا دین اختیار کرتے ہیں لہٰذا خدا کے نیک بندے خدائی اخلاق اختیار کرتے ہیں۔

۵۵ رفت۔ زمین کے رونے دھونے پر میکائیلؑ بھی خالی ہاتھ واپس ہو گئے اور عرض کیا کہ اے اللہ تیرے دربار میں آنسوؤں کی بڑی قدر و منزلت ہے میں اس رونے کو اَن سُنا نہ بنا سکا۔

آہ وزاری پیش تو بس قدر داشت
آہ وزاری تیرے سامنے بڑی قدر رکھتی ہے
من نتانستم حقوقِ آں گذاشت
میں اُس کے حقوق کو نظر انداز نہ کر سکا

پیشِ تو بس قدر دارد چشمِ تر
پُرنم آنکھ تیرے سامنے بہت رُتبہ رکھتی ہے
من چگونہ گشتمے اِستیزہ گر
میں کیسے جھگڑالو بنتا ؟

دعوتِ زاریست روزے پنج بار
ایک دن میں پانچ مرتبہ رونے کی دعوت ہے
بندہ را کہ در نماز آ و بزار
بندے کو، کہ نماز میں آ اور رو

نعرۂ موذن کہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح
موذن کا نعرہ کہ فلاح کی جانب آ
آں فلاح ایں زاریست و اِفتراح
وہ فلاح عاجزی اور گڑگڑانا ہے

آنکہ خواہی کز غمش خستہ کُنی
جس کو تو غم سے نڈھال کرنا چاہتا ہے
راہِ زاری بَر دلش بستہ کُنی
اُسکے دل پر (آہ و) زاری کا راستہ بند کر دیتا ہے

تا فرود آید بَلا بے دافعے
تاکہ بغیر روک، بلا نازل ہو جائے
چوں نباشد از تضرع شافعے
جبکہ (آہ و) زاری کا سفارشی نہ ہوگا

وانکہ خواہی کز بلایش واخری
اور جس کو تو بَلا سے نجات دلانا چاہتا ہے
جانِ اُورا در تضرع آوری
اُس کی جان کو (آہ و) زاری میں مبتلا کر دیتا ہے

گفتۂ اندر نُبے کاں اُمتاں
تو نے قرآن میں کہا ہے کہ وہ اُمتیں
کہ بَرایشاں آمد آں قہرِ گراں
جن پر بھاری قہر آیا

چوں تضرع می نہ کردند آں نفس
انھوں نے اسی وقت (آہ و) زاری کیوں نہ کی!
تا بَلا ز ایشاں بگشتے باز پس
تاکہ اُن سے بَلا واپس ہو جاتی

لیک دلہاشاں چو قاسی گشتہ بود
لیکن چونکہ اُن کے دل سخت ہو گئے تھے
آں گنہ ہاشاں عبادت می نمود
وہ گناہ اُن کو عبادت معلوم ہوتے تھے

تا نداند خویش را مُجرِم عَنید
جب تک سرکش اپنے آپ کو مجرم نہ سمجھے
آب از چشمش کجا داند دوید
آنسو اُس کی آنکھ سے کہاں بہنا جانتا ہے؟

قصۂ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام در بیان آنکہ تضرع وزاری

(حضرت) یونس علیہ السلام کا قصہ۔ اس بارے میں کہ عاجزی اور زاری آسمانی بَلا کے

دافعِ بلائے آسمانی ست و حق تعالیٰ فاعلِ مختار ست پس
لئے دافع ہے اور اللہ تعالے فاعلِ مختار ہے تو عاجزی اور

تضرع و زاری و تعظیم پیشِ اُو مُفید باشد و فلاسفہ گویند فاعِل
زاری اور تعظیم اُس کے سامنے مفید ہوگی اور فلاسفہ کہتے ہیں

بطبع ست و بعِلت نہ مختار پس تضرع طبع را نگرداند
کہ وہ طبعاً اور علت کے طور پر فاعل ہے نہ کہ مختار، تو عاجزی طبیعت کو نہیں بدل سکتی

آہ وزاری۔ اللہ تعالے کے خوف سے رونے کا ایک آنسو شہید کے خون کے قطرہ کی برابر سمجھا گیا ہے۔ دعوت پنجوقتہ اذان گویا اللہ کے دربار میں گریہ وزاری کی دعوت ہے۔ آنکہ۔ اللہ تعالیٰ جس کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اُس سے آہ وزاری کی کیفیت سلب کر لیتا ہے آہ زاری ... ان کی سفارشی ہے جب سفارشی نہ ہوگا تو گرفتارِ بلا ہو جائے گا

گفتہ۔ قرآن پاک میں ہے فَلَوْلَا اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ جبکہ ہمارا عذاب اُن کو پہنچا تھا اُنھوں نے گریہ وزاری کیوں نہ کی اور لیکن اُن کے دل سخت ہو گئے تھے۔ آں گنہ۔ دل سخت ہو جانے کی وجہ سے وہ گناہ کو گناہ نہیں بلکہ عبادت سمجھتے تھے۔

زاری۔ اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں با اختیار ہے لہٰذا آہ وزاری سے وہ مصیبت کو ٹال دیتا ہے فلاسفہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالے سے اُس کے افعال طبعی طور پر بغیر اختیار کے صادر ہوتے ہیں جس طرح کہ آگ سے جلانے کا فعل طبعی طور پر صادر ہوتا ہے لہٰذا آہ وزاری سے کوئی فائدہ نہیں ہے

قومِ یونسؑ راچو پیدا شُد بلا ‏— ابرِ پُر آتش جُدا شُد از سما
جب (حضرت) یونسؑ کی قوم کیلئے بلا ظاہر ہوئی ‏— آگ بھرا ابر آسمان سے جُدا ہوا

برق می انداخت میسوزید سنگ ‏— ابر می غرید رُخ میریخت رنگ
بجلی گراتا تھا، پتھر کو جلاتا تھا ‏— بادل گرج رہا تھا چہرے کا رنگ اُڑ رہا تھا

جُملہ گاں بر بامہا بُودند شب ‏— کہ پدید آمد ز بالا آں کُرَب
رات کو سب بالاخانوں پر تھے ‏— کہ اوپر سے وہ مصیبتیں رُونما ہوگئیں

جُملگاں از بامہا زیر آمدند ‏— سر برہنہ جانبِ صحرا شُدند
بالاخانوں سے سب نیچے اُتر آئے ‏— ننگے سر جنگل کی طرف بھاگے

مادراں بچگاں بروں انداختند ‏— تا ہمہ نالہ و نفیر افراختند
ماؤں نے بچوں کو باہر نکال ڈالا ‏— حتیٰ کہ سب نے گریہ وزاری بلند کی

از نمازِ شام تا وقتِ سحر ‏— خاک می کردند بر سر آں نفر
شام کی نماز سے صبح کے وقت تک ‏— وہ لوگ سر پر خاک ڈالتے رہے

جُملگی آوازہا بگرفتہ شُد ‏— رحم آمد بر سرِ آں قومِ لُد
سب کی آوازیں بیٹھ گئیں ‏— اس جھگڑالو قوم پر رحم آگیا

بعدِ نومیدی و آہِ ناشگفت ‏— اندک اندک ابر واگشتن گرفت
ناامیدی اور بے صبری کی آہوں کے بعد ‏— ابر تھوڑا تھوڑا ہٹنے لگا

قصۂ یونسؑ درازست و عریض ‏— وقتِ خاکست و حدیثِ مُستفیض
حضرت یونسؑ کا قصہ لمبا اور چوڑا ہے ‏— مٹی اور مشہور قصہ کا وقت ہے

چوں تضرُّع را بر حق قدرہاست ‏— آں بہا کانجاست زاری را کجاست
چونکہ آہ وزاری کی خدا کے یہاں بہت قدر ہے ‏— آہ وزاری کی جو قیمت وہاں ہے اور کہاں ہے؟

ہیں اُمید اکنوں میان را چُست بند ‏— خیز اے گرِیندہ و دائم بخند
خبردار! امید رکھو، اب کمر خوب کس لے ‏— اے رونے والے! اٹھ اور ہمیشہ کیلئے مسکرا

با تضرُّع باش تا شاداں شوی ‏— گریہ کُن تا بیدہاں خنداں شوی
آہ وزاری کرتا کہ تو خوش رہے ‏— رو تاکہ بغیر مُنہ کے ہنسے

کہ برابر می نہد شاہِ مجید ‏— اشک را در فضل با خونِ شہید
کیونکہ اللہ تعالےٰ نے برابر رکھا ہے ‏— فضیلت میں آنسو کو شہید کے خون کے ساتھ

لابہ کردو اشکِ چشمِ خویش راند ‏— رحمت آمد واں غضب را واننشاند
اُس (قوم) نے خوشامد کی اور اپنی آنکھ کے آنسو بہائے ‏— رحمت آگئی اور غضب کو فرو کر دیا

---

۳ قومِ یونس۔ حضرت یونسؑ کی قوم رات کو بالاخانوں پر سورہی تھی اُن پر ایسا ابر آیا جو آگ برسا رہا تھا جس سے اُن کا رنگ فق ہوگیا۔ بامہا۔ بالاخانے۔ کُرَب۔ مصائب۔ یعنی آگ برسانیوالا بادل۔

۱ بروں۔ یعنی گھروں سے باہر۔ از نماز شام۔ یعنی مغرب کے وقت سے۔ لُد۔ الدّٰ کی جمع ہے سرکش۔ بعد نومیدی وہ اپنی نجات سے مایوس ہوچکے تھے لیکن اُن کی آہ وزاری سے وہ آتش فشاں ابر ہٹ گیا۔ وقت خاک یعنی زمین کی سختی لینے کے نقطہ کے بیان کا وقت ہے۔ حدیث مستفیض۔ مشہور بات طویل بات۔

۲ آں بہا۔ آہ وزاری کی جو قیمت خدا کے دربار میں لگتی ہے وہ کہیں نہیں لگتی ہے۔ دائم بخند۔ جو خدا کے دربار میں آہ وزاری کرے اُس کو دائمی مسرت میسر آجاتی ہے۔ با تضرع۔ خدا کے دربار میں رونے سے قلب کو ایک دائمی مسرت حاصل ہوتی ہے۔

۳ کہ برابر۔ حدیث شریف ہے۔ لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ قَطْرَةِ دُمُوعٍ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ وَقَطْرَةِ دَمٍ تُهْرَاقُ فِي سَبِيلِ اللهِ دو قطروں سے زیادہ اللہ کو کوئی چیز محبوب نہیں ہے ایک تو آنسوؤں کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے بہا ہو اور ایک خون کا قطرہ جو اللہ کے راستہ میں بہایا جائے۔

شرح جب جبریل علیہ السلام سے اس خدمت کو لے لیا تو میکائیل علیہ السلام کے سپرد کیا اور کہا کہ تم نیچے جاؤ - اور زمین سے بہادرانہ ایک مٹھی خاک لے آؤ - پس جبکہ میکائیلؑ زمین پر آئے تو آپ نے ہاتھ بڑھایا تاکہ اس سے مٹی لے جائیں - یہ دیکھ کر زمین تھرا گئی - اور اس نے مٹی دینے سے پہلو تہی کی، اور خوشامد کرنے اور آنسو بہانے لگی اور اس نے جلے دل سے خوشامد اور سعی کی اور خون رد کر قسم دی اور کہا کہ تمہیں قسم ہے اس خدائے مہربان و بے مثل کی جس نے تم کو حامل عرش مجید بنایا ہے تم ارزاق عالم کے نگران اور تشنگان فضل کے چلو بھرنے والے ہو یعنی طالبان رزق کو رزق تقسیم کرنے والے ہو - اب مولانا فرماتے ہیں کہ ان کے نام کا میکائیل ہونا - خود اس بات کا ثبوت ہے اسلئے کہ میکائیل کیل سے مشتق ہے اور وہ روزی حاصل کرنے کے باب میں کیال ہیں) تم مجھے امان دو اور اس بلا سے چھڑاؤ -

دیکھو! میں خون آلود ہو کر گفتگو کرتی ہوں تم اس کا لحاظ کرو - زمین کی یہ حالت دیکھ کر میکائیل علیہ السلام نے مٹی لینا سردست ملتوی کر دیا اور کہا کہ یہ تو آپ ہی زخمی ہے اس کے زخم پر نمک کیوں چھڑکوں - اس کی وجہ یہ تھی کہ فرشتے رحمت حق سبحانہٗ کا معدن ہیں جس طرح کہ شیاطین جن کے ظلم سے لوگ چلا اٹھے ہیں قہر حق سبحانہٗ کا معدن ہیں - رہی یہ بات کہ فرشتے معدن رحمت کیوں ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ رحمت حق سبحانہٗ اسکے غضب سے بڑھی ہوئی ہے - اور وصفِ خداوندی میں لطف غالب ہے اسلئے جو اسکے خاص بندے ہیں وہ حق سبحانہٗ ہی کی خصلت رکھتے ہیں اور انکی مشکیں ان کے آبِ جو سے پُر ہوتی ہیں - چنانچہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ راہِ سلوک کے راہبر ہیں فرماتے ہیں الناسُ علیٰ دینِ ملوکھم یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کے طریق پر ہوتے ہیں پس فرشتے چونکہ حق سبحانہٗ کی سلطنت کو تسلیم کر لیوے اور اسکے مطیع ہیں اسلئے ان میں حق سبحانہٗ ہی کی خصلت ہے اور وہ بھی معدنِ رحمت ہیں - برخلاف شیاطین کے کہ چونکہ وہ باغی ہیں اسلئے ان میں بجائے رحمت کے قہر غالب ہے -

غرضیکہ تو میکائیل علیہ السلام نے بھی نہیں لی - اور خالی ہاتھ حق سبحانہٗ کی طرف

واپس ہوگئے اور جا کر کہا کہ اے عالم امور مخفیہ اور اے رب دین۔۔ خوشامد کرنے والی زمین روتی بیٹھی اور اسنے مجھے اپنے گریہ وزاری سے مٹی لینے سے روک دیا کیونکہ اسنے بہت گریہ وزاری کی اور چونکہ آنسوؤں کی آپکے سامنے بہت قدر ہے اور میں آپکے اخلاق سے متخلق ہوں اسلئے میں اسکی گریہ کو نظر انداز نہ کرسکا۔ اور چونکہ آہ وزاری آپکے یہاں بہت باوقعت ہے اسلئے مجھ سے نہ ہوسکا کہ میں اسکے حقوق کو ضائع کردوں۔ اور جبکہ چشم ترکی آپکے یہاں بے حد قدر ہے تو بھلا میں اسکی مزاحمت کیسے کرسکتا تھا۔ پس میں بدیں خیال کہ شاید آپ اس کی گریۂ وزاری پر نظر فرماکر اپنے حکم سابق کو منسوخ فرمادیں جیساکہ آپ ایسی حالت میں کیا کرتے ہیں خالی ہاتھ واپس چلا آیا۔ اور حکم ثانی تک مٹی کا لانا ملتوی کردیا۔

یہاں سے مولانا کا مضمون شروع ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپکے نزدیک گریہ وزاری کی بہت قدر ہے جیساکہ میکائیل علیہ السلام نے فرمایا ہے چنانچہ ہر روز پانچ مرتبہ بندہ کو آبِ زاری کی دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آؤ اور اپنی نماز میں زاری کرو۔ چنانچہ مؤذن جو پانچ وقت حی علی الفلاح کہتا ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ آؤ رستگاری کی طرف۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آؤ تضرع کرو۔ کیونکہ فلاح زاری اور خستگی ہی ہے اور جسکے دل کو آپ غم ابدی کے تیروں سے زخمی کرنا چاہتے ہیں اسکے دل پر آپ تضرع کو بند کردیتے ہیں۔ تاکہ اس وقت جبکہ اسکے لئے تضرع شفاعت کنندہ نہ ہو۔ بلا اسکی بدون کسی واقع کے نازل ہو۔ اور جس کو آپ بلا سے نجات دینا چاہتے ہیں اسکو تضرع عطا فرماتے ہیں۔ تاکہ اسکی برکت سے وہ بلا اسکی دفع ہوجائے

چنانچہ آپنے قرآن میں فرمایا ہے کہ جن لوگوں پر ہمارا زبردست قہر نازل ہوا تھا انہوں نے اس وقت تضرع کیوں نہ کیا کہ بلا ان سے لوٹ جاتی لیکن وہ ایسا کیوں کرتے کیونکہ اُن کے دل سخت ہوگئے تھے اور جبکہ اُن کے دل سخت ہوگئے تھے تو انکو گناہ عبادت معلوم ہوتے تھے اور جب تک کوئی شخص اپنے کو قصوروار نہ سمجھے اس وقت تک وہ رو نہیں سکتا۔ اور وہ اپنے سنگدل سے اپنے کو مجرم سمجھتے نہ تھے تو روتے

کیونکہ۔ اور جبکہ وہ روئے نہیں تو ان سے بلا بھی دفع نہیں ہوئی لیکن اگر وہ تضرع وزاری کرتے تو ضرور ان سے بلا دفع ہوجاتی۔ چنانچہ جب قوم یونس علیہ السلام کے لئے بلا ظاہر ہوئی ہے اور ان کی سرکوبی کے لئے آسمان سے آگ سے بریز ابر چلا ہے جس کی حالت یہ تھی کہ بجلی گرا کر پتھروں کو پھونک دیتا تھا۔ اور گرجتا تھا تو چہروں کا رنگ اُڑجاتا تھا تو اس وقت رات کا وقت تھا اور سب لوگ کوٹھوں پر تھے پس جبکہ اوپر یہ بلا ظاہر ہوئی تو سب کوٹھوں سے اتر آئے اور ننگے سر جنگل کو چل دیئے اور عورتوں نے اپنے بچوں کو باہر لے جا ڈالا۔ اور نتیجہ یہ ہُوا کہ سب نے رونا پیٹنا شروع کیا اور مغرب کے وقت سے صبح تک اپنے سر پر خاک ڈالتے رہے اور چیختے چیختے سب کے گلے پڑ گئے کہ آوازیں نہ نکلتی تھیں۔ اس پر حق سبحانہٗ کو اس جھگڑالو قوم پر رحم آیا اور ناامیدی اور بے صبرانہ آہ وزاری کے بعد رفتہ رفتہ ابر ہٹنا شروع ہوگیا اور بالآخر تمام ابر صاف ہوگیا۔

خیر! یونس علیہ السلام کا قصہ تو بہت لمبا چوڑا ہے اسکو ختم کرنا چاہیئے اور زمین کی حالت اور اس مشہور قصہ کے بیان کا وقت ہے اس کو بیان کرنا چاہیئے لیکن اتنا ضرور کہہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جبکہ حق سبحانہٗ کے نزدیک تضرع و زاری کی بے حد قدر ہے اور جو اسکے یہاں قدر ہے وہ اور کہیں نہیں تو اے رونے والے کی اُمید! اب تو کمر مضبوط باندھ لے۔ اور رحمتِ الٰہی کے لیے تیار ہوجا۔ اور اے رونے والے اُٹھ اور ہمیشہ کے لیے ہنس۔ اب تیرے لئے خندہ دائم ہے۔ مطلب ہمارا یہ ہے کہ تم تضرع کرتے رہو۔ تاکہ تمہیں خندہ ابدی حاصل ہو اور خوب روؤ۔ تاکہ تم بے منہ کے ہنسو۔ یعنی تم کو فرحت روحانی حاصل ہو اور تمہاری روح ہنسے جو کہ منہ نہیں رکھتی کیونکہ حق سبحانہٗ کے یہاں رونے کی بڑی قدر ہے اور حق سبحانہٗ آنسوؤں کو خون شہداء کے برابر فضیلت دیتے ہیں اور جوں ہی کسی نے تضرع کیا اور آنسو بہائے فوراً رحمت الٰہی آتی ہے اور قہر حق کو دبا دیتی ہے [فائدہ: محشی نے لابہ کرد کی ضمیر کو قوم یونس کی طرف راجع کیا ہے۔ مگر میرے نزدیک مناسب نہیں ہے] اس مضمون کو ختم کرکے پھر

زمین کے قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

فرستادن اسرافیل را علیہ السلام بخاک کہ برو و قبضۂ برگیر از

حضرت اسرافیلؑ علیہ السلام کو زمین کی جانب بھیجنا، کہ جاؤ اور حضرت آدمؑ

خاک بہر ترکیبِ جسمِ آدم علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام

ہمارے نبی اور ان پر درود و سلام ہو، کے جسم کے بنانے کے لئے ایک مٹھی مٹی لے آؤ

گفت[1] اسرافیلؑ را یزدانِ ما ۔۔۔ کہ برو زاں خاک پُر کن کف بیا

ہمارے خدا نے (حضرت) اسرافیلؑ سے فرمایا ۔۔۔ کہ جاؤ، اس مٹی سے مٹھی بھر دو، آ جاؤ

آمد اسرافیلؑ ہم سوئے زمیں ۔۔۔ باز آغازید خاکستاں حنیں

(حضرت) اسرافیلؑ بھی زمین کی جانب آئے ۔۔۔ زمین نے پھر رونا شروع کر دیا

کاے فرشتہ صور واے بحرِ حیات ۔۔۔ کہ ز دمہائے تو جاں یابد موات

کہ اے صور کے فرشتے! اور اے زندگی کے سمندر! ۔۔۔ کہ آپ کے سانسوں سے مُردے زندہ ہو جاتے ہیں

دردمی در صور یک بانگِ عظیم ۔۔۔ پُر شود محشر خلائق از رمیم

آپ صور میں ایک بڑی آواز پھونکیں گے ۔۔۔ محشر بوسیدہ ہڈیوں کی (زندہ) مخلوق سے پُر ہو جائیگا

دردمی[2] در صور و گوئی الصلا ۔۔۔ بر جہید اے کُشتگانِ کربلا

آپ صور میں پھونکیں گے اور کہیں گے، بلاوا ہے ۔۔۔ اے کربلا کے شہیدو! اُٹھ کھڑے ہو

اے ہلاکت دیدگاں از تیغِ مرگ ۔۔۔ بر زنید از خاک سر چوں شاخ و برگ

اے موت کی تلوار سے ہلاک ہونے والو! ۔۔۔ شاخ اور پتوں کی طرح زمین سے سر اُبھارو

رحمتِ تو واں دمِ گیرائی تو ۔۔۔ پُر شود ایں عالم از احیائی تو

آپ کی رحمت اور آپ کا وہ ہمہ گیر دم کرنا ۔۔۔ یہ عالم آپ کے زندہ کرنے سے بھر جائے گا

تو فرشتہ رحمتی رحمت نما ۔۔۔ حاملِ عرشی و قبلہ داد ہا

آپ فرشتۂ رحمت ہیں رحمت کو ظاہر کرنے والے ہیں ۔۔۔ آپ عرش کے حامل اور انصاف کے قبلہ ہیں

عرش معدن گاہِ داد و معدلت ۔۔۔ چار جو در زیرِ او پُر مغفرت

عرش انصاف اور عدل کی کان ہے ۔۔۔ مغفرت سے پُر چار نہریں اس کے نیچے ہیں

جوئی شیر و جوئی شہدِ جاوداں ۔۔۔ جوئی خمر و دجلۂ آبِ رواں

دودھ کی نہر اور ختم نہ ہونے والی شہد کی نہر ۔۔۔ شراب کی نہر اور بہتے پانی کا دجلہ

پس ز عرش اندر بہشتاں رود ۔۔۔ در جہاں ہم چیزکے ظاہر شود

پھر وہ عرش سے جنت کے اندر پہنچتی ہیں ۔۔۔ دنیا میں بھی کچھ ظاہر ہو جاتی رہیں

[1] گفت۔ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسرافیلؑ سے کہا تم زمین کی ایک مٹھی مٹی لے آؤ۔ حنین۔ رونے کی آواز۔ فرشتۂ صور۔ حضرت اسرافیلؑ محشر میں صور پھونکیں گے جس سے سب مُردے زندہ ہو جائیں گے۔ بحرِ حیات۔ حضرت اسرافیلؑ کا صور سب کو زندگی بخش دے گا۔ رمیم۔ بوسیدہ ہڈی۔

[2] دردمی۔ حضرت اسرافیلؑ کا صور پھونکنا مُردوں کو زندگی کی دعوت ہے۔ کربلا۔ موضع کربلا مراد ہے جو عراق میں ہے یا دنیا جو مصائب کی جگہ ہے۔ رحمت۔ اے اسرافیلؑ تمہارے کرم سے پورا عالم زندہ ہو جائیگا۔ حاملِ عرش۔ حضرت اسرافیلؑ بھی عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں۔

[3] عرش۔ عرش کے نیچے سے دودھ، شہد، شراب، پانی کی چار نہریں بہتی ہیں۔ پُر مغفرت۔ ان نہروں سے وہ سیراب ہونگے جن کی مغفرت ہو جائیگی۔ در جہاں۔ ان نہروں کے آثار دنیا میں بھی ہیں۔ مثلاً دنیا میں ان نہروں کے آثار فانی ہیں۔ جُرعہ۔ ان چاروں کے ایک ایک چلو سے آدمؑ کی مٹی کا خمیر بنایا۔

گرچہ آلودست اینجا آں چہار — ازچہ از زہرِ فنائے ناگوار

اگرچہ وہ چاروں یہاں گدلی ہیں — کس چیز سے؟ ناگوار فنا کے زہر سے

جُرعہ بر خاکِ تیرہ ریختند — زاں چہار و فتنہ انگیختند

اُنھوں نے تاریک مٹی پر ایک گھونٹ بہایا — اُن چاروں سے، اور فتنہ بپا کر دیا۔

تا[1] بجویند اصلِ آنرا ایں خساں — خود بدیں قانع شُدند ایں ناکساں

تاکہ یہ کمینے اس کی اصل کو تلاش کریں — نالائق خود اِس پر قناعت کر بیٹھے

شیر دادہ پرورشِ اطفال را — چشمہ کردہ سینۂ ہر زال را

بچوں کی پرورش کے لئے دودھ دیا — ہر عورت کے سینہ کو چشمہ بنا دیا

خمر دفعِ غُصہ و اندیشہ را — چشمہ کردہ از عنب در باغہا

شراب، غصہ اور فکر کو دور کرنے کے لئے — باغوں میں انگور سے (اس کا) چشمہ جاری کر دیا

انگبیں دارو تنِ رنجور را — چشمہ کردہ باطنِ زنبور را

شہد، مریض کے جسم کے لئے دوا ہے — شہد کی مکھی کے باطن کو (اس کا) چشمہ بنا دیا

آب[2] بہرِ عام اصل و فرع را — از برایِ طُہر و بہرِ کرع را

پانی عوام کی جڑ اور شاخ کے لئے — پاکی اور پینے کے لئے

تا ازینہا پے بری سوی اصول — تو بدیں قانع شُدی اے بوالفضول

تاکہ تو اِن سے اصل کا پتہ لگائے — اے لغو! تو نے اِس پر قناعت کر لی

بشنو اکنوں ماجرایِ خاک را — کہ چہ میگوید فسوں محراک را

اب مٹی کا قصہ سُن — کہ حرکت دینے والے (اسرافیل) کو کیا منتر سنا رہی ہے!

پیشِ اسرافیلؑ گشتہ اُو عبوس — میکند صد گونہ شکلِ چاپلوس

وہ حضرت اسرافیلؑ کے سامنے ترش رو بنی — خوشامد کی سینکڑوں قسم کی صورتیں بناتی تھی

کہ[3] بحقِ ذاتِ پاکِ ذوالجلال — کہ مدار ایں قہر را بر من حلال

کہ اللہ (تعالیٰ) کی پاک ذات کا واسطہ — یہ ظلم مجھ پر جائز رکھیے

من ازیں تقلید بوئی میبرم — بدگمانی میرود اندر سرم

میں اِس گلے میں پھندا ڈالنے سے تاڑ رہی ہوں — میرے دماغ میں بدگمانی پیدا ہو رہی ہے

تو فرشتہ رحمتی رحمت نُما — زانکہ مُرغے را نیازارد ہُما

آپ رحمت کے فرشتے، رحمت کو ظاہر کرنیوالے ہیں — کیونکہ ہُما، پرند کو نہیں ستاتا ہے

اے شِفا و رحمتِ اصحابِ دَرد — تو ہماں کُن کاں دو نیکو کار کرد

اے دردمندوں کی شفا اور رحمت! — آپ وہی کیجئے جو اُن دو بھلوں نے کیا

زود اسرافیلؑ باز آمد بشاہ — گفت عُذر و ماجرا نزدِ الٰہ

حضرت اسرافیلؑ فوراً شاہ کے پاس واپس آ گئے — اللہ (تعالیٰ) سے عذر اور قصہ بیان کیا

---

[1] تابجویند۔ یہ اس لئے کیا گیا تاکہ بنی آدم اُن اصل نہروں کی تلاش میں لگیں۔ شیر۔ دودھ کی نہر کا اثر ماں کے پستان میں ظاہر ہوا ہے۔ از عنب۔ انگور میں خمر کی نہر کا اثر آیا۔ زنبور۔ شہد کی مکھی شہد کی نہر کا اثر ہے۔

[2] آب۔ دنیاوی پانی میں پانی کی نہر کی اصل ہے۔ محراک۔ حرکت دینے والا یعنی اسرافیلؑ۔ عبوس۔ ترش رو۔

[3] کہ بحق۔ زمین نے چاپلوسی کی یہ صورت اختیار کی کہ حضرت اسرافیلؑ کو اللہ کی قسمیں دینے لگی۔ تقلید۔ گلے میں قلادہ ڈالنا۔ ہُما۔ شریف پرندہ ہے کسی جاندار پرند کا شکار نہیں کرتا بلکہ سوکھی ہڈیوں پر گذارہ کرتا ہے۔ آنجا۔ یہ معنی زمین سے اُن کی جو بات چیت ہوئی

کز بروں فرماں بدادی کہ بگیر[1] کہ بظاہر آپ نے حکم فرمایا کہ لے لے	عکس آں الہام دادی در ضمیر دل میں اس کے برعکس الہام کر دیا
امر کردی در گرفتن سوی گوش تو نے کان کو لے لینے کا حکم دیا۔	نہی کردی از قساوت سوی ہوش عقل کو سختی کرنے سے منع کر دیا
رحمتِ او بیحد ست و بیکراں اس کی رحمت لا انتہا اور لامحدود ہے	او حکیم ست و کریم و مہرباں وہ دانا اور سخی اور مہربان ہے
سبقِ رحمت گشت غالب بر غضب رحمت کی سبقت غضب پر غالب ہے	اے بدیع افعالِ نیکو کار رب اے عجیب افعال اور اچھے کام والے خدا!

[1] کز بروں حضرت اسرافیلؑ نے خدا سے عرض کیا بظاہر آپ کا یہ حکم ہوا کہ میں مٹی لے آؤں اور میرے دل میں آپ نے ہی یہ بات پیدا کر دی کہ میں اس کی خوشامد پر رحم کروں۔ قساوت سختی دلی۔ رحمت اُو۔ مولانا فرماتے ہیں باطنی الہام رحمت کا مظہر ہے۔

شرح

جب کہ میکائیل علیہ السلام سے بھی یہ خدمت لے لی گئی تو اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جاؤ اس خاک سے مٹی بھر لاؤ یہ حکم سن کر اسرافیل علیہ السلام بھی زمین کے پاس آئے جب وہ آئے تو زمین نے حسب سابق پھر رونا شروع کیا اور کہا کہ اے فرشتہ صور! اور اے بحرِ حیات! کہ آپ کے نفخ سے مُردہ زندہ ہوتا ہے اور آپ جب صور پھونکیں گے تو باوجودیکہ ہڈیاں گلی سڑی ہوں گی۔ مگر آپ کے صور سے محشر مخلوق سے بھر جائے گا اور آپ جب صور پھونکیں گے اور کہیں گے اے کشتگان کربلا [یا تو مطلق دنیا مراد ہو۔ یا خاص کربلائے معروف والا اول ارجح] تم کو اعلان ہے تم اٹھو۔ تو آپ کی رحمت اور آپ کی مؤثر نفخ سے عالمِ آخرت آپ کے زندہ کیے ہوئے لوگوں سے بھر جائے گا آپ مجھ پر رحم کیجئے کیونکہ آپ فرشتہ رحمت ہیں اور آپ حاملِ عرش و حامل مرجع عطایا ہیں۔

اب مولانا استطرادی طور پر فرماتے ہیں کہ عرش معدن بخشش و عدل ہے اور اس کے نیچے چار نہریں ہیں جو معرفت سے لبریز ہیں ایک دودھ کی نہر ہے دوسری شہد دائم کی۔ تیسری شراب کی۔ چوتھی آبِ جاری کی ——— یہ چاروں عرش سے نکل کر بہشت میں جاتی ہیں اور اس عالم میں بھی اپنے مظاہر ہیں ان کا کسی قدر ظہور ہے گو یہاں وہ اپنی حرافت پر باقی نہیں ہیں۔ بلکہ آلودہ ہیں کس چیز سے فنائے.. ناخوش زہر سے۔ قضا و قدر نے ان چاروں کا چھینٹا اس مکدر خاک پر ڈال دیا۔

اور صورت امتحان پیدا کردی ہے تاکہ لوگ ان کی اصل کو تلاش کریں اور وہ تدبیر..
کریں جس سے وہ حاصل ہوسکیں۔

مقصود تو ان کی دنیا میں ظاہر کرنے سے یہ تھا۔ مگر یہ ذلیل لوگ انہیں پر قانع
ہوگئے اور انہی کو اصل سمجھ کر انہی میں منہمک ہوگئے اور پھر تم سے کہا ہے کہ ان چاروں کو
دنیا میں بھی کسی قدر ظاہر فرمایا ہے۔

سو اس کی تفصیل یہ ہے کہ بچوں کی پرورش کے لیے ماؤں کو دودھ دیا ہے
اور ہر اس عورت کے سینہ کو اس کا چشمہ بنایا ہے یعنی اس میں چشمہ
بننے کی قابلیت رکھی ہے جو کہ اگر زندہ رہے تو بڑھیا ہو جائے [و الشاذ کالمعدوم
فلم یعتد بالعواقر۔ ففی قولہ زال مجاز باعتبار مایؤول الیہ الامر۔ وفی قولہ ہر مجاز ثان وفی
قولہ چشمہ کردہ مجاز ثالث۔ فتدبر] اور اس نفس افکار و ہموم کے دفع کے لئے شراب عطا کی
ہے یعنی اس میں ان کے دفع کرنے کی خاصیت رکھی ہے تاکہ اس سے معلوم ہو جائے
کہ شراب جنت کے پینے والوں کو رنج و فکر اصلاً نہ ہوگا اور پینا تو در کنار خود جنت
میں جہاں وہ جاری ہے رنج و غم کا نام نہ ہوگا اور اس کا چشمہ باغوں میں..
انگوروں کو بنایا ہے [فائدہ: یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ جب شراب کے پیدا
کرنے میں یہ حکمت ہے تو پھر اس کے پینے کی ممانعت کیوں ہے اسلئے کہ اول تو شراب
ایک عرصہ تک حلال رہی ہے اور اسکی خاصیت سے لوگ بخوبی واقف ہوگئے ہیں۔
پھر کسی شئے کی خاصیت کا معلوم ہونا اسکی اباحت استعمال پر موقوف نہیں کیونکہ عاصین
بکثرت ہیں ان کے ذریعہ سے اس کی خاصیت کا علم ہوسکتا ہے پس جبکہ یہ مصلحت
اسکی عدم جواز کی صورت میں بھی حاصل ہے تو اب ضرورت نہیں ہے کہ اس
مصلحت کو نظر انداز کر دیا جائے جو اسکی حرمت کے لئے مقتضی ہے] اور اس نے
جسم بیمار کی دوا کے لئے شہد عطا فرمایا ہے اور اس کا چشمہ باطن مگس کو قرار دیا ہے
اور اس نے عام طور پر اصول و فروع کو پانی دیا ہے کہ وہ اس سے پاکی حاصل کریں۔
اور پیئیں۔ اور یہ تمام اسلئے کیا ہے کہ تم ان سے ان کے اصلوں کا پتہ چلاؤ اور ان کے

حاصل کرنے کی تدبیر کرو۔ لیکن تم نے یہ بیہودگی کی کہ انہی پر قانع ہو گئے اور انہی کو مقصود سمجھ بیٹھے۔

افسوس ہے۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب زمین کا قصہ سنو! کہ وہ اسرافیل علیہ السلام سے کیا جادو کی باتیں کرتی ہے۔ ہاں تو۔ زمین اسرافیل علیہ السلام کے سامنے منہ بگاڑ کر سینکڑوں صورت سے خوشامد کرتی ہے اور کہتی ہے کہ خدائے ذوالجلال اور پاک کے لیے۔ تم قہر کو مجھ پر جائز نہ رکھو۔ بلکہ مجھ پر رحم کرو۔ مجھے اس کارروائی سے پتہ چلتا ہے کہ مجھے مکلف بنایا جائے گا اور اسی سے میرے دماغ میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے۔ آپ فرشتۂ رحمت ہیں آپ کا کام رحم ہے لہٰذا مجھ پر رحم فرمائیے اور مجھے نہ ستائیے کیونکہ تمہارا کسی جانور کو نہیں ستاتا۔ اور اے ارباب تکلیف کے لئے موجب شفا اور سراپا رحمت۔ آپ بھی وہی کریں جو آپکے دو نیکوکار پیشروں نے کیا ہے۔

یہ سن کر اسرافیل علیہ السلام فوراً لوٹ آئے۔ اور زمین کی معذرت اور پورا واقعہ حق سبحانہٗ سے عرض کر دیا اور کہا کہ اے بدیع افعال اور نیکوکار پروردگار! آپ نے ظاہر میں تو یہ حکم دیا کہ مٹی لے آؤ۔ اور میرے قلب میں القار فرمایا کہ اچھا جانے دو اور کان میں حکم دیا کہ مٹی لے آؤ۔ اور دل میں سنگدلی سے ممانعت فرمادی اور فرمادیا کہ اسکی رحمت بے حد اور بے انتہا ہے وہ حکیم اور کریم اور مہربان ہے اسکی رحمت غضب سے فائق ہو کر اس پر غالب ہو گئی ہے۔ لہٰذا میں خالی ہاتھ واپس چلا آیا [خلاصہ یہ کہ جب زمین نے گریہ وزاری کی۔ تو مجھ پر یہ خیال غالب ہوا کہ حق سبحانہٗ کریم و رحیم و رؤف ہیں وہ اس گریہ زاری کو نظرانداز نہ کریں گے۔ اور ضرور اپنے حکم کو منسوخ فرمائیں گے نیز اس کی حالت قابلِ رحم ہے اس پر رحم کرنا چاہیئے۔ اور سنگدلی سے کام نہ لینا چاہیئے اور چونکہ میں نفس سے منزہ اور شیطان کے تسلط سے بالاتر تھا اسلئے میں نے آپکے اس مخفی حکم کو ناسخ حکم ظاہر سمجھا۔ اور واپس لوٹ آیا۔

فرستادنِ عزرائیل علیہ السّلام مَلَکُ العزم وَالحزم را بگرفتن

ارادہ کی پختگی اور پختہ کاری کے فرشتے (حضرت) عزرائیل علیہ السلام کو مٹی بھر

قبضۂ خاک تا ساختہ شود جسمِ آدم علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ

مٹی لینے کے لئے بھیجنا تاکہ حضرت آدم (اُن پر اور ہمارے نبی پر درود اور سلام ہو)

والسّلام چالاک و راست کار و التفات ناکردنِ عزرائیل

کا چالاک اور درست کام کرنے والا جسم بنایا جائے اور حضرت عزرائیلؑ کا زمین

علیہ السّلام بر تضرّعِ خاک

کی آہ و زاری کی طرف دھیان نہ دینا

گفت یزداں زود عزرائیل را ۔ کہ ببیں آں خاکِ پُر تخییل را

اللہ (تعالیٰ) نے فوراً عزرائیلؑ سے فرمایا ۔ کہ اُس نخوت سے بھری، زمین کو دیکھ

آں ضعیفِ زالِ ظالم را بیاب ۔ مُشتِ خاکے زو بیاور ہیں شتاب

کمزور ظالم بڑھیا کے پاس پہنچ ۔ خبردار! جلد اُس میں سے ایک مٹھی مٹی لے آ

رفت عزرائیلؑ سرہنگِ قضا ۔ سُوئے کُرۂ خاک بہرِ اقتضا

موت کے سپاہی (حضرت) عزرائیلؑ روانہ ہو گئے ۔ تقاضہ کرنے کے لئے زمین کے کرہ کی جانب

خاک بر قانون نفیر آغاز کرد ۔ داد سوگندش بسے سوگند خورد

مٹی نے پہلے کے مطابق چلانا شروع کر دیا ۔ اسکو قسم دی، بہت سی قسمیں کھائیں

کاے غلامِ خاص و حمّالِ عرش ۔ اے مُطاع الامر اندر عرش و فرش

اے خاص بندے اور اے عرش کے اُٹھانے والے ۔ اے فرش اور عرش کے اندر مخدوم و سردار!

رَو بحقِ رحمتِ رحمٰنِ فرد ۔ رو بحقِ آنکہ با تو لطف کرد

یکتا رحمان کی رحمت کے طفیل چلے جایئے ۔ اُس ذات کے طفیل چلے جایئے جس نے آپ پر مہربانی کی

حقِ شاہے کہ جز او معبود نیست ۔ پیشِ اُو زاریِ کس مردود نیست

اُس شاہ کے طفیل جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ۔ اُس کے دربار میں کسی کی (آہ و) زاری مردود نہیں ہے

حقِ حق حق کہ دست از من بدار ۔ اے ترا از حق فضیلت بے شمار

اللہ (تعالیٰ) کے حق کے طفیل مجھ سے دستبردار ہو جایئے ۔ اے وہ کہ آپ کے لئے اللہ (تعالیٰ) کی جانب سے بے شمار فضیلت ہے

گفت نتوانم بدیں افسوں کہ من ۔ رُو بتابم زامرِ اُو سِرّ و علن

اُن (عزرائیلؑ) نے کہا میں اس منتر سے نہیں کر سکتا ہوں کہ میں ۔ اس کے حکم سے ظاہر و باطن میں منہ موڑوں

گفت آخر امر فرمود او بحلم ۔ ہر دو امر اند ایں بگیر از راہِ علم

اُس نے کہا آخر اُس (اللہ تعالیٰ) نے نرمی کو بھی حکم دیا ہے ۔ دونوں حکم ہیں از روئے علم اس حکم کو اختیار کر لیجئے

---

۲ فرستادن. حضرت اسرافیلؑ کے ناکام ہو جانے پر اللہ تعالیٰ نے عزرائیل کو مٹی لینے کیلئے بھیجا. حزم. پختہ ارادہ حزم. پختہ کاری. چالاک و راست کار. یہ جسم کی صفت ہے.

۳ گفت. اللہ تعالیٰ نے عزرائیل کو حکم دیا کہ زمین کی مٹی لاؤ. پُر تخییل. چونکہ زمین طرح طرح کے عذر کر رہی تھی متکبر.

سپاہی. اقتضاء. وصول کرنا. بر قانون. یعنی جس طرح اُس نے جبرئیلؑ وغیرہ کی خوشامد کی تھی. مُطاع الامر. وہ شخص جس کا حکم مانا جائے.

۵ رو بحق. زمین نے ان کو خدا اور اس کی صفات کی قسمیں دینی شروع کر دیں. پیش او. اللہ تعالیٰ آہ و زاری پر ضرور رحم فرماتا ہے. حق پہلا حق نمبر کے معنی میں ہے دوسرا بقسم حق حق تعالیٰ. الثرق. یعنی زمین کی باتیں.

۶ گفت. زمین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری مٹی لے جانے کا بھی حکم دیا ہے اور بردباری برتنے کا بھی حکم ہے لہٰذا ان میں سے بردباری کو اختیار کر لیجئے اور مجھے معاف کر دیجئے. گفت. حضرت عزرائیلؑ نے کہا کہ امر صریح کے مقابلہ میں حلم اختیار کرنا بالکل غلط تاویل اور غلط قیاس ہے. تأویل. یعنی صریح حکم کے طور پر. یعنی آنسو.

اب مجھے جسم میں نہ لے جا۔ اور یہیں رہنے دے تاکہ میں اس باغ میں گل چھرے اڑاؤں اور اس کے جواب میں حق سبحانہٗ فرمائیں کہ اچھا تمہاری دعا ہم نے قبول فرمائی تم واپس نہ جاؤ۔ اب تم سمجھو کہ یہ سونا اسکو کس قدر اچھا معلوم ہوگا۔

یقیناً یہ سونا اسکو نہایت آرام دہ ہوگا اور ایسا ہوگا جیسے کوئی بے موت جنت میں چلا جائے۔ ایسی حالت میں کیا وہ جاگنے اور اس جسم کی خواہش کریگا جو کنوئیں میں زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے ہرگز نہیں۔ پس یہی حالت اہل اللہ کی سمجھ لو۔ کہ موت اُن کے لیے نہایت آرام دہ ہے اور وہ کسی زندگی کی ہوس نہیں کرتے اور جسم کے چھوٹنے کا انکو بالکل ہی رنج نہیں ہوتا۔

یہاں تک مضمون تائیدی کو ختم کر کے مضمون ارشادی شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تجھے اہل اللہ کی حالت معلوم ہوگئی کہ وہ عقبیٰ کے طالب اور دنیا سے ہارب۔ اور عالم سفلی سے متنفر اور عالم علوی کے شائق ہیں تو آخر تم بھی تو مومن ہو۔ تم بھی مرد بنو۔ اور میدانِ کارزار میں آؤ۔ اور نفس و شیطان جو کہ تم کو دنیا ہی میں محبوس رکھنا چاہتے ہیں ان سے مقابلہ کرو اور انہیں مغلوب کر کے عالم بالا کے طالب بنو۔ کیونکہ تم اصالۃً علوی ہو اور ایک وقت میں تم عالم بالا میں رہتے تھے پس تمکو اپنے وطن اصلی کی طرف لوٹنا چاہیئے اور جو تمہیں دار الغربت میں محبوس رکھنا چاہیں انکو مغلوب کرنا چاہیئے۔ پھر اسکی صورت یہ ہے کہ اس توقع پر کہ عالم بالا کا رستہ تمہارے لیئے کھول دیا جائے تم کو نوافل میں رات بھر یوں کھڑا رہنا چاہیئے جیسے شمع محراب کے سامنے کھڑی ہوتی ہے اور فرطِ شوق عالم بالا سے تمام شب یوں جلتے رہنے اور روتے رہنا چاہیئے جیسا کہ شمع سر بریدہ کرتی ہے اور کھانے پینے سے منہ بند کر کے یعنی بکثرت روزہ رکھ کر خوانِ آسمانی (غذاءِ روحانی) کی طرف دوڑنا چاہیئے۔ اور عالم بالا کے شوق میں بید کی طرح جھومتے ہوئے آسمان سے غذائے روحانی کا منتظر رہنا چاہیئے اگر تم ایسا کرو گے تو تم پر عالم بالا کا رستہ کھل جائے گا اور تم بہ سیر روحانی معنوی عالم بالا پر پہنچ جاؤ گے۔

شاید تم خیال کرو کہ بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے اسلیئے ہم کہتے ہیں کہ دیکھو!
ہر دم عالمِ بالا سے پانی اور گرمی آتی ہے اور تمہارا رزق بڑھاتی ہے کیونکہ پانی سے نباتات
پیدا ہوتے ہیں اور گرمی سے غلہ وغیرہ پکتے ہیں —— پس جبکہ عالمِ بالا سے
پانی اور آگ کا آنا ممکن ہے تو اگر تمہیں عالمِ بالا پر لے جائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں
پس تم اپنے عجز کو نہ دیکھو اور یہ نہ سمجھو کہ ہم وہاں کیسے پہنچ سکتے ہیں بلکہ تم تو طلب
پر نظر کرو۔ اور جہاں تک ممکن ہو اسے قوت دو۔ کیونکہ یہ طلب تمہارے اندر خدا کی
رکھی ہوئی امانت ہے جو اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ حق سبحانہ' تم کو اپنے پاس بُلانا
چاہتے ہیں کیونکہ ہر طالب مطلوب کے لیے زیبا ہے۔
پس جبکہ خدا نے تمہارے اندر طلب پیدا کی ہے تو یہ علامت ہے اس بات کی
کہ ایک وقت میں تم مطلوب حق ہو گے اور جب تم مطلوب ہو گے تو اس وقت تمہارا
حق سبحانہ' تک پہنچ جانا کچھ بھی دشوار نہ ہوگا۔ پس تم کوشش کرو کہ تمہاری طلب بڑھے
اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ حق سبحانہ' تمہیں اپنی طرف کھینچ لیں گے اور تمہارا دل اس
چاہ تن سے نکل جائے گا اور تم عالمِ بالا پر پہنچ جاؤ گے یعنی تم کو حق سبحانہ' اور عالمِ بالا
سے تقرب معنوی اور تعلق خاص ہو جائے گا اس وقت تمہاری یہ حالت ہو گی کہ جب
تم مر جاؤ گے تو لوگ کہیں گے کہ فلاں شخص بے چارہ مر گیا اور تم کہو گے کہ ارے بیخبرو!
میں مرا نہیں بلکہ زندہ ہوں کیونکہ جو حقیقت حیات ہے یعنی حیاتِ روحانی وہ مجھے
حاصل ہے اور اگر میرا جسم اور جسموں کی طرح مردہ ہے تو کچھ پرواہ نہیں ہے کیونکہ مجھے
تعلیم دائم کے سبب کمال خوشی حاصل ہے اور جب کہ مجھے لذت وعیش روحانی حاصل
ہے تو اگر میرا جسم مردود ہے تو کچھ بات نہیں کیونکہ اگر سونے کی حالت میں کسی کی جان گلگشت
نسرین میں ہو تو اس وقت اگر اس کا جسم گوبر میں بھی پڑا ہو۔ تو بھی اسے کچھ پرواہ نہیں
ہوتی۔ کیونکہ سونے والے کی روح کو یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اس کا جسم باغ میں سو رہا ہے
یا کوڑی پر۔ بلکہ اسکی جان عالمِ سوگ یعنی عالمِ ارواح میں "یالیت قومی یعلمون" کا نعرہ مارتی

ہوتی ہے اور کہتی ہوتی ہے کہ اے کاش! یہ لوگ جو میرے جسم کی خستہ حالت پر کڑھ رہے ہیں میرے عیش اور کامرانی کو دیکھیں اور اپنی جہالت پر متنبہ ہوں۔

اس مقام پر استطراداً ایک شبہ کا دفع کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تقریر شبہ یہ ہے کہ حیات جسمانی تو بے شک ایک شے ہے لیکن حیات روحانی جو حیات جسمانی سے بڑھ کر ہے اور جس کے حصول کے بعد حیات جسمانی کی پرواہ نہیں ہوتی وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اور ہم نہیں سمجھ سکتے کہ بدون جسم کے روح کیونکر زندہ رہ سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے کہ فی السماء رزقکم یعنی آسمان میں تمہارا رزق ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جسم آسمان پر نہیں جا سکتا۔

تو اب ہم کہتے ہیں کہ اگر جان بدون اس جسم کے زندہ نہیں رہ سکتی تو آسمان کس کا محل ہوگا۔ اور وہاں رزق کس کو ملے گا۔ ضرور اس کا یہی جواب ہوگا کہ روح کو پس جبکہ آسمان میں غذا روح کو ملے گی اور غذا بدوں حیات کے متصور نہیں تو حیات روحانی ثابت ہو گئی خیر! تو ہم نے کہا تھا کہ اگر تم ایسی حالت میں مر جاؤ گے تو لوگ تمہیں مردہ سمجھ کر تم پر افسوس کریں گے مگر تم کو اسوقت ایک نئی حیات حاصل ہوگی اور تم اپنی مردہ سمجھنے والوں کی حالت پر افسوس کرو گے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ اس وقت تم اس غذائے قلیل و کثیف سے نکل کر اعلیٰ درجہ کی غذا میں پہنچ جاؤ گے جس کی یہ حالت ہوگی کہ اگر اس میں سے ہزاروں رطل کھا جاؤ تو نہ تم آلودہ نجاست ہو اور نہ طبیعت پر کچھ گرانی ہو۔ بلکہ پاک صاف اور پری کی طرح ہلکے پھلکے چلے جاؤ اور یہ حالت ہوگی کہ باؤ رک کر تم کو مبتلائے قولنج نہ کریگی۔

سو یہ تمہاری جان کے درپے ہو جاویگی کیونکہ اگر تم کم کھاؤ گے تو کتے کی طرح بھوکے رہو گے اور بھوک تمہیں تکلیف دیگی اور اگر پیٹ بھر کر کھاؤ گے تو ڈکاریں تمہارا دماغ... پریشان کریں گی۔ نیز کم کھاؤ گے تو بھوک سے بدمزاجی اور خشکی اور گرمی پیدا ہوگی جس سے دق ہو جائے گی اور زیادہ کھاؤ گے تو جسم بدہضمی کا مستحق ہوگا۔

غرض کہ غذائے جسمانی ہر طرح موجب تکلیف ہے پس جبکہ بھوکا رہنا بھی موجب

تکلیف ہے اور پیٹ بھرنا بھی۔ تو اس تکلیف سے نجات کی کیا صورت ہے ــــ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تم حق سبحانہٗ کا کھانا اور وہ زود ہضم غذا یعنی غذائے روحانی کھا کر ایسے خطرناک دریا یعنی دریائے تکلیف پر کشتی کی طرح سوار ہو جاؤ۔ اور بے خطر اس دریا کو طے کر جاؤ یعنی اس تکلیف سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ غذائے روحانی کے عادی ہو جاؤ اور غذائے جسمانی کو چھوڑ دو۔

فائدہ: اس تدبیر سے بدہضمی کی تکالیف سے نجات پانا تو ظاہر ہے مگر بھوک کی تکالیف سے نجات پانے میں شبہ ہو سکتا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب رفتہ رفتہ آدمی بھوک کا عادی ہو جائے گا تو پھر بھوک اسکو تکلیف نہ دیگی لان العادۃ کالطبیعۃ الثانیہ چنانچہ جو لوگ سنکھیا کھانے کے عادی ہو جاتے ہیں وہ تولوں سنکھیا کھا جاتے ہیں مگر وہ انہیں تکلیف نہیں دیتا۔ پھر غذائے روحانی سے روح کو قوت ہو گی اور روح کی قوت سے طبیعت کو قوت ہو گی اور قوت طبیعت امراض کو دفع کرے گی۔ اور باایں ہمہ اگر کوئی مرض پیدا ہُوا تو گو اس سے طبعی تکلیف ہو۔ مگر وہ تکلیف اس لئے غیر معتد بہ ہو گی کہ اس سے پریشانی نہ ہو گی۔ اور اصل موذی پریشانی ہے نہ کہ تکلیف پس یہ تکلیف کالمعدوم ہو گی۔ ہذا عندنا واللہ اعلم)

جب تکلیف غذائے جسمانی سے بچنے کی تدبیر معلوم ہو گئی تو اب یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ طعام اللہ کیونکر ملے۔ سو اس کی تدبیر یہ ہے۔ غذائے حق سبحانہٗ کے منتظر رہتے ہوئے روزوں کی تکلیف پر صبر اور ان پر ملاومت کرو کیونکہ حق سبحانہٗ جو کہ حکیم اور حلیم ہیں اپنے عطایا انتظار کی حالت میں دیتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ روٹی کا انتظار پیٹ بھرنے کو نہیں ہوتا اور اسکو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ خوراک مقرر سویرے آئے گی یا دیر میں۔ برخلاف بھوکے کے کہ وہ ہر وقت یہی کہتا ہے کھانا کہاں ہے اور بھوک کے سبب وہ ہر دم اس کا منتظر رہتا ہے اسلئے ضرورت ہے بھوک اور روزہ کی۔ تاکہ تم کو خوراک کا انتظار ہو اور وہ غذائے روحانی تم کو ملے ورنہ جبکہ تم بھوکے نہ ہو گے اور اسلئے تم کو انتظار نہیں ہو گا تو وہ کثیر المقدار غذا تم کو نہ ملے گی پس تم مردانہ خوان آسمان کے منتظر بنو۔ اور روزہ

پر ملازمت کر کے بھوکے رہو کیونکہ ہر بھوکے کو انجام کار غذا مل جاتی ہے اور آفتاب دولت اس پر تاباں ہوتا ہے۔

نیز قاعدہ ہے کہ جب کوئی عالی ہمت مہمان کھانا کم کھاتا ہے تو میزبان اس کے لیے بہتر سے بہتر کھانا لاتا ہے بجز فقیر یا بخیل میزبان کے وہ تو ضرور ایسا نہیں کرتا پس تم غذائے جسمانی سے نفرت پیدا کرو۔ تاکہ تم کو بہتر غذا یعنی غذائے روحانی ملے اور حق سبحانہ، کی نسبت جو کہ رازق کریم ہیں۔ مفلسی یا بخل کا گمان بد نہ کرو اور تم پہاڑ کی طرح سر اُٹھاؤ۔ تاکہ سب سے پہلے آفتاب رحمت کا نور تم پر پڑے کیونکہ پہاڑ کی چوٹی خورشید سحر کی منتظر ہوتی ہے تو سب سے پہلے آفتاب اسی کو اپنے فیض سے بہرہ ور کرتا ہے۔

غرضکہ تم اپنے اندر غذائے روحانی کی طلب اور اس کا انتظار پیدا کرو۔ (فائدہ قولہ کہ "نہ حبس باد قولنجت کند۔ چار میخ معدہ آہسخت کند" کی شرح میں محمد رضا نے کہا ہے۔ حاصل آنکہ ترا غذائے روحانی نہ حبس باد و قولنج کند و نہ بپائے بند معدہ کشیدن گرداند۔ و معدہ کشیدن در زیر بار طبل شکم و برآمدن باشد انتہیٰ اور ولی محمد نے بھی اسی مضمون کو قائم کر رکھا ہے لیکن یہ مضمون ایک حد تک اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ نسخہ کہ نہ حبس باد و قولنجت بواؤ عاطفہ ہو اور ہمارے نسخہ میں ایسا نہیں ہے اسلئے ہم نے شرح میں بیت مذکورہ کے مصرع اول کو مضمون بالا سے مرتبط قرار دیا ہے اور مصرع ثانی کو علیحدہ مضمون اور مابعد سے مرتبط ٹھہرایا ہے اور یہ ہی مضمون ہم کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ ۲ : قولہ کم خوری خوئے بد خشکی و دق میں ولی محمد نے دق کو مجازاً بمعنی لاغری قرار دیا ہے مگر ہم نے تک حقیقت کی ضرورت نہیں خیال کی۔

فائدہ ۳ قولہ باش در روزہ شکیبا و مصر الی قولہ آفتاب دولتی بر شے بتافت پر بادی النظر میں ایک شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ ترک غذائے جسمانی سے اور بھوکا رہنے سے تو غذائے جسمانی کی خواہش اور اسی کا انتظار بڑھے گا۔ نہ کہ غذائے روحانی کا

پھر اس خواہش اور انتظار پر غذائے روحانی کا ترتب کیونکر ہوگا۔

سو حل اس شبہ کا یہ ہے کہ اس ترک اکل کا منشا غذائے جسمانی سے نفرت اور غذائے روحانی کی رغبت ہے کیونکہ وہ وسیلہ ہے حصول غذائے روحانی کا۔ پس اس سے غذائے جسمانی کا انتظار نہ بڑھے گا۔ بلکہ اسی سے غذائے روحانی کی خواہش اور اسی کا انتظار بڑھے گا۔ کیونکہ اختیار وسیلہ میں جس قدر مشقت اور زحمت کا سامنا ہوتا ہے اسی قدر مطلوب کی خواہش اور اس کا اشتیاق اور انتظار بڑھتا ہے مثلاً جب کوئی مسافر کسی مقام کے قصد سے چلتا ہے تو جس قدر سفر کی تکان زیادہ ہوتی ہے اسی قدر وصول کی خواہش اور اس کا اشتیاق اور انتظار بڑھتا ہے۔

پس جبکہ آدمی اس غرض سے بھوکا رہے گا کہ شوکت و صولت نفس ٹوٹے اور ہم میں غذائے روحانی کی قابلیت واستعداد قریب پیدا ہو۔ اور اس طرح ہم کو غذائے روحانی مل جائے تو جس قدر بھوک سے اُسے تکلیف ہوگی اسی قدر اسکی یہ خواہش بڑھے گی اور اتنا ہی غذائے روحانی کا انتظار بڑھے گا۔ فاندفع الاشکال۔

در جواب آں مغفل که گفته است که خوش بودے ایں جہاں اگر
اُس بیوقوف کا جواب جس نے کہا ہے کہ یہ جہان کیا ہی اچھا ہوتا اگر

مرگ نبودے وخوش بودے ملکِ دنیا اگر زوالش نبودے
موت نہ ہوتی اور دنیا کی سلطنت اچھی ہوتی اگر اس کا زوال نہ ہوتا

وَعَلٰی هٰذِهِ الْوَتِیْرَةِ مِنَ الْفُشَارَاتِ
اور اسی طرح کی بکواسیں

آں[1] یکے میگفت خوش بودے جہاں
ایک شخص کہتا تھا دنیا اچھی ہوتی

گر نبودے پائے مرگ اندر میاں
اگر موت کا پاؤں درمیان میں نہ ہوتا

آں دگر گفت ار نبودے مرگ ہیچ
دوسرے شخص نے کہا اگر موت بالکل نہ ہوتی

کہ نیرزیدے جہانِ پیچ پیچ
تو پرپیچ دنیا ایک تنکے کی نہ ہوتی

خرمنے بودے بدشت افراشتہ
جنگل میں ابھرا ہوا ایک کھلیان ہوتا

مُہمل وناکوفتہ بگذاشتہ
بیکار بغیر گہائے ہوئے چھوڑا ہوا

[1] آں یکے۔ یہ بیوقوف دنیا کی ابدی زندگی کا شائق تھا۔ آں دگر۔ دوسرا شخص جو عقلمند تھا اس نے کہا کہ دنیا کی زندگی تو محض اس لئے ہے کہ یہاں آدمی کچھ اچھے کام کرے جو آخرت کی ہمیشہ کی زندگی میں کام آئیں اگر موت نہ ہو اور آخرت تک نہ پہنچا جائے تو پھر دنیا کے اعمال کی شان تو ایسی کھلیان کی سی ہے جو بغیر قابل نفع بنائے جنگل میں چھوڑ دیا جائے۔

مرگ را تو زندگی پنداشتی
تو نے موت کو زندگی سمجھ

تخم را در شورہ خاکے کاشتی
بیج کو شور زمین میں بو دیا

عقلِ کاذب ہست خود معکوس بیں
جھوٹی عقل خود الٹ دیکھنے والی ہے

زندگی را مرگ بیند آں غبیں
وہ پاگل، زندگی کو موت سمجھتی ہے

اے خدا بنمای تو ہر چیز را
اے خدا! تو ہر چیز کو دکھا دے

آنچنانکہ ہست در خدعہ سرا
جس طرح کہ وہ دھوکے کے گھر میں ہے

ہیچ مردہ نیست پُر حسرت ز مرگ
کوئی مرنے والا موت پر حسرت سے پُر نہیں ہو

حسرتش آنست کش کم بود برگ
اس کی یہ حسرت ہے کہ اس کا توشہ کم ہے

ورنہ از چاہے بصحرا اوفتاد
ورنہ وہ کنوئیں سے جنگل میں آگیا

درمیانِ دولت و عیش و گشاد
دولت اور عیش اور خوشی میں

زیں مقامِ ماتم و تنگیں مناخ
اس غم کی جگہ اور تنگ ہاڑے سے

نقل افتادش بصحرائے فراخ
وہ وسیع جنگل میں منتقل ہوگیا

مقعدِ صدقے نہ ایوانِ دروغ
سچائی کا ٹھکانا، نہ جھوٹ کا قلعہ

بادۂ خاصی نہ مستی زدوغ
خصوصی شراب، نہ کہ چھاچ کی مستی

مقعدِ صدق و جلیسِ حق شدہ
سچائی کی مجلس اور اللہ (تعالیٰ) کا ہم نشین ہوگیا

رستہ زیں آب و گلِ آتشکدہ
آتشکدہ کے اس آب و گل سے چھوٹا ہوا

ورنہ کردی زندگانیِ منیر
اگر تو نے منور زندگی بسر نہیں کی ہے

یکدو دم ماندست مردانہ بمیر
ایک دو سانس باقی رہے ہیں مردانہ موت اختیار کر

لـــه مرگ۔ اخروی زندگی کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی بمنزلہ موت ہے جس کو زندگی سمجھنا بے وقوفی ہے۔ یعنی وہ شخص جس کے حواس سلم نہیں۔ دے خدا تعالیٰ حق نافس نیاکی چیزوں کو بالعکس دکھاتی ہے۔

لـــه ماتم۔ دنیا ماتم کدہ ہے نقل۔ مرنے کے بعد انسان آخرت کے وسیع مقام پر منتقل ہو جاتا ہے۔ مقعدِ صدق۔ قرآن پاک میں ہے اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ جو لوگ پرہیزگار ہیں باغوں اور نہروں میں سچی جگہ میں قادر بادشاہ کے مقرب ہوں گے۔
ورنہ کردی۔ اگر تو اب تک آخرت کی تیاری نہیں کر سکا اب کر لے اور موت سے پہلے مردانہ موت اختیار کر لے۔
رستہ ز آب و گل۔ اب یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت حق کے قرب میں کیا کیا نعمتیں حاصل ہوں گی۔

بقیہ صـــ ۱۲۲
لـــه شہر آور۔ ظاہری گھٹیا روزی پر اکتفاء نہ کرو بلند ہمت رکھو بلند منزل پر اللہ کا نور جلد پہنچتا ہے آفتاب کی روشنی سب سے پہلے پہاڑ کی بلند چوٹی پر پڑتی ہے۔ وہ حجاب یہاں سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ معنوی روزی عالم بالا سے متعلق ہے اور یہ دنیا کی روزی بہت گھٹیا چیز ہے عالم بالا اور معنوی روزی کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی اور یہاں کی روزی کو پسند کرنا حماقت کی بات ہے۔ گفتار بکواس۔

شرح

جب تم کو مضمون بالا سے معلوم ہوگیا کہ دنیا ہیچ ہے اور اصل شئے آخرت ہے اور انقطاع تعلق دنیا اور موتِ جسمانی پر افسوس نہ ہونا چاہیئے۔

تو اب ایک واقعہ سنو۔ جس سے مضمون بالا کا مزید ثبوت ہو وہ یہ کہ ایک شخص

لـــه خدا تعالیٰ کو ہمیں حالت میں ہمیں دکھا دے۔ یعنی جب مرنے پر دنیا اور عقبیٰ کی حقیقت کُھل جاتی ہے
تو وہ مرنے پر افسوس نہیں کرتا بلکہ اپنے اعمالِ حسنہ کی کمی پر افسوس کرتا ہے۔

کہہ رہا تھا کہ دنیا بڑے مزے کی چیز ہوتی بشرطیکہ موت کو اسسے تعلق نہ ہوتا چونکہ اس بیان سے حیات جسمانی کی فضیلت اور موت کی برائی ظاہر کی گئی تھی جو کہ خلاف واقع تھی اسلئے دوسرے شخص نے اس کہنے والے کو اس کی غلطی پر متنبہ کیا اور کہا کہ یہ تمہاری غلطی ہے کیونکہ دنیا اور جسمانی زندگی میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ موت ہی کے سبب ہے

ورنہ اگر موت بالکل نہ ہوتی۔ تو دنیا کوڑی کے کام کی نہ تھی۔ کیونکہ دنیا میں خیر و شر مخلوط ہیں ان کا امتیاز موت سے ہوگا اور اعمال حسنہ اسی وقت قابل انتفاع ہوں گے جب آدمی مریگا اور اس عالم سے اس کا تعلق منقطع ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر موت نہ ہوتی اور دنیا میں خلود ہوتا تو اسکی ایسی مثال ہوتی جیسے کھیت میں غلہ کا انبار لگا ہوا ہو۔ اور وہ بے کار اور بے گاہا ہوا پڑا ہو۔ جس میں گیہوں اور بھوسہ ہر دو مخلوط ہوں اور اس وجہ سے گیہوں ناقابل انتفاع ہوں اسلئے دنیا بالکل لغو اور بیکار شے ہوتی۔ پس ثابت ہوا کہ موت دنیا کے اندر خوبی پیدا کرنے والی ہے نہ کہ اسکے خوبی کو کھونے والی۔ تم جو حیات دنیوی کو جو کہ حقیقت موت ہے زندگی سمجھ رہے ہو۔ یہ ایک فعل عبث اور حرکت لایعنی کرتے ہو اور گویا کہ زمین شور میں بیج بوتے ہو۔

(فائدہ مرگ را تو زندگی پنداشتی الخ کی تقریر یوں بھی کہی جا سکتی ہے کہ تم چونکہ حیات جسمانی کو جو کہ فی الحقیقت موت ہے زندگی سمجھتے ہو اور اسلئے اس کی بقا کی تمنّا اور موت سے نفرت کرتے ہو اسلئے لازم ہے کہ جو اعمال تم کرو۔ وہ محض فضول کرتے ہو کیونکہ نتیجہ تو ان کا موت سے ظاہر ہوگا اور موت تم چاہتے نہیں تو ان کا عبث ہونا لازم اس تقدیر پر یہ دوسرا عنوان ہوگا قائل کی تحمیق و تجہیل کا۔ ہٰذا ہوالاوجہ عندی واللہ اعلم بالصواب)

یہاں تک اس مضمون کو ختم کر کے مولانا فرماتے ہیں کہ اس قائل کو حقیقی عقل حاصل نہیں جو اشیاء کو علیٰ ما ہی علیہ دکھلاتے تھے بلکہ اسکو عقل کا ذب حاصل ہے یعنی ایک ایسی حس اسکو حاصل ہے جو حقیقت میں عقل نہیں بلکہ عقل کے مشابہ ہے اور عقل

کاذب کا خاصہ ہے کہ وہ اشیاء کو الٹی دیکھتے ہیں اسلئے وہ مُبتلائے خسارہ شخص زندگی کو موت اور موت کو زندگی سمجھتا ہے۔ یہ وجہ ہے اسکی اس غلط خیالی کی۔

اُس کے بعد مناجات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو ہم کو حقیقی عقل عطا فرما۔ اور اس فریب کے گھر دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس کو ایسا دکھلا جیسے کہ وہ واقع میں ہے تاکہ ہم اس شخص کی طرح غلطی میں پڑکر خسارہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

مناجات سے فارغ ہو کر پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ اگر واقع میں موت حیات ہے اور حیات موت تو مُردوں کو زندگی کی حسرت کیوں ہوگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مُردوں کو زندگی کی حسرت موت کے سبب نہ ہوگی اور اس کا منشاء یہ نہ ہوگا کہ موت بُری شے ہے اور زندگی اچھی چیز۔ بلکہ اسکی وجہ یہ ہوگی کہ مرنے کے بعد اُسے موت کی خوبی ظاہر ہوگی اور اسکے اعلیٰ ثمرات کا حصول اعمال حسنہ پر موقوف ہوگا۔ پس اس کو اپنے اعمال کی کمی پر افسوس ہوگا اور وہ کہے گا کہ اگر کچھ اور دنوں زندہ رہتے تو ہمیں مرکر زیادہ فائدہ ہوتا۔ لیکن اگر یہ افسوس نہ ہو تو صرف حیات جسمانی کے زوال اور دنیا کے چھوٹنے کا کچھ بھی غم نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو کنوئیں سے نکل کر لق و دق میدان میں دولت اور عیش اور خوشی میں پہنچا ہے اور تو مقام رنج و غم اور جائے تنگ سے ایک وسیع جنگل میں منتقل ہوا ہے جو کہ اس کا اصلی اور باقی رہنے والا ٹھکانہ ہے اور دنیا کی طرح جھوٹا گھر نہیں ہے اور جو کہ اصلی شراب کی طرح مستی واقعیہ رکھتا ہے اور مٹی کی طرح اس کی مستی بے حقیقت نہیں اور وہ تو اصلی اور واقعی مقام میں خدا کا مقرب ہے اور اس آب و گل (عالم ناسوت) سے جس کو محل آلام و تکالیف ہونے کی وجہ سے آتش کدہ کہنا مناسب ہے، چھوٹا ہے پھر اسے جینے کی حسرت اور موت کا رنج کیونکر ہو سکتا ہے۔

پس تم کو دنیا پر خاک ڈال کر اپنی آخرت سنوارنا چاہیئے۔ اگر تم اب تک دُنیا میں اعلیٰ درجہ کی زندگی نہیں جیئے ہو تو خیر کچھ سانس باقی رہ گئے ہیں انہی میں اپنی

حالت درست کرلو۔ اور اہل اللہ کی موت مَرو۔ حق سبحانہٗ کی رحمت بہت وسیع ہے وہ اس حالت میں بھی تم پر رحمت کریں گے پس تم کو مایوس نہ ہونا چاہیئے اور اسلیئے رحمت کا امیدوار رہنا چاہیئے اس وقت تم کو ایک واقعہ سُناتے ہیں جس سے حق سبحانہٗ کی رحمت کی وسعت اور امید رحمت کی فضیلت ظاہر ہوگی سُنو!

فِیمَا یُرْجیٰ مِنْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ تَعَالیٰ مُعْطِی النِّعَمِ قَبْلَ اِسْتِحْقَاقِھَا
اُس اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید کے بیان میں جو استحقاق سے پہلے ہی نعمتیں عطا کرتا ہے

وَھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَرُبَّ بُعْدٍ
وہ وہی ہے جو بارش برساتا ہے لوگوں کی مایوسی کے بعد اور بہت سی دوریاں ہیں

یُوْرِثُ قُرْبًا وَرُبَّ مَعْصِیَۃٍ مَیْمُوْنَۃٍ وَرُبَّ سَعَادَۃٍ تَاْتِیْ
جو قرب پیدا کردیتی ہیں اور بہت سے گناہ ہیں جو مبارک ہیں اور بہت سی سعادتیں ہیں

مِنْ حَیْثُ یُرْجَی النِّقَمُ لِیَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یُبَدِّلُ سَیِّئَاتِھِمْ حَسَنَاتٍ
جو اس جگہ سے حاصل ہوجاتی ہیں جہاں سے عذاب کی توقع ہوتی ہے تاکہ وہ جان لیں بیشک اللہ تعالیٰ انکی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیتا ہے

در حدیث آمد کہ روزِ رستخیز ۔۔۔ امر آید ہر یکے تن را کہ خیز
حدیث (شریف) میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ۔۔۔ ہر جسم کو حکم ہوگا کہ اُٹھ

نفخِ صور امرست از یزدانِ پاک ۔۔۔ کہ برآرید اے ذرائر سر ز خاک
صُور کا پھونکنا خدائے پاک کا حکم ہے ۔۔۔ کہ اے چیونٹیو! مٹی سے سر ابھارو

باز آید جانِ ہر یک در بدن ۔۔۔ ہمچو وقتِ صبح ہوش آید بتن
ہر ایک جان جسم میں واپس آجائے گی ۔۔۔ جس طرح صبح کے وقت جسم کو ہوش آجاتا ہو

جانِ تن خود را شناسد وقتِ روز ۔۔۔ در لباسِ خود در آید با فروز
دن کے وقت روح اپنے جسم کو پہچان لیتی ہے ۔۔۔ رونق کے ساتھ اپنے لباس میں آجائے گی

جسمِ خود بشناسد و در وے رود ۔۔۔ جانِ زرگر سوئے درزی کے رود
اپنے جسم کو پہچان لیتی ہے اور اسمیں چلی جاتی ہے ۔۔۔ سونار کی روح، درزی کی جانب کب جاتی ہے؟

جانِ عالِم سوئے عالِم میرود ۔۔۔ روحِ ظالم سوئے ظالم میرود
عالم کی روح عالم کی جانب جاتی ہے ۔۔۔ ظالم کی روح ظالم کی جانب جاتی ہے

کہ شناسا کرد شاں علمِ الٰہ ۔۔۔ چونکہ برّہ و میش وقتِ صبحگاہ
کیونکہ اُن کو علمِ خداوندی نے شناسا بنادیا ہے ۔۔۔ جس طرح کہ بھیڑ کا بچہ اور بھیڑ صبح کے وقت

پائے کفشِ خود شناسد در ظُلَم ۔۔۔ چوں نداند جانِ تن خود اے صنم
اندھیروں میں پاؤں اپنے جوتے کو پہچان لیتا ہے ۔۔۔ اے صنم! روح اپنے جسم کو کیوں نہ پہچانے گی؟

ورُبّ بُعد: بعض بعد اتفاق فراق وصال کا سبب بن جاتا ہے۔ ورُبّ معصیۃ: بہت سے گناہ بابرکت ثابت ہوجاتے ہیں۔ اِنّ اللہ: اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی برائیوں کو بھلائیوں میں تبدیل کردیگا۔ رستخیز: یعنی روزِ قیامت و برخاستن۔ نفخ صور: پہلا نفخ صور سے مُردے زندہ ہوجائیں گے۔ ذرائر: ذرّہ کی جمع ہے چھوٹی چیونٹی۔

ہمچو: جس طرح نیند سے انسان بیدار ہوتا ہے سب زندہ ہوجائیں گے۔ جان: جسم ہوتے ہی روح جسم میں آجاتی ہے اور جسم کا لباس پہچانتی اور اپنے جسم کو خوب پہچان لیتی ہے کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی کی روح کسی دوسرے کے جسم میں آجائے۔

جانِ عالم: عالم کی روح عالم میں، ظالم کی روح ظالم میں پہنچ جاتی ہے۔ کہ شناسا: ہر روح اپنے جسم کو اُس علم کے ذریعہ پہچان لے گی جو خدا نے اُس کو عطا کیا ہے جس طرح کہ بھیڑ اور اُس کا بچہ ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ پائے: پاؤں اندھیرے میں اپنے جوتے کو پہچان لیتا ہے۔ صبح: انسان کا نیند سے صبح کو بیدار ہوکر اٹھنا چھوٹا حشر ہے اسی سے بڑے حشر کو سمجھو۔

صبحِ حشرِ کوچک است اے مستجیر — حشرِ اکبر را قیاس از وے بگیر
اے پناہ کے طالب! صبح چھوٹی قیامت ہے — بڑی قیامت کو اُس پر قیاس کر لے

آنچناں کہ جاں بپرد سوئے طیں — نامہ پرّد تا یسار و تا یمیں
جس طرح روح جسم کی مٹی کی طرف پرواز کرتی ہے — اعمالنامہ بائیں اور دائیں جانب سے پرواز کریگا

در کفش بنہند نامہ بخل و جود — فسق و تقویٰ آنچہ دے خو کردہ بود
اُس کے ہاتھ میں دیدیں گے بخل اور سخاوت کا اعمالنامہ — بدکاری اور تقویٰ جس کی اُس کو عادت تھی

چوں شود بیدار از خواب او سحر — باز آید سوئے او آں خیر و شر
جب وہ صبح کے وقت بیدار ہوگا — وہ بھلا اور بُرا اس کی جانب واپس آجائے گا

گر ریاضت دادہ باشد خوئے خویش — وقتِ بیداری ہماں آید بہ پیش
اگر اُس نے اپنی عادت کی اصلاح کرلی ہوگی — بیداری کے وقت وہی سامنے آئے گی

ور بُد اُو دی خام و زشت و در ضلال — چوں عزا نامہ سیہ یابد شمال
اگر وہ کل کچا اور بھدّا اور گمراہی میں تھا — تو اُس کا بایاں ہاتھ تعزیت نامہ جیسا سیاہ اعمالنامہ پائیگا

ور بُد اُو دی پاک و با تقویٰ و دیں — چوں شود بیدار یابد در یمیں
اور اگر وہ کل پاک اور متقی اور دیندار تھا — جب بیدار ہوگا، دائیں ہاتھ میں پائے گا

ہست مارا خواب و بیداریِ ما — بر نشانِ مرگ و محشر دو گوا
ہمارا سونا اور جاگنا ہمارے لئے — دو گواہ ہیں موت اور محشر کی علامت پر

حشرِ اصغر حشرِ اکبر را نمود — مرگِ اصغر مرگِ اکبر را زدود
چھوٹی قیامت نے بڑی قیامت دکھادی — چھوٹی موت نے بڑی موت کو مانجھ دیا

لیک ایں نامہ خیال است و نہاں — واں شود در حشرِ اکبر بس عیاں
لیکن یہ اعمالنامہ خیالی اور پوشیدہ ہے — اور وہ بڑی قیامت میں واضح ہوگا

ایں خیال اینجا نہاں پیدا اثر — زیں خیال آنجا بروید صُوَر
یہ خیال یہاں چھپا ہوا ہے، اثر پیدا ہوگا — اِس خیال سے اُس جگہ صورتیں اُگیں گی

در مُہندس بیں خیالِ خانۂ — در دلش چوں در زمینے دانۂ
انجینیر میں کسی گھر کا تصوّر دیکھ — اُس کے دل میں اِس طرح جیسے زمین میں دانہ

آں خیال از اندروں آید بروں — چوں زمیں کہ زاید از تخمِ دروں
وہ خیال اندر سے باہر آجائے گا — جس طرح زمین اندر کے بیج اُگا دیتی ہے

ہر خیالے کو کُند در دل وطن — روزِ محشر صُورتے خواہد شدن
ہر خیال جو دل میں وطن بناتا ہے — قیامت کے دن ایک صورت بنے گا

• تو اُس کا اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ ہست۔ ہمارا سونا اور پھر بیدار ہونا ہمارے مرنے اور پھر قیامت میں زندہ ہوجانے کے گواہ ہیں۔

آنچناں۔ قیامت میں جس طرح روح جسم کی جانب پرواز کرکے آئے گی اسی طرح اعمالنامے دائیں اور بائیں جانب سے پرواز کرکے انسانوں کے پاس آجائینگے۔
در کفش۔ فرشتے ہر انسان کے ہاتھ میں اُس کی نیکیوں اور گناہوں کے اعمالنامے پکڑا دیں گے۔ چوں شود۔ جب صبح محشر کو انسان موت کی نیند سے بیدار ہوگا اُس کی ہر خیر و شر اُس کے پاس پہنچ جائے گی۔
گر ریاضت۔ اگر اُس نے مجاہدہ کرکے نیک عادت بنالی ہوگی تو صبح محشر میں وہ اُس کے سامنے آئے گی اور اگر وہ کل یعنی دنیا میں خام اور بدخصلت اور گمراہ تھا تو اُس کا سیاہ اعمالنامہ اُس کے بائیں ہاتھ میں آجائے گا۔
ور بُد۔ اگر انسان نیک تھا •
حشرِ اصغر یعنی سو کر بیدار ہونا۔ حشرِ اکبر یعنی قیامت میں زندہ ہونا۔ مرگِ اصغر یعنی سونا۔ مرگِ اکبر یعنی مرنا۔
لیک۔ دنیا میں جو اعمالنامہ فرشتے تیار کررہے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ ہے قیامت میں وہ ظاہر ہوجائے گا۔
ایں خیال۔ یہ اعمالنامہ یہاں پوشیدہ ہے لیکن اُس کا اثر ظاہر ہوکر رہیگا۔
در مہندس۔ اُس کی یہ مثال ہے کہ انجینیر کے دل کے خیالات آخر میں صورتیں اختیار کرلیتے ہیں۔
آں خیال۔ انسان کے اندرونی خیالات ظاہری صورت اختیار کریں گے

چوں خیالے آں مُہندِس در ضمیر — چوں نبات اندر زمینِ دانہ گیر
جیسا کہ اُس انجینیر کے دل کا خیال — جس طرح کہ دانہ قبول کرنے والی زمین میں پودا

مُخلصم زیں ہر دو محشر قصہ نیست — مُومناں را در بیانش حصہ ایست
ان دونوں محشروں (کے بیان) میں میرا مقصد قصہ (گوئی) ہے — مومنوں کے لئے اُس کے بیان میں ایک حصہ ہے

چوں برآید آفتابِ رستخیز — بر جہند از خاک خوب و زشت تیز
جب قیامت کے دن سورج طلوع کرے گا — اچھے اور بُرے بھی مٹی سے اُٹھ کھڑے ہوں گے

سُوئے دیوانِ قضا پویاں شوند — نقدِ نیک و بد بکورہ در روند
فیصلہ کی کچہری کی طرف دوڑیں گے — نیک اور بد کی نقدی بھٹی میں چلی جائے گی

نقدِ نیکو شادمان و نازناز — نقدِ قلب اندر زحیر و در گداز
… کی نقدی خوش اور پُر ناز ہوگی — کھوٹی نقدی پیچ و تاب اور پگھلنے میں ہوگی

لحظہ لحظہ امتحانہا می رسد — سِرِّ دلہا می نماید در جسد
دم بدم امتحانات … ہوں گے — دلوں کا راز جسم میں نمایاں ہو جائے گا

چوں قندیل آبے روغن گشتہ فاش — یا چو خاکے کہ بروید سبزہ باش
جس طرح لالٹین کا تیل یا پانی واضح ہو جاتا — یا وہ زمین جو سبزے اُگا دیتی ہے

از پیاز و زعفران و کوکنار — سبزی پیدا کند دشتِ بہار
پیاز اور زعفران اور خشخاش — (موسم) بہار کا جنگل سبزی اُگا دیتا ہے

آں یکے سرسبز نحنُ المتقون — واں دگر ہم چوں بنفشہ سرنگوں
ایک سرسبز ہوگا (کیونکہ وہ) ہم پرہیزگار ہیں (کہیں گے) — دوسرا بھی بنفشہ کی طرح سر جھکائے ہوگا

چشمہا بیروں جہیدہ از خطر — گشتہ دہ چشمہ زبیمِ مستقر
خطرے سے آنکھیں باہر نکلی ہوئی ہوں گی — ٹھکانے کے ڈر سے آنکھ (دس آنکھیں) بنی ہوئی ہوگی

باز ماندہ دیدہا در انتظار — تا کہ نامہ نایدا ز سُوئے یسار
انتظار میں آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی — تاکہ اعمالنامہ بائیں جانب سے نہ آجائے

چشم گرداں سُوئے چپ و سُوئے راست — زانکہ نبود بخت نامہ راست کاست
آنکھیں بائیں جانب اور دائیں جانب گھومتی ہوں گی — اس لئے کہ دائیں اعمالنامہ کا نصیب گھٹا ہوا نہ ہو

چشم گرداں سُوئے راست و سُوئے چپ — زانکہ نبود بخت نامہ راست زپ
آنکھیں دائیں جانب اور بائیں جانب گھومتی ہوں گی — تاکہ دائیں اعمالنامہ کا نصیب رائیگاں نہ ہو

نامہ آید بدستِ بندہ — سر سیہ از جرم و فسق آگندہ
ایک بندہ کے ہاتھ میں اعمالنامہ آئے گا — جو جُرموں سے کالا اور فسق سے پُر ہوگا

اندر و یک خیر و یک توفیق نے — جُز کہ آزارِ دلِ صدیق نے
اس میں ایک بھلائی اور ایک توفیق نہ ہوگی — سوائے سچے بندے کی دل آزاری کے کچھ نہ ہوگا

جس طرح زمین کے اندر کا بیج درخت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ہر خیالے انسان کے خیالات اور اغراض قیامت میں صورتیں اختیار کریں گے اور جوہر بن جائیں گے۔ مخلصم یہ دونوں محشروں کا محض قصہ بیان نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ مومنوں کے لئے بطور عبرت ان کو ذکر کیا گیا ہے۔

سوئے۔ ہر نیک و بد زندہ ہو کر عدالت میں بھاگ کر پہنچ جائے گا۔ کُورہ۔ بھٹی۔ زحیر۔ پیچش۔ لحظہ۔ عدالت میں پہنچنے کے بعد امتحانات شروع ہو جائیں گے اور چھپے ہوئے راز ظاہر ہو جائیں گے۔ چوں۔ دل کے راز اسی طرح ظاہر ہو جائیں گے جس طرح لالٹین کے اندر کے تیل یا پانی کا پتہ

… ین جاتا ہے اگر تیل ہوتا ہے تو بتی آگ پکڑ لیتی ہے یا بھڑ اٹھنے سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کے اندر کیا نشانی ہے

آں یکے۔ اگر انسان میں تقویٰ ہے تو اس پر سرسبزی نمودار ہو جائے گی اور اگر بدکار ہے تو بنفشہ کی طرح سرنگوں ہو جائے گا۔ چشمہا۔ خوف سے آنکھیں دس چشمے بن جائیں گی کیونکہ بُرا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ چشم گرداں۔ ہر شخص دائیں بائیں نظریں گھمائے گا کہیں اس کا اعمالنامہ بائیں ہاتھ والا نہ ہو جو مجرموں کا ہوگا۔ نامہ۔ کسی شخص کے ہاتھ ایسا اعمالنامہ آئے گا تو پورا سیاہ ہوگا جس میں بُرائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہ ہوگی۔ تنبک زدن۔ تالی بجانا۔

آں زلق۔ اس گنہگار نے جو چھیڑیں اور مسخریاں کی ہیں وہ سب اس اعمالنامے میں درج ہوں گی اور اس کا

پُر ز سر تا پائے زشتی و گناہ
شروع سے آخر تک بُرائی اور گناہ سے بھرا ہوا

تسخُر و خنبک زدن بر اہلِ راہ
راہ (طریقت) کے اہل کا مذاق اُڑانے اور تالیاں پیٹنے

آں[1] دغل کاری و دُزدیہائے اُو
اُس کی مکاری اور چوریوں سے

واں چو فرعوناں انا و انائے او
اُس کی فرعونوں کی سی انانیت اور تکبر سے

چوں بخواند نامۂ خود آں ثقیل
جب وہ بوجھل اپنے اعمالنامہ کو پڑھے گا

داند اُو کہ سوئے زنداں شُد رحیل
وہ جان جائے گا کہ قیدخانہ کی جانب کوچ ہوا

پس رواں گردد چو دزداں سوئے دار
تو وہ ڈاکوؤں کی طرح سولی کی جانب روانہ ہو جائیگا

جرم پیدا بستہ راہِ اعتذار
قصور کھلا ہوا اور معذرت کی راہ بند ہو گی

آں[2] ہزاراں حُجت و گفتارِ بد
وہ ہزاروں دلیلیں اور بڑے بول

بر دہانش گشتہ چوں مسمارِ بد
بڑی کیل کی طرح اُس کے مُنہ پر ہو گئے

رخت[3] دُزدی در تن و در خانہ اش
چوری کا سامان، بدن پر اور اُس کے گھر میں

گشت پیدا گم شُدہ افسانہ اش
کُھل گیا، اُس کا قصہ ختم ہو گیا

پس رواں گردد بزندانِ سعیر
تو وہ دوزخ کے قیدخانہ کی جانب روانہ ہو گا

کہ نباشد خار را از آتش گزیر
کیونکہ کانٹے کے لئے آگ کے سوا چارہ نہیں

چوں مُوکل آں ملائک پیش و پس
فرشتے سپاہی کی طرح آگے اور پیچھے

بُودہ پنہاں گشتہ پیدا چوں عسس
چھپے ہوئے تھے، کوتوال کی طرح ظاہر ہو گئے

میبرندش[4] میسپارندش بہ نیش
اُس کو لے جائیں گے اُس کو عذاب کے سپرد کر دیں گے

کہ برو اے سگ بکہدانہائے خویش
کہ اے کُتے! اپنے پاخانوں میں جا

میکشد پا بر سرِ ہر راہ اُو
وہ ہر راستہ پر پاؤں کھینچتا ہے

تا بُود کہ بر جہد زاں چاہ اُو
شاید کہ وہ اس کنوئیں سے کود بھاگے

منتظر می ایستد تن میزند
اِنتظار میں کھڑا ہو جاتا ہے چُپ سادھ لیتا ہے

بر امیدے روئے واپس می کند
کسی اُمید پر مُڑ کر دیکھتا ہے

اشک میبارد چو بارانِ خزاں
(موسم) خزاں کی بارش جیسے آنسو بہاتا ہے

خشک اُمیدے چہ دارد اُو جز آں
وہ سوائے اُس کے اور کیا خشک اُمید رکھتا ہو؟

ہر زمانے روئے واپس میکند
وہ ہر وقت مُڑ کر دیکھتا ہے

رو بدرگاہِ مقدس میکند
درگاہِ مقدس کی طرف رجوع کرتا ہے

پس[5] ز حق امر آید از اقلیمِ نور
نور کے عالم سے اللہ کی جانب سے حکم آئیگا

کہ بگوئیدش کہ اے بطالِ عُور
اُس سے کہدو کہ اے جھوٹے، ننگے!

انتظارِ چیستی اے کانِ شر
اے شر کی کان! کاہے کا انتظار ہے؟

رُو چہ واپس میکنی اے خیرہ سر
اے بیہودہ! مُڑ کر کیوں دیکھتا ہے؟

تکبر و غرور بھی لکھا ہوا ہوگا۔ ثقیل۔ یعنی گناہوں سے بھاری۔ رحیل۔ کوچ۔ جرم سامنے کے تمام گناہ کھلے ہوئے ہوں گے اور معذرت کا راستہ بند ہوگا۔

[2] آں ہزاراں۔ گنہگاروں کے بارے میں قرآن میں ہے اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ آج ہم اُن کے مُنہ پر مُہر لگا دیں گے اور ہم سے اُن کے ہاتھ گفتگو کریں گے اور اُن کے کارناموں پر اُن کے پاؤں گواہی دیں گے:

[1] رختِ دزدی۔ جب چور کے گھر میں سے چوری کا سامان برآمد ہو جائے تو ثبوت مکمل ہو جاتا ہے۔ سعیر۔ جہنم۔ کہ نباشد۔ خاردار جھاڑیاں جلانے ہی کے کام آتی ہے۔ چوں مؤکل جو فرشتے پہلے اُس سے پوشیدہ تھے اب کوتوال کی طرح اُس پر مسلط ہوں گے۔

[4] می برندش۔ وہ فرشتے اُس کو جہنم کی طرف لیجائیں گے نیش۔ یعنی عذاب۔ کہدانہا۔ یعنی جہنم میں جو اُس کا مقام ہے۔ تن کشد۔ وہ جہنم کی طرف جانے سے رکے گا اور کسی اُمید پر مُڑ مُڑ کر دیکھے گا بارانِ خزاں۔ موسم خزاں کی بارش بیکار ہوتی ہے۔ رو آورد بدرگاہ۔ وہ مُڑ مُڑ کر اللہ تعالٰی کے دربار کو دیکھے گا۔

[5] پس ز حق۔ اُس گنہگار کے لئے عالم قدس سے خطاب ہوگا کہ اے جھوٹے، اعمال صالحہ سے ننگے مُڑ مُڑ کر کیوں دیکھتا ہے کس چیز کا انتظار ہے تیرا اعمالنامہ تیرے ہاتھ میں آچکا

نامہ آمد در کفت از دست بد ... اے خدا آزار و اے شیطاں پرست

تیرا وہی اعمالنامہ ہے جو تیرے ہاتھ میں آگیا ... اے خدا دشمن اور اے شیطان کے پجاری!

چوں بدیدی نامۂ کردار خویش ... چہ نگری پس بیں جزای کار خویش

جبکہ تو نے اپنے عمل کا اعمالنامہ دیکھ لیا ... پیچھے کیا دیکھتا ہے؟ اپنے کام کی جزاء دیکھ

بیہدہ چہ مول مولے میزنی ... در چنیں چہ کو اُمیدِ روشنی

بالکل بیہودہ ٹال مٹول کرتا ہے ... ایسے کنویں میں روشنی کی کیا اُمید ہے؟

نے ترا از روئے ظاہر طاعتے ... نے ترا در سِر و باطن نیتے

نہ تیرے پاس ظاہر کے اعتبار سے کوئی عبادت ہے ... نہ تیرے پاس پوشیدہ اور چھپی ہوئی کوئی نیت ہے

نے ترا در شب مُناجات و قیام ... نے ترا در روز پرہیز و صیام

نہ تیرے پاس رات کی سرگوشی اور کھڑا رہنا ہے ... نہ تیرے پاس دن کی پرہیزگاری اور روزہ رکھنا ہے

نے ترا حفظِ زباں ز آزارِ کس ... نے نظر کردن بعبرت پیش و پس

نہ تیرے پاس کسی کو ستانے سے زبان کو محفوظ رکھنا ہے ... نہ عبرت کے لئے آگے اور پیچھے دیکھنا ہے

پیش چہ بُود یادِ مرگ و نزعِ خویش ... پس چہ باشد مُردنِ یاران زپیش

آگے کیا ہوتا ہے؟ موت اور اپنی جان کنی ... پیچھے کیا ہوتا ہے؟ پہلے سے دوستوں کا مرنا

نے ترا بر ظُلم توبۂ پُر خروش ... اے دغا گندم نمائے وجو فروش

نہ تیرے پاس ظلم سے آہ بھری توبہ ہے ... اے دغاباز، گیہوں دکھانے والے اور جَو بیچنے والے

چوں ترازوئے تو کژ بُود و دغا ... راست چوں جوئی ترازوئے جزا

جبکہ تیری ترازو کج اور پُر (دغا) تھی ... تو جزا کی صحیح ترازو کو تو کیوں تلاش کرتا ہے؟

چونکہ پائے چپ بُدی در غدر و کاست ... نامہ چوں آید ترا در دستِ راست

جبکہ تو غداری اور گھٹانے میں بایاں پاؤں بنا ہوا تھا ... تو اعمالنامہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیسے آئیگا؟

چوں جزا سایہ است اے قدِ تو خم ... سایۂ تو کج فتد در پیش ہم

اے ٹیڑھے قد والے! جبکہ جزا تیرا سایہ ہے ... سامنے تیرا سایہ بھی ٹیڑھا پڑے گا

زیں قبل آید خطاباتِ دُرشت ... کہ شود گہ را ازاں ہم کوز پُشت

اِس طرح کے سخت خطابات آئیں گے ... کہ اُس سے پہاڑ بھی کُبڑا ہو جائے گا

بندہ گوید آنچہ فرمودی بیاں ... صد چنانم صد چنانم صد چناں

بندہ کہے گا جو کچھ آپ نے بیان فرمایا ... میں اُس سے سَو گنا ہوں سَو گنا ہوں سَو گنا ہوں

خود تو پوشیدی بتر ہا را بحِلم ... ورنہ میدانی فضیحتہا بعلم

تُو نے خود بُردباری سے اِس سے بدتر کو پوشیدہ رکھا ... ورنہ تو رُسوائیاں کو علم کے ذریعہ جانتا ہے

لیک بیروں از جہاد و فعلِ خویش ... از ورائے خیر و شر و کفر و کیش

لیکن کوشش اور اپنے فعل کے علاوہ ... بھلائی اور بُرائی اور کفر و مذہب کے علاوہ

ہے اب بیکار ٹال مٹول ہو کوئی فائدہ نہیں ہے اب تجھے عذاب کے گڑھے میں جانا ہے وہاں روشنی کی کوئی امید نہیں ہے۔

لہ نے ترا۔ اللہ تعالیٰ اس گنہگار سے فرمائیگا کہ تیرے پاس کوئی عمل خیر ہے نہ رات عبادات کی نہ ان کے دن کا روزہ تو نے لوگوں کو زبان سے بھی ستایا اور ظالموں کے انجام سے عبرت حاصل نہ کی۔ پیش۔ آگے سے عبرت کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنے مرنے اور نزع کی کیفیت کا تصور کر کے عبرت حاصل کرتا اور پیچھے سے عبرت کا مطلب یہ ہے کہ جو تجھ سے پہلے مرے ہیں اُن سے عبرت حاصل کرتا۔

لہ توبہ۔ اگر گناہوں کا مسودہ بھی بھرا تھا تو اُن سے توبہ کر لیتا۔ چوں۔ جب تیرے عمل کی ترازو غلط تھی تو اب بدلے کی ترازو کیسے صحیح ہو سکتی ہے چونکہ بُرائی بائیں جانب منسوب ہوتی ہے۔ چوں جزا۔ جزا کی مثال سایہ کی سی ہے جب قد ٹیڑھا ہے تو سایہ ضرور ٹیڑھا ہوگا۔

لہ زیں قبل۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس گنہگار کو ایسے سخت جواب ملیں گے کہ ان سے پہاڑ بھی جھک جائے۔ بندہ گوید۔ اب یہ گنہگار جناب باری میں عرض کریگا کہ جو میری خطائیں بیان کی گئی ہیں میں اُن سے بھی سَو گنا خطاوار ہوں لیکن تیری رحمت اُن گناہوں سے بھی بڑھ کر ہے اور ان گناہوں کی بھی پردہ پوشی

وز نیازِ عاجزانہ خویشتن
اپنی عاجزانہ نیازمندی کے علاوہ

وز خیال و وہمِ من یا صد چو من
اپنے یا اپنے جیسے سیکڑوں کے خیال اور وہم کے

بودم[1] اُمیدے بمحضِ لطفِ تو
مجھے تیری مہربانی سے اُمید تھی

از ورائے راست باشی یا عتو
صحیح زندگی یا سرکشی کے علاوہ

بخششِ محضے ز لطفِ بے عوض
بغیر بدلے کی مہربانی سے خالص بخشش

بودم اُمید اے کریمِ بے غرض
اے بے غرض سخی! مجھے اُمید تھی

رُو پس کردم بداں محضِ کرم
میں اُس خالص کرم کی طرف مڑا

سوئے فعلِ خویشتن می ننگرم
میں اپنے عمل کو نہیں دیکھ رہا ہوں

سوئے آں اُمید کردم روئے خویش
اُس کرم کی جانب میں نے اپنا چہرہ کیا ہے

کہ وجودم دادۂ از پیش بیش
کہ تو نے مجھے پہلے وجود سے زیادہ، خود عنایت کیا

خلعتِ ہستی بدادی رائگاں
تو نے مفت وجود کا لباس عطا کیا

من ہمیشہ معتمد بودم براں
میں ہمیشہ اُس پر بھروسہ رکھتا تھا

چوں[2] شمارد جرمِ خود را و خطا
جب وہ اپنے جرم اور خطا گِنائے گا

محض بخشایش در آید در عطا
خالص بخشش، عطا میں لگ جائیگی

کاے ملائک باز آریدش بما
کہ اے فرشتو! اُس کو ہمارے پاس واپس لاؤ

کہ بدستش چشم و دل سوئے رجا
کیونکہ اُس کی آنکھ اور دل اُمید وار رعطا، ہیں

لا اُبالی وار آزادش کنیم
بے پروائی سے ہم اُس کو آزاد کردینگے

واں خطاہا را ہمہ خط بر زنیم
اور اُن سب خطاؤں پر قلم پھیر دیں گے

لا اُبالی مر کسے باشد مباح
بے پروائی اُس کے لیۓ مناسب ہے

کِش زیاں نبود ز جرم و از صلاح
جس کو نیکی اور بدی سے کوئی نقصان نہ پہنچے

آتشِ[3] خوش بر فروزیم از کرم
ہم کرم سے ایک اچھی آگ روشن کرینگے

تا نماند جرم و زلّت بیش و کم
تاکہ جرم اور لغزش نہ تھوڑی رہے نہ زیادہ

آتشے کز شعلہ اش کمتر شرار
وہ آگ جس کے شعلے کی چھوٹی سی چنگاری

می بسوزد جرم و جبر و اختیار
خطا اور جبر اور اختیار کو جلا ڈالے

شعلہ در بنگاہِ انسانی زنیم
ہم انسانی خیمہ گاہ میں آگ لگا دیں گے

خار را گلزارِ روحانی کنیم
کانٹے کو روحانی چمن بنا دیں گے

ما فرستادیم از چرخِ نہم
ہم نے نویں آسمان سے بھیجی ہے

کیمیا یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ
وہ تمہارے لیۓ تمہارے اعمال کی اصلاح کرتا ہے

خود[4] چہ باشد پیشِ نورِ مستقر
مستقل نور کے سامنے خود کیا ہے!

کرّ و فرِّ اختیارِ بوالبشر
ابوالبشر کے اختیار کی شان و شوکت

[1] بودم: میری اُمید تیرے اُس کرم سے وابستہ ہے جو کسی بھی بدلے اور غرض سے بے نیاز ہے میں مڑ مڑ کر تیرے اُس کرم کو دیکھتا ہوں اپنے اعمال اور افعال کو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ خلعتے: تو نے ہمیں وجود عطا کیا تھا وہ تیرا محض کرم تھا ورنہ اس سے پہلے ٹھیک اعمال کہاں تھے۔

[2] چوں شمارد: جب یہ گنہگار اپنی خطائیں گنائیگا تو خالص بخشش عطا شروع کردے گی۔ کاے: اللہ تعالےٰ ملائکہ کو حکم فرمائے گا کہ چونکہ اُس گنہگار نے ہماری بخشش سے امید وابستہ کی ہے لہٰذا اُس کو جہنم کی جانب سے واپس لے آؤ۔ لااُبالی: ہم اُس کی تمام خطائیں معاف کرتے ہیں اور ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ ہم بے پروا ہیں۔ بے پروا وہ ہوتا ہے جس کو کسی کی نیکی اور بدی سے کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔

[3] آتش خوش: ہم اپنے کرم کی وہ آگ جلائینگے جو تمام جرموں اور خطاؤں کو جلا کر خاکستر بنا دیگی۔ بنگاہ: خیمہ گاہ۔ یُصْلِحْ: قرآن پاک میں ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ اے مومنو اللہ سے پرہیزگاری عمل کرو اور ٹھیک بات کہو وہ تمہارے اعمال کو سدھار دیگا اور تمہارے گناہوں کو بخش دیگا۔

گوشت پارہ آلتِ گویائے اُو
گوشت کا ایک ٹکڑا اُس کے بولنے کا آلہ ہے

پیہ پارہ مَنظرِ بینائے اُو
چربی کا ٹکڑا اُس کے دیکھنے کا آلہ ہے

مِسمعِ اُو آں دو پارہ استخواں
ہڈی کے دو ٹکڑے اُس کے سننے کا آلہ ہیں

مُدرِکش دو قطرہ خوں یعنی جناں
خون کے دو قطرے یعنی دل اُسکے علم کا آلہ ہیں

کِرمَکیؔ وازقذر آگندہٗ
تو گندگی سے بھرا ہوا ایک کیڑا ہے

طمطراقے در جہاں افگندہٗ
تونے دنیا میں دھوم مچا رکھی ہے

از منی بُودی منی را واگذار
تو منی سے پیدا ہوا تھا، خودی کو چھوڑ

اے ایاز آں پوستیں را یاد دار
اے ایاز! اُس پوستین کو یاد رکھ

لہ خورد چہ باشد جس قدر افعالِ انسانی ہیں وہ مظہر صفات و اسماء باری تعالیٰ ہیں اور اس اعتبار سے اُن میں ایک نور ہے لیکن چونکہ اُن کا صدور بندہ کے اختیار سے ہوا ہے اِس عارض کی وجہ سے اُن میں جُرم و خطا کی صفت پیدا ہوگئی ہے جب حضرت حق تعالیٰ اپنے کرم سے اس اختیار کی نسبت کو محو فرما دیگا تو اُن کا نور واضح ہو جائیگا اور اُن افعال میں جُرم و خطا کی صفت باقی نہ رہے گی۔ گوشت۔ مولانا بندہ کے اِس اختیار کی حقارت اور ضعف کو ظاہر فرماتے ہیں اقوال میں بندہ کا اختیار محض ایک زبان کی وجہ سے ہے۔ پیہ۔ نظر کے گناہوں میں اختیار کا تعلق آنکھوں کی معمولی چربی سے ہے۔ مسمع۔ مسموعات میں اختیار محض کان کی دو ہڈیوں کی وجہ سے ہے۔ مدرکش۔ معلومات میں اختیار کا تعلق دل کے خون کے دو قطروں سے ہے یہ ہے بندہ کے اختیار کی حقیقت۔ لہ کرمکی۔ انسان منی جیسی نجس چیز سے بنا ہے جس نے دنیا میں اپنی طمطراق و شوکت بنا رکھی ہے۔ از منی جبکہ انسان اس قدر ناچیز ہے تو غرور و تکبر اس کے مناسب نہیں اس کو ایاز کی طرح اپنی اصل پر نگاہ رکھنی چاہیے۔

شرح

حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں ہر جسم کو حق تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اٹھو اور محاسبہ کے لیے تیار ہو۔ یعنی بروز قیامت نفخِ صور ہوگا جس سے مردے اُٹھیں گے اور یہ نفخِ صور میں خدا کا حکم ہے کہ اے منتشر ذرّو تم مجتمع ہو کر اپنی قبروں سے اٹھو۔ خیر تو اس وقت ہر ایک کی جان اپنے قالب میں چلی جائیگی اور یوں چلی جائیگی جیسے صبح کے وقت جسم میں ہوش آجاتا ہے جو کہ نیند کے سبب سے اس سے دُور ہوگیا تھا۔

دیکھو! جب دن ہوتا ہے تو جان اپنے جسم کو پہچان لیتی ہے اور اس میں چلی جاتی ہے وہ اپنے جسم کو پہچانتی اور اسی میں جاتی ہے نہ کہ دوسرے میں۔ چنانچہ سنار کی جان درزی کے قالب میں نہیں جاتی اور عالم کی جان عالم ہی کے جسم میں جاتی ہے اور ظالم کی رُوح ظالم ہی کے قالب میں جاتی ہے۔ کیونکہ حق سبحانہٗ کو ہر جسم اور ہر رُوح کا علم ہے اور اس نے اپنے علم سے ارواح کو بھی حصہ دیا ہے اور انکو ان کے اجسام سے واقف کر دیا ہے۔

اسلئے روح اور قالب کی ایسی مثال ہوگئی ہے جیسے بھیڑ کا بچہ اور بھیڑ کہ جب صبح ہوتی ہے تو ہر بچہ اپنی ہی ماں کی طرف دوڑتا ہے دوسری بھیڑ کی طرف نہیں جاتا۔ اجی گھپ اندھیرے میں پاؤں اپنے جوتے کو پہچان لیتا ہے تو روح اپنے جسم کو کیوں نہ پہچانے گی خود پہچانے گی ـــــ پس تم کو حشر اجساد پر کوئی اشکال نہ ہونا چاہیئے کیونکہ دنیا میں اسکے نظائر مشاہد ہیں چنانچہ صبح جس کو ہم ہر روز دیکھتے ہیں قیامت صغریٰ ہے پس قیامت کو بھی یوں ہی سمجھنا چاہیئے اور جاننا چاہیئے کہ جس طرح ہم اپنی خوابگاہوں سے اُٹھتے ہیں یوں ہی قبروں سے اٹھیں گے اور جس طرح صبح کیوقت ہماری ارواح پر اجسام ملتبس نہیں ہوتیں یوں ہی قیامت میں بھی ملتبس نہ ہوں گی۔

القصہ قیامت ہوگی اور مُردوں کی ارواح اپنے اپنے جسم میں جائیں گی۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جُوں ہی آدمی کی روح اپنے قالب میں آئیگی اس کا نامۂ اعمال بائیں جانب سے یا دائیں جانب سے اڑکر اُسکے ہاتھ میں آجائے گا۔ اور بخل یا سخاوت، فسق یا پرہیزگاری ـــــ غرض کہ جو کچھ بھی وہ دنیا میں کرتا تھا اسکی مکمل اور مفصل فہرست اس کے ہاتھ میں دیدی جائے گی ـــ اور یہ امر بھی ناقابل استبعاد وانکار ہے کیونکہ اسکے نظائر بھی دنیا میں مشاہد ہیں۔

دیکھو! جب آدمی صبح کو سونے سے اُٹھتا ہے تو اسکی بھلائی بُرائی اس کے سامنے آجاتی ہے مثلاً اگر وہ ریاضت کا خوگر تھا تو وہ بیداری کے وقت ریاضت کو اپنے سامنے پاتا ہے اور اگر ناقص اور برا اور مبتلائے گمراہی تھا تو ماتم کی طرح سیاہ نامۂ اعمال اُسکے بائیں ہاتھ میں آتا ہے اور اگر وہ پاک اور متقی اور دیندار تھا تو جب وہ بیدار ہوتا ہے تو اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں پاتا ہے ـــــ القصہ آدمی جس بات کا عادی ہوتا ہے جب سوکر اٹھتا ہے تو اُسی بات کا خیال اُس پر مسلّط ہوجاتا ہے اور یہ گویا کہ اُس کا نامۂ اعمال ہے جو اُسکے دائیں یا بائیں ہاتھ میں آتا ہے۔ پس

ہماری نیند اور ہماری بیداری - موت اور قیامت کے دو گواہ ہیں اور حشر اصغر یعنی بیداری - حشر اکبر یعنی قیامت کو ظاہر کرتا ہے اور مرگ اصغر یعنی نیند - مرگ اکبر - یعنی موت کو ظاہر کرتی ہے یہ سب کچھ ہے -

لیکن یہ واضح رہے کہ اشیاءِ مذکورہ بالا امثال نہیں ہیں بلکہ مثالیں ہیں یعنی ان میں مماثلت و مشابہت تام نہیں بلکہ فی الجملہ مماثلت و مشابہت ہے - اسلئے کہ نامۂ اعمال جو قیامت میں ہاتھ میں آئے گا - اسکی نظیر میں ہم نے وہ نامۂ اعمال... پیش کیا ہے جو بیداری کے وقت میں آدمی کے ہاتھ میں آتا ہے مگر دونوں یکساں نہیں ہیں بلکہ ان میں بہت بڑا فرق ہے چنانچہ بیداری کے وقت جو نامۂ اعمال ہاتھ میں آتا ہے وہ محض خیال اور مخفی ہوتا ہے ـــــ اور قیامت میں جو نامۂ اعمال ہاتھ میں آئے گا وہ وہاں خوب ظاہر ہوگا کیونکہ جو خیال یہاں اپنی ذات سے مخفی اور اپنے اثر کے ذریعے سے ظاہر ہے اس خیال سے وہاں صُوَر جوہریہ پیدا ہو جائیں گے - خیال کا صورت جوہریہ بن جانا کوئی تعجب کی بات نہیں - انجنیئر کے اندر عمارت کا خیال دیکھ لو جو کہ اسکے دل میں یوں چھپا ہوتا ہے جیسے زمین میں دانہ کہ وہ خیال اندر سے یوں باہر آتا ہے جیسے زمین اندر ہی دانہ سے گھاس اگاتی ہے اور اس طرح ایک خیال صورت جوہریہ بن جاتا ہے پس اسی طرح سمجھ لو کہ جو خیال آدمی کے دل میں گھر کرتا ہے قیامت میں وہ صورت جوہریہ بن جائے گا - جس طرح کہ انجینئر کا دل خیال وجود خارجی اختیار کرنیکی صورت میں صورت جوہریہ ہو جاتا ہے یا جیساکہ بیج قبول کرنے والی زمین میں نبات دانہ سے پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ ہر دو محشر کی تحقیق ختم ہوئی - اور میرا مقصود ان دونوں محشر ول کی تفصیل سے تذکیرُ و پند تھا - مسلمانوں کو ان کی تفصیل سے کوئی حصہ ضرور ملے گا اور ان کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہوگا ـــــــــ اب ہم پھر حصہ کی طرف عود کرتے ہیں.

. اور کہتے ہیں کہ جس وقت .... - آفتاب محشر طلوع ہوگا تو اس وقت اچھے برُے لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور عدالت محشر کی طرف دوڑیں گے اور اس طرح گویا کہ کھرا اور کھوٹا سونا دونوں بھٹی میں جا دیں گے اور - دمبدم ان

کا امتحان ہو رہا ہوگا اور قلوب کی حالت جسم میں تو یوں چمکتی ہوگی جیسے کہ قندیل میں سے
پانی کا پانی ہونا اور تیل کا تیل ہونا ظاہر ہو ۔ یا خاک سے سبزہ اُگے ہوں اور صحرائے
بہار پیازاور زعفران اور پوست وغیرہ سے سرسبز ہو۔ پس ان میں سے کوئی یہ خیال
کرکے کہ ہم متقی ہیں آج ہم کو کچھ خوف اور غم نہیں ۔ خوش و خرم ہوں گے اور کچھ بنفشہ
کی طرح ندامت سے سر جھکائے ہوں گے اور مارے خوف سے آنسوؤں کے نالے
بہتے ہوں گے اور پائدار خوف کے سبب سخت انتظار میں ہوں گے اُن کی آنکھیں انتظار
میں کھلی کی کھلی رہ گئی ہوں گی کہ ایسا نہ ہو کہ نامۂ اعمال بائیں طرف سے آجائے ۔ یہ لوگ دائیں
بائیں دیکھتے ہوں گے کیونکہ وہ سمجھتے ہوں گے کہ صحیح نوشتہ تقدیر میں کوئی کمی نہیں ہوسکتی
(خلاصہ یہ کہ وہ جانتے ہوں گے کہ تقدیر کا لکھا پورا ہوگا اسلئے وہ سخت پریشان ہونگے
کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے اور اس وجہ سے وہ حیران و پریشان دائیں بائیں دیکھتے ہوں گے)
اسی حالت میں ایک شخص کے ہاتھ میں نامۂ اعمال آئے گا جس کا دل جرائم سے سیاہ اور
جو کہ فسق و فجور سے لبریز ہوگا اس میں کوئی بھلائی اور کوئی خوبی نہ ہوگی اور اس میں بجز
اہل اللہ کے دل کے ستانے یعنی اُن کی مخالفت کرنے کے اور کوئی بات نہ ہوگی ۔ اور وہ
سر سے پاؤں تک برائیوں اور گناہوں یعنی اہل اللہ کا مذاق اڑانے اُن پر تالیاں بجانے،
دغا بازی، چوری اور فرعون کی سی خودی وغیرہ سے بھرا ہوگا یہ شخص جب اپنا نامۂ اعمال پڑھے
گا تو سمجھے گا کہ بس اب جیل خانہ جانا ہوگا اسکے بعد یہ شخص بحکم الٰہی دوزخ کی طرف یوں
روانہ ہوگا جیسے چور سولی کی طرف جاتے ہیں اس کا جرم ظاہر ہوگا اور معذرت کی راہ
مسدود ہوگی ـــ اور اس کی وہ ہزاروں محبتیں اور بیہودہ گفتگوئیں جو وہ دنیا میں
کیا کرتا تھا اسکے منہ پر میخ کا کام دیتے ہوں گے اسکو لب کشائی کا موقع نہ دیتے
ہوں گی اور چوری کا مال اسکے جسم اور گھر سے برآمد ہو چکا ہوگا یعنی جُرم اس پر بخوبی
ثابت ہو چکا ہوگا اسلئے اس کا افسانہ بریت و صفائی معدوم ہو چکا ہوگا۔
لہٰذا وہ جیل خانہ کی طرف روانہ ہوگیا ہوگا کیونکہ وہ کانٹا ہوگا اور کانٹا لامحالہ
آگ میں جلتا ہے فرشتے سپاہیوں کی طرح اسکے آگے اور پیچھے ہوں گے جو کہ پہلے مخفی

تھے اور اب ظاہر ہوں گے جیسے کہ کوتوال کی حالت ہوتی ہے کہ وہ ملزموں کی گرفتاری کے وقت اول جھپٹتا ہے اور جب وہ اسکی زد میں آجاتے ہیں تو فوراً بکل پڑتا ہے الغرض وہ اسے لے جاتے اور تکلیف کے حوالہ کرتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ او کتے! اپنے گھدان کو چل مگر وہ شخص رستہ میں پاؤں ملتا چلتا ہوگا۔ بدیں امید کہ شاید وہ اس کنوئیں (مصیبت) سے نکل جائے۔ کسی انتظار میں خاموش کھڑا ہو جائے گا اور کسی توقع پر پیچھے مڑکر دیکھنے لگے گا۔ اور موسم خزاں کی طرح بے سود آنسو بہاتا ہوگا کیونکہ اسکے پاس بجز خالی پھیکی امید کے اور کچھ نہ ہوگا ——— غرضکہ وہ ہر وقت منہ موڑ کر دیکھتا ہوگا اور درگاہ حق سبحانہٗ کی طرف منہ کرتا ہوگا پس حق سبحانہٗ کی طرف سے یعنی اقلیم نور سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ تم اسے کہو کہ او بطال اور کسوتِ اعمال حسنہ سے ننگے اور برائیوں کی معدن تجھے کس بات کا انتظار ہے اور او بے ہودہ تو بار... بار پیچھے مڑکر کیا دیکھتا ہے۔ اے دشمن خدا او مطیع شیطان! تیرا نامۂ اعمال تو وہ ہے جو تیرے ہاتھ میں آچکا ہے اور جس کو تو دیکھ چکا ہے پس جبکہ تو اپنے نامۂ نامۂ اعمال کو دیکھ چکا ہے جس میں کوئی بھلائی ہے ہی نہیں تو پھر مڑکر کیا دیکھتا ہے اب تجھے اپنا اعمال کا بدلہ دیکھنا چاہیئے۔ اور فضول بار بار کیوں بھٹکتا ہے۔ اس کنوئیں میں روشنی کی توقع کہاں ہے کیونکہ نہ تو ظاہری ہی تیرے کوئی طاعت ہے اور نہ تیرے باطن میں کسی اچھے کام کا عزم مصمم ہے اور نہ رات میں تونے مناجات اور قیام کیا ہے اور نہ دن میں معاصی سے پرہیز اور روزے رکھے ہیں اور نہ تونے اپنے زبان کو لوگوں کی دل آزاری سے روکا ہے اور نہ تونے آگے پیچھے عبرت سے نظر کی ہے آگے سے کیا مراد ہے اپنی موت کو یاد کرنا اور پیچھے سے کیا مقصود ہے یاروں کا پہلے مرجانا یعنی نہ تونے کبھی موت کو بطور خود یاد کیا ہے کہ ایک روز ہمیں مرنا ہے اس کے لیے کچھ سامان کرنا چاہیئے اور نہ تونے دوسروں کی موت سے عبرت پکڑی ہے اور نہ تونے کبھی ظلم سے تضرع وزاری کے ساتھ توبہ کی ہے۔

پس اے دغاباز گندم کا جو فروش! جبکہ تیرے ترازوئے عمل میں کمی اور دھوکا

تھا ۔ تو تو ترازوئے عوض کو راست کیسے چاہتا ہے اور جبکہ تو بے وفائی اور کجی طاعت میں بایاں پاؤں یعنی ناقص تھا ۔ تو نامۂ اعمال تیرے داہیں ہاتھ میں کیونکر آئے اور تو منصور کیونکر ہو ۔ اور جبکہ جزا کو اعمال سے وہی نسبت ہے جو قد کو سایہ سے تو اے ٹیڑھے قد والے اور بدعمل! تیرا سایہ تیرے آگے ٹیڑھا ہی پڑیگا اور تجھے جزا اعمال کے موافق ہی ملے گی۔

غرضکہ اسی قسم کے سخت سخت خطاب ہوں گے جس کی ہیبت سے پہاڑ بھی جھک جائے اس کے جواب میں وہ شخص عرض کریگا کہ جو کچھ ارشاد ہوا ہے میں اس سے بھی سو گنا بُرا ہوں اور آپنے اب تک میری برائیوں کو اپنے حلم سے چھپایا تھا ۔ ورنہ میرے عیوب کو آپ اپنے علم کامل سے بخوبی جانتے تھے ۔ لیکن اے کوشش اور اپنے فعل سے الگ اور اپنی برائی بھلائی اور کفر و ایمان اور اپنے عاجزانہ نیاز اور اپنے بلکہ مجھ سینکڑوں کے وہم و خیال سے باہر ۔ مجھے آپ کی عنایت محسنہ کی امید تھی خواہ یہ میری امید بجا ہو یا سرکشی ۔ اور اے کریم بے عرض! مجھے آپکی بے عوض عنایت سے بخشش محسنہ متعلّنہ علی العمل کی توقع تھی ۔ پس میں اس کرم خالص کی طرف منہ موڑتا ہوں اور اپنے افعال کو نہیں دیکھتا اور میں اس امید کی طرف رُخ کرتا ہوں جو آپ کی اس عنایت سے ناشی ہے کہ آپنے مبدأ مجھے وجود اور خلعت ہستی مفت، اور بے عوض عطا فرمائی تھی اور جس پر میں ہمیشہ سے بھروسہ کیئے ہوئے تھا ـــــ غرض کہ جب وہ اپنے جرائم اور خطائیں گنائے گا اور ان کا اعتراف کریگا ۔ تو حق سبحانہٗ بخشش صرف دینے پر آمادہ ہونگا اور حکم ہوگا کہ اے فرشتو! اسے ہمارے پاس واپس لے آؤ کیونکہ اسکی آنکھ اور اس کا دل دونوں امید رحمت کی طرف متوجہ تھے ہم اسکو آزادانہ اپنے اختیار شاہی سے آزاد کرتے ہیں اور اسکے جرائم کو اور جس کو نہ جُرم سے ضرر ہو ۔ اور نہ صلاح سے فائدہ ۔ ایسی کو آزادی جائز ہے اور جو کچھ وہ کرے اسکو حق ہے اور ہماری شان یہ ہے لہٰذا آپکو آزادی جائز ہے اگر ہم ایک سراپا جُرم و گناہ کو بالکل معاف کر دیں اور سراپا طاعت کو جہنم میں بھیجدیں

تو ہم کو حق ہے۔ اور ہمارا یہ فعل بالکل ٹھیک ہے اور مجھ پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ لا یُسئل عما یفعل وہم یُسئلون۔ ہم اپنے کرم کی آتش کو سو یہاں تک مشتعل کر سکتے ہیں کہ خطا و قصور کا نام و نشان نہ رہے اور ایک قلم سب کو معاف کر سکتے ہیں اور ہم وہ آگ مشتعل کر سکتے ہیں جس کا ادنیٰ شعلہ تمام جرائم اور جبر و اختیار کو بھسم کر دے (فائدہ: جبر سے مُراد جرم ناشی از جبر اور اختیار سے مراد جرم ناشی از اختیار ہے اور یہ تشریح ہے جُرم کی یعنی ہم تمام جرائم کو معاف کر سکتے ہیں خواہ وہ عقیدہ جبر سے ناشی ہوں یا عقیدہ اختیار سے واللہ اعلم)

اور ہم خانۂ انسانی میں آگ لگا سکتے ہیں اور خار کو گلزار روحانی بنا سکتے ہیں یعنی ہم آدمی کی قلب ماہیت کر کے اسکی صفات ذمیمہ کو مبدل بہ صفات حمیدہ کر سکتے ہیں چنانچہ ہم نے بالائے عرش سے ایک ایسی کیمیا بھیجی تھی جو بندوں کے اعمال کے نقصان کی اصلاح کر کے انکو کامل بنا سکتی تھی اور ہم نے کہہ دیا تھا یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وقولوا قولاً سدیدا ۝ یصلح لکم اعمالکم ویغفر لکم ذنوبکم

اب مولانا فرماتے ہیں کہ حق سبحانہٗ کا ارشاد نہایت بجا ہے اور وہ یقیناً کایا پلٹ کر سکتے ہیں کیونکہ اس نور دائم کے۔ یعنی حق سبحانہٗ کے سامنے آدمی کے اختیار کی شان و شوکت کیا حیثیت رکھتی ہے کچھ بھی نہیں کیونکہ جس زبان سے وہ بولتا ہے وہ ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جس میں گویائی کی قوت حق سبحانہٗ نے عطا فرمائی ہے۔ اور جس آنکھ سے وہ دیکھتا ہے وہ ایک چربی کا ٹکڑا ہے جس میں دیکھنے کی قوت حق سبحانہٗ نے رکھی ہے۔ اور جس کان سے وہ سنتا ہے وہ ہڈیوں کے ٹکڑے ہیں جس کو قوت سامعہ حق سبحانہٗ نے عطا فرمائی ہے اور جس دل سے وہ ادراک کرتا ہے وہ چند خون کے قطرہ ہیں۔ جس میں قوت ادراک حق سبحانہٗ نے ودلیت رکھی ہے پس وہ جب چاہیں زبان سے قوت گویائی آنکھوں سے قوتِ بینائی۔ کانوں سے قوتِ شنوائی دل سے قوتِ مدرکہ سلب کر سکتے ہیں۔ چلیئے خاتمہ ہوا اختیار انسانی کا۔ بس جب اختیار انسان حق سبحانہٗ کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور آدمی اپنے اختیار ہی سے برا یا بھلا

بنتا ہے تو پھر اسکے قلبِ ماہیت کر دینا - اُسکے نزدیک کون سی بڑی بات ہے۔

اس مضمون کو ختم کر کے مولانا مضمونِ ارشادی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے انسان! تیری یہ تو حالت ہے کہ تو ایک معمولی کیڑا اور وہ بھی گندگی سے بھرا ہوا ہے مگر تو نے جہاں میں اپنی دھوم مچا رکھی ہے اور تو ایسا بنا ہوا ہے جیسا کہ نعوذ باللہ تو ہی خدا ہے -

یہ حرکت تیری نہایت نازیبا ہے تو منی سے گندہ اور ناپاک چیز سے پیدا ہُوا ہے - پس تو خودی کو چھوڑ! اور اے ایاز! تو اپنا پُرانا پوستین یاد رکھ یعنی اے انسان! تو اپنی حالت سابقہ کو نہ بھول - اور حق سبحانہٗ کے سامنے تذلل اور تمسکن اختیار کر اور خودی و سرکشی کو چھوڑ! جو کہ ہمارے قول! اے ایاز آں پوستیں را یاد دار - اشارہ تھا ایک قصہ کی طرف اسلیئے اب ہم اس قصہ کو بیان کرتے ہیں اور حسبِ توقع اس سے مفید نتائج بھی استنباط کریں گے اور وہ قصہ سنو۔

قصۂ ایاز و حُجرہ داشتنِ اُو جہتِ چارق و پوستین و گمان بُردن خواجہ تاشاں کہ اُو را دراں حجرہ دفینہ است بسببِ محکمیِ دَر و گرانیِ قفل و رفتنِ اُو بداں جا

ایاز اور اُس کے چپل اور پوستین کے لئے حُجرہ رکھنے کا قصہ اور اُس کے ساتھیوں کا گمان کرنا کہ اُس حجرے میں اُس کا خزانہ ہے دروازہ کی مضبوطی اور تالے کے بھاری پن اور اُس کے وہاں جانے کی وجہ سے

آں ایاز از زیرکی انگیختہ ایاز ذہانت سے بھڑکا ہوا تھا	پوستین و چارقش آویختہ اُس نے اپنی پوستین اور چپل لٹکا رکھی تھی
میرود ہر روز در حجرہ خلا علیحدہ حجرے میں وہ روزانہ جاتا تھا	چارقت اینست منگر در علا تیری یہ چپل ہے بلندی پر نظر نہ کر
شاہ را گفتند اُو را حجرہ ایست اُنھوں نے بادشاہ سے کہا اُس کا ایک حجرہ ہے	اندر آنجا زر و سیم و خمرہ ایست وہاں سونا چاندی اور مٹکا ہے

قصۂ ایاز - ایک انسان کی اپنی اصل حقیقت کو ہر طرح پیشِ نظر رکھنا چاہئے

جس طرح ایاز اپنے عروج کے زمانہ میں اپنی اصل حقیقت کو فراموش نہ کرتا تھا۔ آں یاد ـ ایاز جو سلطان محمود کا ایک ادنیٰ غلام تھا اور پھر ترقی کر کے اُس کا محبوب ترین وزیر بن گیا تھا چونکہ عقل کا پتلا تھا اُس نے اپنی غلامی کی حالت کی پوستین اور چپلیں ایک حجرے میں لٹکا رکھی تھیں۔ چارق - ایک قسم کی چپل تھی جو جنگلی لوگ پہنتے تھے۔

سلہ میرود - ایاز کا معمول تھا کہ روزانہ اُس حجرہ میں جا کر اپنے آپ کو بتاتا کہ موجودہ عروج سے غرور نہ کر تیری اصل یہ ہے - شاہ را - دوسرے وزیروں نے سلطان محمود سے کہا کہ ایاز کا ایک خاص حجرہ ہے جس میں وہ کسی کو نہیں جانے دیتا اور اسکو مضبوطی سے بند کر رکھا ہے اُس میں اُس نے زر و جواہر جمع کر رکھے ہیں۔ خمرہ - مٹکا۔

رادمی ندہد کسے را اندرُو
وہ اُس کے اندر جانے کی کسی کو اجازت نہیں دیتا ہے
بستہ میدارد ہمیشہ آں درِ اُو
وہ ہمیشہ اُس دروازے کو بند رکھتا ہے

شاہ فرمود اے عجب آں بندہ را
شاہ نے کہا تعجب ہے اُس غلام کا
چہ بُود پنہان و پوشیدہ زما
ہم سے چھپا اور ڈھکا کیا ہوگا؟

پس اشارت کرد میرے را کہ رَو
پھر اُس نے ایک سردار کو اشارہ کیا کہ جا
نیم شب بکشائے در در حُجرہ شو
آدھی رات کو دروازہ کھول حجرے میں چلا جا

ہرچہ یابی مر تُرا یغماش کُن
تو جو کچھ پائے تیرا ہے اُس کو لُوٹ لے
سِرِّ اُو را بر ندیماں فاش کُن
اُس کے راز کو ساتھیوں پر فاش کر دے

باچنیں اِکرام و لُطفِ بے عدد
ایسے اعزاز اور بے شمار مہربانیوں کے باوجود
از لئیمی سیم و زر پنہاں کُند
کمینہ پن سے چاندی اور سونا چھپاتا ہے

مینماید اُو وفا و عشق و جوش
وہ وفا اور عشق اور جوش دکھاتا ہے
وانگہ اُو گندم نمائے و جو فروش
پھر وہ گیہوں دکھانے والا اور جو بیچنے والا ہے

ہر کہ اندر عشق یابد زندگی
جو شخص عشق میں زندگی حاصل کرے
کُفر باشد پیشِ اُو جز بندگی
اُس کے نزدیک غلامی کے علاوہ کُفر ہے

نیم شب آں میر باسی معتمد
اُس امیر نے آدھی رات کو تیس معتمد آدمیوں کیساتھ
در گُشادِ حجرۂ او رائے زد
اُس کے حجرے کو کھولنا طے کیا

مشعلہ برکردہ چندیں پہلواں
چند بہادر، مشعلیں لئے ہوئے
جانبِ حجرہ روانہ شادماں
خوشی خوشی حجرے کی جانب روانہ ہوگئے

کامرِ سلطانست بر حجرہ زنیم
کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ ہم حجرہ لُوٹ لیں
ہر یکے ہمیانِ زر در کش کُنیم
ہم میں سے ہر ایک سونے کی تھیل بغل میں دبالے

آں یکے میگفت ہے چہ جائے زر
ایک کہتا تھا، سونا کیا ہوتا ہے
از عقیق و لعل گوی و از گہر
عقیق اور لعل اور موتی کی بات کر

خاصِ خاصِ مخزنِ سلطان ویست
وہ شاہی خزانہ کا خاص الخاص ہے
بلکہ اکنوں شاہ را خود جان ویست
بلکہ اب تو وہ خود شاہ کی جان ہے

چہ محل دارد بپیشِ آں عشیق
اُس معشوق کے آگے کیا وقعت رکھتا ہے؟
لعل و یاقوت و زمرد یا عقیق
لعل اور یاقوت اور زمرد یا عقیق

شاہ را بر وے نبودے بدگماں
بادشاہ کو اُس پر بدگمانی نہ تھی
تسخرے میکرد بہرِ امتحاں
وہ آزمائش کے لئے مذاق کر رہا تھا

پاک میدانستش از ہر غش و غل
وہ اُس کو ہر کھوٹ اور فریب سے پاک سمجھتا تھا
بازنازد ہمش ہمی لرزید دل
پھر وہم سے اُس کا دل لرزتا تھا

سلہ شاہ۔ بادشاہ نے کہا تعجب ہے اُس نے ہم سے چھپا کر یہ دولت کیوں جمع کی ہے چہ۔ بادشاہ نے ایک وزیر کو اشارہ کیا کہ رات میں جاکر اُس حجرے کا دروازہ توڑ کر اندر گھس جاؤ۔ تو جو اُس حجرہ میں جو کچھ ملے وہ تیرا ہے۔ یغما: لوٹ۔ سِرِّ او۔ ایاز کے اس راز کو لوگوں سے کہہ دینا۔ باچنیں۔ ہمارے اس کرم کے ہوتے ہوئے اُس نے ہم سے چھپا کر مال کیوں جمع کیا ہے مینماید۔ ہم سے وفاداری اور عشق کا دم بھرتا ہے اور پھر گیہوں دکھا کر جو فروخت کرتا ہے یعنی دھوکہ بازی کرتا ہے۔

سلہ ہر کہ۔ جو عشق کا دعوے کرے پھر محبوب کی غلامی کے علاوہ اُس کے لئے ہر چیز کفر ہوتی ہے۔ نیم شب۔ اُس وزیر نے طے کیا کہ آدھی رات کو تیس بھروسہ کے آدمی لیکر اُس حجرہ پر دھاوا بول دیا۔ پہلوان۔ یعنی وہ تیس معتمد۔ کش۔ گوشۂ بغل۔ چہ جائے زر۔ یعنی اس کو میں سونا درکنار عقیق اور لعل اور موتی ملیں گے۔

سلہ خاص۔ چونکہ ایاز شاہ کا خاص خزانچی ہے اور شاہ کی جان بنا ہوا ہے اور شاہ کا معشوق ہے تو اُس کے خزانہ میں تو عقیق اور جواہر کی بھی کیا قدر ہے۔ عشیق۔ معشوق یعنی ایاز۔

سلہ شاہ۔ شاہ نے ایاز کا حجرہ توڑنے کے بارے میں جو حکم دیا تھا وہ اس بنا پر نہ دیا کہ اُن لوگوں کی باتوں کی وجہ سے شاہ ایاز سے بدگمان ہوگیا تھا بلکہ اُس نے یہ حکم

کہ مبادا کایں بود خستہ شود — من نخواہم کہ برو خجلت رود

کہ وہ خدانخواستہ رنجیدہ ہو — میں خواہاں نہیں ہوں کہ اس کو شرمندگی ہو

ایں نکردست او وگر کرد اوروا ست — ہرچہ خواہد گو بکن محبوب ماست

اس نے یہ نہ کیا ہوگا اور اگر کیا ہے تو جائز ہے — کہہ دے وہ جو چاہے کرے، ہمارا پیارا ہے

ہرچہ محبوبم کند من کردہ ام — او منم من او چہ گر در پردہ ام

میرا پیارا جو کرے، وہ میں نے کیا ہے — وہ میں ہوں میں وہ، اگرچہ میں پردے میں ہوں

باز گفتے دور ازاں خوئے و خصال — اینچنیں تخلیط ژاژست و خیال

پھر کہتا اس خصلت اور عادت سے بعید ہے — اس طرح کی گڑبڑ بکواس اور وہم ہے

از ایاز ایں خود محال ست و بعید — کو یکے دریاست قعرش ناپدید

ایاز سے یہ خود ناممکن اور بعید ہے — کیونکہ وہ ایک ایسا دریا ہے جس کی تھاہ نہیں ہے

ہفت دریا اندرو یک قطرہ — جملہ ہستیہا ز مہرش ذرہ

ساتوں سمندر اس کے اندر ایک قطرہ ہیں — تمام ہستیاں اس کی محبت کا ایک ذرہ ہیں

جملہ پاکیہا ازاں دریا برند — قطرہایش یک بیک مینا گرند

سب اس دریا سے پاکی حاصل کرتے ہیں — اس کا ایک ایک قطرہ مینا بنانے والا ہے

شاہ شاہانست و بلکہ شاہ ساز — وز برائے چشم بد نامش ایاز

وہ شاہنشاہ بلکہ شاہ گر ہے — نظر بد کی وجہ سے اس کا نام ایاز ہے

چشمہائے نیک ہم بروے بدست — از رہ غیرت کہ حسنش بیحدست

بھلی نگاہیں بھی، اس پر بری ہیں — غیرت کی وجہ سے کیونکہ اس کا حسن بے حد ہے

یک دہاں خواہم بپہنائے فلک — تا بگویم وصف آں رشک ملک

آسمان کی چوڑائی والا ایک منہ چاہتا ہوں — تاکہ اس رشک ملک کی تعریف کر سکوں

ور دہاں یابم چنیں و صد چنیں — تنگ آید در بیان آں امیں

اور اگر میں ایسا اور اس جیسے سیکڑوں منہ پاؤں — اس امانت دار کے بیان میں تنگ ہو جائیں

اینقدر ہم گر نگویم اے سند — شیشۂ دل از ضعیفی بشکند

اے معتمد! اگر میں اتنا بھی نہ کہوں — کمزوری سے دل کا شیشہ ٹوٹ جائے

شیشۂ دل را چو نازک دیدہ ام — بہر تسکیں بس قبا بدریدہ ام

چونکہ میں نے دل کے شیشہ کو نازک سمجھا — تسکین کے لئے میں نے بہت سی قبائیں چاک کی ہیں

من سر ہر ماہ سہ روز اے صنم — بے گماں باید کہ دیوانہ شوم

اے محبوب! میں ہر مہینے کے شروع میں تین دن — یقیناً، دیوانہ بن جاتا ہوں

کے ذریعہ ان لوگوں کو آزمانے کے لئے مذاق کیا تھا۔ پاک۔ بادشاہ ایاز کو اس تہمت سے پاک سمجھتا تھا لیکن پھر بھی شاہ کا دل لرز رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ ان لوگوں کی یہ تہمت صحیح نکلی تو ایاز کو رسوائی ہوگا۔

ایں نکردست۔ شاہ یہی سمجھتا تھا کہ ایاز نے حجرہ میں خزانہ جمع نہیں کیا ہے اور اگر کیا بھی ہے تو چونکہ وہ میرا محبوب ہے اس کا جو جی چاہے کرے۔ ہرچہ۔ اگر اس نے خزانہ بھی جمع کیا ہے تو گویا میں نے ہی جمع کیا ہے جبکہ اس میں اور مجھ میں دوئی نہیں ہے۔ تخلیط۔ گڑبڑ جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔ از ایاز۔ ایاز اخلاص و محبت کا دریائے ناپیدا کنار ہے۔

جملہ۔ دریا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اشعار آخر تک شاہ کی زبانی ایاز کی تعریف ہوں یا مولانا نے ایاز کی محبوبیت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کی طرف منتقل ہو کر آنحضور کی مدح شروع کر دی ہو۔ جملہ ہستیہا یعنی تمام موجودات۔ ایاز۔ اگر شاہ کا مقولہ ہے تو ایاز غلام مراد ہے اگر آنحضور کی تعریف ہے تو ایاز سے آنحضور کی

ور دہاں۔ جس طرح کی سیکڑوں تعریفیں بھی اس امین کی خوبیوں کا پورا بیان نہیں کر سکتی ہیں۔ امین اگر شاہ کا مقولہ ہے تو ایاز مراد ہے اگر مولانا کا مقولہ ہے تو آنحضور مراد ہیں۔ اینقدر۔ معشوق کی تعریف کرنے سے عاشق کو تسلی ہوتی ہے۔ شیشۂ دل۔ قبا چاک کرنے سے دل کو تسلی ہو جاتی ہے۔

عبدیت مراد ہے۔ از رہ غیرت۔ شعر:

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم — گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

یک دہاں۔ میرا پیمانہ سا منہ تعریف سے قاصر ہے۔

ہیں کہ امروز اوّلِ سہ روزہ است	**روزِ پیروزیست نے پیروزہ است**
خبردار ! آج تین دن کا پہلا دن ہے	کامیابی کا دن ہے، نہیں فیروزہ ہے
ہر دلے کاندر غمِ شاہے بُوَد	**دمبدم اُو را سرِ ایں مہ بُوَد**
جو دل شاہ کے عشق میں مبتلا ہو	اُس کا ہر وقت اِس مہینہ کا شروع ہوتا ہے

۱۲۵ مِن. مجنوں کا جنون مہینہ کے ابتدائی تین دنوں میں جوش پر ہوتا ہے، یہ بھی مشہور ہے کہ حجاج ظالم نے اجنبی حالت میں ایک چرواہے سے دریافت کیا کہ حجاج کے بارے میں تیری کیا رائے ہے تو اُس نے حجاج کو بددعائیں دیں اور ظالم بتایا اِس پر حجاج نے کہا تو نہیں جانتا کہ میں خود حجاج ہوں تو اُس چرواہے نے گھبرا کر کہا تو نہیں جانتا کہ میں ایک دیوانہ ہوں اور مجھے ہر مہینہ میں تین دن جنون کا دورہ پڑتا ہے اور آج اُن دنوں کا پہلا دن ہے اِس پر حجاج ہنس پڑا اور اسکو انعام دیا ممکن ہے کہ اِس لطیفہ کے تین دن کی طرف اشارہ ہو

یہ کہ مولانا فرماتے ہیں محبت میں دیوانگی کا میرا ابھی پہلا روز ہے ہر دلے. جس کے دل میں معشوقِ حقیقی کا عشق ہو اُس کے لئے تو ہر لحظہ مہینہ کے اوّل کے تین دن ہیں۔

شرح

وہ ایاز! جو کہ دانائی سے نشو و نما پائے ہوئے اور سراپا دانائی تھا۔ اس کا تقرب سلطانی سے پیشتر کا پوستین اور اُسے زمانہ کی جوتیاں حجرہ میں لٹکی ہوئی تھیں اور وہ ہر روز حجرۂ خلوت میں جاتا اور اپنے نفس سے کہتا کہ دیکھ تیری یہ حقیقت ہے اور تیرا یہ جوتا موجود ہے اسے دیکھ لے اور خبردار! اس علوِ مرتبت پر نظر نہ کرنا جو تجھ کو محض عنایت شاہی سے ملی ہے۔

اصل واقعہ تو یہ تھا۔ مگر جب لوگوں نے دیکھا کہ ایاز نے ایک خاص حجرہ پر قبضہ کر رکھا ہے جس میں وہ کسی کو نہیں جانے دیتا تو اسکے ان کو شبہ ہو گیا اور انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ حضور! ایاز کے پاس ایک حجرہ ہے اور اس میں اس نے سونے، چاندی اور مال کا مٹکا رکھ رکھا ہے چنانچہ وہ اس میں کسی کو نہیں گھسنے دیتا اور اس کا دروازہ ہمیشہ مقفل رکھتا ہے بادشاہ نے اوّل اپنے دل میں تعجب سے کہا کہ ہمارے اس غلام خاص کے پاس ایسی کیا چیز ہوگی جسے وہ ہم سے بھی چھپاتا ہے اسکے بعد اس نے ایک سردار کو حکم دیا کہ اچھا تم آدھی رات کے وقت جبکہ ایاز سوتا ہو۔ دروازہ کھول کر اس میں گھس جاؤ اور تلاشی لو۔ اس میں جو کچھ تمہیں ملے وہ تمہارا ہے لوٹ لو۔ اور اس کی حقیقت کو اہلِ دربار سے بیان کر دو۔

غضب ہے کہ ہم اس پر اس قدر عنایت کرتے ہیں اور وہ اپنے ہاتھ میں سے اموال شاہی چُراتا ہے اور ہم سے وفاداری و عشق و محبت کا دعوےٰ کرتا ہے۔ حالانکہ

وہ گندم نما اور جو فروش ہے یہ حرکت اسکی نہایت نازیبا ہے کیونکہ جو شخص عاشق ہو اور
عشق اسکی حیات کا ذریعہ ہو اسکے نزدیک بجز اطاعت محبوب کے دوسری روش کفر ہے
خیر جب آدھی رات ہوئی تو اس معتمد سردار نے اس کے حجرہ کے کھولنے کی رائے قائم
کی۔ چنانچہ چند زبردست سپاہی مشعل روشن کر کے اسکے حجرہ کی جانب خوش خوش
یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے کہ اب تو حکم شاہی ہو چکا ہے۔ اب ہم حجرہ پر حملہ کریں گے
اور ہم میں سے ہر ایک اشرفیوں کی تھیلی بغل میں دبائے گا۔ دوسرا کہتا تھا ارے اشرفیاں
کیسی! عقیق و لعل و گوہر کہو۔ کیونکہ وہ تو سلطان کا خاص الخاص خزانچی ہے بلکہ یوں
کہو کہ آجکل تو وہی سلطان کی جان ہے پس اسکے نزدیک لعل و یاقوت و زمرد
و عقیق بھی کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ ایسی حالت میں نہیں معلوم اس میں کیا دولت
ہوگی یہ تو ان لوگوں کی حالت تھی۔ اب سلطان کی حالت سنو! اسکو ایاز کی نسبت
کوئی بدگمانی نہ تھی اور تلاشی کا حکم جو اسنے دیا تو وہ اظہارِ حقیقت کے لیے دل لگی کے
طور پر دیا تھا اور اسکی امیروں کو بتانا مقصود تھا وہ اسکو ہر غدر و خیانت سے پاک
جانتا تھا۔ مگر اسکے ساتھ ہی وہم سے اس کا دل لرزتا ہی تھا اور وہ یہ کہتا تھا کہ مبادا
واقعہ یوں ہی ہو جیسا کہ امیروں نے بیان کیا ہے اور ایاز کو صدمہ پہنچے میں نہیں جانتا
کہ وہ شرمندہ ہو اول تو اسنے ایسا کیا نہیں لیکن اگر کیا ہے تو اسے اختیار ہے جو چاہے
کرے وہ ہمارا محبوب ہے۔ جو میرا محبوب کرے وہ میرا ہی کیا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ میں ہوں
اور میں وہ یعنی میں کچھ نہیں جو کچھ ہے وہی ہے۔ اور میں اس کا حجاب ہوں
پس جبکہ میں حقیقتاً کچھ ہوں ہی نہیں۔ تو اگر مرتبہ حجاب میں ہوں — تو کیا ہے
کیونکہ یہ وجود ایسا ہے۔ جو عدم ترتب آثار غیریت کے سبب مثل عدم کے ہے
[فائدہ: او منم من او ایک جملہ ہے جس سے جسطرح فنائے عاشق فی
المحبوب ظاہر ہوتی ہے یوں ہی فنائے محبوب فی المحب بھی ظاہر ہوتی ہے وہو خلاف
المقصود۔ اسلئے اس کی تشریح کی ضرورت ہے۔ سو واضح ہو کہ فنا کی حقیقت

یہ نہیں ہے کہ فانی کی ذات مفنی فیہ کی ذات کی ساتھ متحد ہو جائے۔ بلکہ اسکی حقیقت یہ ہے کہ فانی بقائے ذات کے ساتھ ۔۔۔۔ اپنی صفات کو چھوڑ کر مفنی فیہ کی صفات اختیار کرے پس فنا سے قبل چار چیزیں تھیں ذات مفنی فیہ اور اسکے صفات خاصہ۔ ذات فانی اور اس کی صفات خاصہ اور تحقق فنا کے بعد تین چیزیں رہ گئیں ذات مفنی فیہ اور اسکی صفات اور ذات فانی متصفہ بصفات مفنی فیہ۔ جب یہ مقدمہ معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ "او منم من او" میں "او" سے ذات مفنی فیہ متصفہ بصفات مراد نہیں۔ بلکہ ذات فانی متصفہ بصفات مفنی فیہ مراد ہے اور چونکہ اس ذات میں دو حیثیتیں ہیں ذاتیہ اور وصفیہ اسلئے حیثیت اولیٰ سے اس کو میں سے تعبیر کیا ہے اور حیثیت ثانیہ سے او سے۔ اور او منم من او کہا ہے فاندفع الاشکال وللہ الحمد۔

فائدہ ۲: در پردہ ام کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں پردہ میں ہوں بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ میں پردہ کے مرتبہ میں ہوں ـــــ اور تفصیل اسکی یہ ہے کہ فنا کے بعد ذات فانی باقی رہتی ہے۔ مگر اسکی صفات زائل ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ اس میں مفنی فیہ کی صفات آجاتی ہیں کما سبق فی الفائدۃ الاولیٰ اس طرح دونوں ذاتیں صفات کے لحاظ سے متحد ہو جاتی ہیں لیکن چونکہ ذات فانی مغائرۃ لذات المفنی فیہ موجود ہوتی ہے اور صفات مفنی فیہ کا ظہور اسی ذات مغائرہ سے ہوتا ہے اسلئے ظاہر بیں ان صفات کو ذات فانی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور فانی کو مفنی فیہ کی ذات کے مغائر سمجھتے ہیں ـــــ اس طرح ذات فانی اس اتحاد کا حجاب بن جاتی ہے جو کہ ہر دو ذاتوں میں اتحاد صفات کے سبب پیدا ہو گیا تھا۔ فتدبر واللہ اعلم بالصواب) پھر کہنا کہ خدا نہ کرے کہ اسکی ایسی بے ہودہ خصلت ہو۔ میں نے جو حکم عقلی میں حکم وہم کی آمیزش کر دی ہے یہ میری بے ہودگی اور ..... بے اصل بات ہے۔ ایاز سے یہ حرکت ناممکن اور نہایت بعید ہے کیونکہ وہ تو خصال حمیدہ کا ایک سمندر ہے جس کی تہہ معلوم ہی نہیں اور جس کے اندر سات سمندر ایک قطرہ ہیں۔ اور وہ ایک ایسا آفتاب کمالات ہے جس کے مقابلہ میں تمام مخلوقات ایک

ذرّہ ہیں اور وہ نجاست نقص سے اس درجہ پاک ہیں کہ تمام مخلوق پاکی کو اسی دریا سے
لے جاتی ہے اور اس کے قطرہ سراسر . . . ناقص کو کامل بنا دینے والے ہیں
وہ ایک شہنشاہ بلکہ شاہ گر ہے ایاز تو اسکو نظر بد کے دفع کے لیے کہتے ہیں چشم بد
تو چشم بد - یعنی میرے نزدیک تو اچھی نظر بھی اس پر چشم بد ہی ہے کیونکہ اُس کا
حُسن بے حد ہے پس مجھے رشک آتا ہے کہ کوئی اُسے دیکھے ایسی صورت میں جس طرح
میں یہ چاہتا ہوں کہ کوئی اِسے بُری نظر سے نہ دیکھے - یوں ہی چاہتا ہوں کہ کوئی اسکو
اچھی نظر سے بھی نہ دیکھے ومن لم یفہم قال ما قال میں اس منہ سے اسکی تعریف نہیں
کر سکتا اسلئے مجھے ایسے منہ کی ضرورت ہے جو آسمان کے برابر وسیع ہو تاکہ میں اس
رشک ملک کی کچھ تعریف بیان کروں اور اگر مجھے ایسا بلکہ اس سے سوگنا منہ مل جائے تو اس
کے اوصاف پورے طور پر اس وقت بھی بیان نہیں ہو سکتی - باوجودیکہ میں جانتا ہوں
کہ جس قدر میں نے اسکی تعریف کی ہے یہ کسی درجہ میں بھی کافی نہیں ہے لیکن کیا کروں اگر
اتنی بھی تعریف نہ کروں تو شیشۂ دل . . . اپنی کمزوری کے سبب پھٹ جائے (یہاں تک
مولانا نے محمودؔ و ایاز کا قصہ بیان کیا ہے محشین کو ہفت دریا اندر دیک قطرہ اور جملہ پاک
بازاں دریا بُرند وغیرہ صفات کے ایاز پر منطبق نہ ہونے سے شبہ ہو گیا ہے اور انہوں
نے اسکو انتقال قرار دیکر حق سبحانہٗ یا عارف کی تعریف قرار دیا ہے لیکن میرے
نزدیک اس مقام پر انہوں نے اس دقیقہ کو نظر انداز کر دیا ہے
کہ یہ تعریف محمود کی زبانی ہے جو ایاز پر عاشق تھا اور عشاق کا مذاق اپنے معشوقوں
کی نسبت معلوم ہے کہ وہ انکو کیا اور کیسا سمجھتے ہیں واللہ اعلم)
چونکہ مولانا نے عاشق و معشوق کا قصہ بیان کیا تھا اسلئے مولانا پر جنونِ عشق
کا غلبہ ہو گیا - اب اس کا بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح محمودؔ نے اپنے دل کی
تسکین کے لیے ایاز کی تعریف کی تھی جوں ہی میں نے بھی اپنے دل کو نازک پایا اور اس
کے جوش کو فرو کرنے کے لئے کپڑے پھاڑ ڈالے ـــــ بات یہ ہے کہ جس طرح

دیوانوں کی دیوانگی ہر مہینہ کے اوّل تین دن میں جوش پر ہوتی ہے۔ (کما قیل) یونہی مجھ پر بھی ہر مہینہ کے پہلے تین دنوں میں جنون کا غلبہ ہونا چاہیئے پس یہ دن اُن تین دنوں میں پہلا دن ہے اور یہ دن میرے لیے روز فیروزی ہے نہیں بلکہ فیروزہ ہے یعنی فیروزی کے تو تمام ہی دن ہیں مگر یہ ان میں نہایت ہی اعلیٰ ہے۔

میں نے جو کہا تھا کہ میرے جوشِ جنون کے لیے بھی ہر مہینہ کے شروع میں تین دن ہونے چاہئیں اور آج ان میں کا پہلا دن ہے یہ تو عام جنون پر قیاس کر کے کہا تھا ورنہ اصل بات یہ ہے کہ جس کو کسی محبوب کا غم ہو اسکے لیے تو ہر لحہ مہینہ کے ابتدائی ایّام ہیں اور آپ کو ہر وقت وہی جوش ہوتا ہے جو عام دیوانوں کو ان دنوں میں ہوتا ہے۔

(فائدہ ۸: اشعار این قدر ہم گر نگویم الخ سرخی کے حل میں سے محشی نے غلط کیا ہے بعض نے تو تمام اشعار کو مولانا کا مقولہ قرار دیا ہے اور بعض نے اول کے دو شعروں کو محمود کا اور آخر کے تین اشعار کو مولانا کا مقولہ کہا ہے مگر میرے نزدیک صرف شعر اوّل محمود کا مقولہ ہے اور باقی اشعار مقولہ مولانا ہیں فتدبر)

در بیانِ آنکہ آنچہ بیان کردہ میشود صورتِ قصہ است و آنکہ
اِس بیان میں کہ جو کچھ بیان کیا جائے گا وہ قصہ کا ظاہر ہے اور
آں صورتیست درخوردِ ایں صورت گراں است و درخورد
یہ کہ وہ ظاہر، ظاہر پرستوں کے لائق اور اُن کی تصویر کے آئینہ کے لائق ہے
آئینۂ تصویرِ ایشانست و از قدوسی کہ حقیقتِ ایں قصہ راست
اور وہ لطافت جو اِس قصہ کی حقیقت ہے میری گویائی کو
نطقِ مرا ازیں تنزیل شرم می آید و از خجالت سرو ریش
اُس کے بیان کرنے سے شرم آتی ہے اور شرمندگی سے سر اور داڑھی اور
و قلم گم میکند والعاقل تکفیہ الاشارۃ
قلم کو گم کیئے دیتی ہے اور عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے

قصۂ محمود و اوصافِ ایاز — چوں شدم دیوانہ رفت اکنوں ز ساز
محمود کا قصہ اور ایاز کے اوصاف — اب ترتیب سے باہر ہو گئے چونکہ میں دیوانہ بن گیا ہوں

قصہ در بیان محمود و ایاز کا حوالہ ترتیب کی ظاہری صورت [illegible] تصویر اپنے عشق [illegible] کر بیان کرنا ہے [illegible]
چونکہ اب مجھ پر عشق حقیقی کا دریا [illegible] ہو گیا ہے لہٰذا ترتیب [illegible] ربط ہو کر رہ گیا ہے۔

[1] زانکہ پیلم دید ہندستان بخواب — از خراج اُمید بُردہ شد خراب
کیونکہ میرے ہاتھی نے ہندوستان کو خواب میں دیکھ لیا — آمدنی سے اُمید منقطع کرنے، گاؤں تباہ ہوگیا ہے

کَیفَ یَاْتِی النَّظْمُ لِیْ وَالْقَافِیَهْ — بَعْدَ مَا ضَاعَتْ اُصُوْلُ الْعَافِیَه
مجھے نظم اور قافیہ کیسے دستیاب ہو! — جبکہ عافیت کی جڑیں برباد ہوگئی ہیں

مَا جُنُوْنٌ وَّاحِدٌ لِّیْ فِی الشُّجُوْن — بَلْ جُنُوْنٌ فِیْ جُنُوْنٍ فِیْ جُنُوْن
غموں کی وجہ سے مجھے ایک ہی جنون نہیں ہے — بلکہ جنون در جنون در جنون ہے

ذَابَ جِسْمِیْ مِنْ اِشَارَاتِ الْکُنَا — مُنْذُ عَانَیْتُ الْبَقَاءَ فِی الْفَنَا
کنیتوں کے اشاروں سے میرا بدن گھل گیا — جب سے میں نے فنا میں بقا کی تکلیف اُٹھائی ہے

[2] اے ایاز از عشق تو گشتم چو مُوئے — ماندم از قصہ تو قصہ من بگوئے
اے ایاز! میں تیرے عشق میں بال جیسا ہوگیا ہوں — میں تیرے قصے سے تھک گیا تو میرا قصہ بیان کر

بس فسانہ عشق تو خواندم بجاں — تو مرا کا فسانہ گشتم بخواں
میں نے تیرے عشق کا افسانہ (دل و) جان سے پڑھا — میں جو افسانہ بن گیا ہوں تو مجھے پڑھ

خود تو میخوانی یقیں اے مُقتدا — من کہ طورم تو موسیٰ ویں صدا
اے مقتدا! یقیناً تو خود پڑھ رہا ہے — میں (کوہ) طور ہوں تو موسیٰ ہے اور یہ صدا (بازگشت) ہے

کوہ بیچارہ چہ داند گفت چیست — زانکہ بیچارہ ز گفتنہا تہی ست
بیچارہ پہاڑ کیا جانے گفتگو کیا ہوتی ہے؟ — کیونکہ وہ بے چارہ گفتگوؤں سے خالی ہے

لیک موسیٰ فہم گفتنہا کُند — کوہِ عاجز خود چہ داند اے سَنَد
لیکن موسیٰ گفتگوئیں سمجھتے ہیں — اے معتمد! عاجز پہاڑ کیا جانے

[3] کوہ میداند بقدرِ خویشتن — اندکے دارد ز لُطفِ روحِ تن
اپنی بقدر پہاڑ بھی جانتا ہے — جسم، روح کا تھوڑا سا لطف رکھتا ہے

تن چو اُصطرلاب باشد ز احتساب — آیتے از رُوح ہمچوں آفتاب
جسم، حساب لینے میں اُصطرلاب کی طرح ہے — روح کی نشانی سورج کی طرح ہے

[4] آں منجم چوں نباشد چشم تیز — شرط باشد مردِ اُصطرلاب ریز
جب وہ نجومی تیز نگاہ نہ ہو — اصطرلاب بنانے والے انسان کی ضرورت ہوتی ہے

تا اصطرلابے کُند از بہرِ اُو — تا برد از حالتِ خورشید بُو
تاکہ وہ اس کے لئے اصطرلاب بنا دے — تاکہ وہ سورج کی حالت معلوم کرسکے

[1] زانکہ. ہاتھی ہندوستان کا جانور ہے غیر ملک میں جا کر جب کبھی وہ خواب میں ہندوستان کو دیکھتا ہے تو اُس پر مستی طاری ہوجاتی ہے۔ کیف. ایک مجنون نظم اور قافیہ پر قادر نہیں رہتا۔ ما جنون میرا صرف ایک جنون نہیں ہے جنون در جنون در جنون ہے۔ ذاب جسمی۔ چونکہ عشق کی داستان بیان نہیں کرسک رہا ہوں، لہٰذا اُس کا اثر میرے جسم کو گھلا رہا ہے۔ منذ: جب سے میں اپنے آپ کو فنا کر کے مقامِ مشاہدہ میں پہنچ گیا ہوں۔

[2] اے ایاز۔ اے محبوب اب مجھ میں یہ طاقت نہیں ہے کہ تیرے عشق کا قصہ بیان کرسکوں اب میرا وجود خود قصہ بن کر رہ گیا ہے تو اس قصہ کو بیان کر۔ بس فسانہ۔ میں تیرے عشق میں فنا ہو کر خود افسانہ بن گیا ہوں۔ خود طور میں کی صدا خود طور کی نہ تھی وہ تو حضرت موسیٰ کی صدائے بازگشت تھی اب میں طور ہوں تو موسیٰ ہے لہٰذا میری آواز دراصل تیری آواز ہے۔ کوہ. پہاڑ خود اُس آواز کو کچھ نہیں سمجھتا موسیٰؑ نے سمجھا۔

[3] کوہ میداند پہلے شعر سے یہ نہ سمجھنا کہ پہاڑ بالکل بے شعور ہے پہاڑ میں بھی شعور ہے لیکن حضرت موسیٰؑ جیسا شعور نہیں ہے۔ اندکے۔ اصل لذت روح کو حاصل ہوتی ہے جسم بھی اُس سے بہرہ اندوز ہوجاتا ہے یہی حال حضرت موسیٰؑ اور پہاڑ کا ہے۔ تن۔ اب مولانا نے جسم اور روح کا مستقل بیان شروع کردیا ہے فرماتے ہیں جسم سے روح کے منازل اور مراتب کا اسی طرح پتہ لگتا ہے جس طرح اُصطرلاب سے سورج کے احوال کا پتہ چلتا ہے۔ اُصطرلاب۔ ایک آلہ ہے جس سے سورج چاند وغیرہ کے فاصلوں کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

[4] آں منجم جو نجومی براہِ راست ستاروں کے احوال نہیں دیکھ سکتا اُسکے لئے اُصطرلاب ذریعہ بنتا ہے۔ جاں۔ جو نجومی براہِ راست چاند اور سورج کے فاصلوں کو

جاں کُز اُصطرلابِ خود بیدا اُو صواب — چہ قدر داند زِ چرخ و آفتاب

جو جان اُصطرلاب کے ذریعہ ٹھیک بات معلوم کرے — وہ آسمانوں اور سورج کی کیا قدر جان سکتی ہے؟

تو کز اُصطرلابِ دیدہ بنگری — در جہاں دیدن یقیں بس قاصری

تو جو کہ آنکھ کے اُصطرلاب سے دیکھتا ہے — عالم واقعی دیکھنے سے یقیناً بہت عاجز ہے

تو جہاں را قدرِ دیدہ دیدہ — کو جہاں سبلت چرا مالیدہ

تو نے جہان کو آنکھ کی بقدر دیکھا ہے — جہان کہاں ہے؟ مونچھوں کو تاؤ کیوں دیا ہے؟

عارفاں را سُرمہ ہست آں بجوئے — تا کہ دریا گردد ایں چشمِ چو جوئے

عارفوں کے پاس سُرمہ ہے وہ طلب کر — تاکہ یہ نہر جیسی آنکھ سمندر بن جائے

ذرّۂ از عقل و ہوش ار با من ست — ایں چہ سودا و پریشاں گفتن ست

اگر عقل اور ہوش کا ایک ذرہ بھی میرے پاس ہے — تو یہ دیوانگی اور بے ترتیب باتیں کرنا کیوں ہے؟

چونکہ مغزِ من زِ عقل و ہُش تہی ست — پس گناہِ من دریں تخلیط چیست

چونکہ میرا دماغ عقل اور ہوش سے خالی ہے — تو اس خلط ملط میں میرا کیا قصور ہے؟

نے گناہ اُو راست کو عقلم بِبُرد — عقلِ جملہ عاقلاں پیشش بمُرد

نہ اس کا گناہ ہے جو میری عقل لے گیا — تمام عقلمندوں کی عقلیں اُسکے آگے مُردہ ہیں

یَا مُحِیْرَ الْعَقْلِ فَتَّانَ الْحِجیٰ — مَا سِوَاكَ لِلْعُقُوْلِ مُرْتَجیٰ

اے عقل کو حیران کرنے والے سمجھ کو فتنہ میں مبتلا کرنیوالے — تیرے سوا عقلوں کی اُمیدگاہ نہیں ہے

مَا اشْتَهَيْتُ الْعَقْلَ مُذْ جَنَّنْتَنِي — مَا حَسَدْتُ الْحُسْنَ مُذْ زَيَّنْتَنِي

تو نے جب سے مجھے جنون عطا کیا ہے میں نے عقل کی خواہش نہیں کی ہے — جب سے تو نے مجھے زینت بخشی ہے میں نے حُسن پر حسد نہیں کیا

بَلْ جُنُوْنِیْ فِیْ هَوَاكَ مُسْتَطَابْ — قُلْ بَلیٰ وَاللهُ يَجْزِيكَ الصَّوَابْ

بلکہ تیرے عشق میں میرا جنون بھلا ہے — کہہ دے "ہاں" اللہ تجھے ٹھیک بدلہ دے

گر بتازی گوید او ور پارسی — گوش و ہوشے کو کہ در فہمش رسی

اگر وہ عربی میں بولے یا فارسی میں — تیرا کان اور ہوش کہاں ہے کہ تو اسکو سمجھے

بادۂ او در خورِ ہر ہوش نیست — حلقۂ اُو سخرۂ ہر گوش نیست

اُس کی شراب ہر ہوش کے مناسب نہیں ہے — اُس کا حلقہ ہر کان کے لائق نہیں ہے

بارِ دیگر آمدم دیوانہ وار — رَو رَو اے جاں زود زنجیرے بیار

میں دیوانہ وار دوبارہ آگیا — اے جان! جا جا، جلد زنجیر لا

غیرِ آں زنجیرِ زُلفِ دلبرم — گر دو صد زنجیر آری بَردَرم

میرے معشوق کی زنجیر کے علاوہ — اگر تو دو سو زنجیریں لائے گا میں توڑ دوں گا

ہست بر پائے دلم از عشق بند — سُود کے دارد مرا ایں وعظ و پند

میرے دل کے پاؤں میں عشق کی بیڑی ہے — مجھے یہ وعظ اور نصیحت کہاں مفید ہو سکتی ہے؟

نہ سمجھ سکے محض اُصطرلاب کے ذریعہ حقیقت تک نہ پہنچ سکیگا۔ تو کز۔ اگر انسان محض آنکھ کے اُصطرلاب کے ذریعہ عالم کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریگا تو وہ حقیقت تک نہ پہنچ پائیگا۔ تو جہاں۔ آنکھ کے ذریعہ سمجھنے والا اپنی آنکھ کے بقدر سمجھ سکیگا۔ عارفاں۔ عارفوں سے سُرمہ حاصل کرنا چاہیئے پھر حقائق واضح ہوں گے۔

۵ ذرّہ۔ اگر مجھ میں تھوڑی بھی عقل ہوتی تو میں ژولیدہ بیانی نہ کروں لیکن چونکہ میری عقل اور حواس گم ہو گئے ہیں لہٰذا یہ بے ترتیب بیان کر رہا ہوں۔ نے گناہ۔ وہ معشوق جس کی وجہ سے ہوش و حواس گم ہوئے ہیں اُس کا کوئی قصور نہیں ہے اُس کی شان یہی ہے کہ اُس کے سامنے عاقلوں کی عقلیں گم ہو جاتی ہیں۔ مُحِیر۔ حیران کرنے والا۔ فتّان۔ فتنہ میں مبتلا کرنے والا۔ حِجیٰ۔ عقل۔ مُرتجیٰ۔ اُمیدگاہ۔

۵ ما اشتہیتُ۔ یعنی تیرے عشق کے جنون کے بعد مجھے عقل کی تمنا نہیں۔ جَنَّنْتَنِی۔ تو نے مجھے جنون میں مبتلا کیا ہے۔ زیّنتنی۔ تو نے مجھے زینت دی۔ مُستطاب۔ پسندیدہ۔ قُل بلیٰ۔ یعنی تو میری ان باتوں کی تصدیق کر دے۔ گر بتازی۔ معشوق کا بولنا دوسرے رنگ کا ہوتا ہے اور اُس کے سمجھنے کیلئے

۱۱ بادہ۔ اُس کی شراب کو صاحب ہمت ہی برداشت کر سکتا ہے اس کی غلامی کے حلقہ کا ہر کان اہل نہیں ہے۔ بارِ دیگر۔ اب مجھے جنون کا پھر دَورہ پڑنے لگا جلد زنجیر لا لیکن وہ زنجیر اپنی زلف کی لا، لوہے کی زنجیر میری پاؤں

جس شخص کے پاؤں میں عشق کی بیڑی پڑی ہو اس پر نصیحت اثر نہیں کرتی

قصۂ عشقش ندارد مطلع[۵۲] — ہم ندارد ہمچو مطلع مقطعہ

اُس کے عشق کا قصہ، کوئی مطلع نہیں رکھتا — مطلع کی طرح مقطع بھی نہیں رکھتا

[۵۲] قصۂ عشق کے قصہ کی نہ ابتدا ہوتی ہے نہ انتہا۔ مطلع۔ غزل کا پہلا شعر۔ مقطع۔ غزل کا آخری شعر۔

شرح چونکہ مولانا پر جنونِ عشق کا غلبہ ہوگیا تھا جس کا اوپر بیان ہوچکا ہے اور اسکی وجہ سے قصہ محمود و ایاز نا تمام رہ گیا تھا اب اسکی ناتمامی کی معذرت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چونکہ میں دیوانہ ہوگیا ہوں کیونکہ میرے ہاتھی کو خواب میں ہندوستان نظر آگیا ہے اور میری روح عالمِ غیب کی طرف متوجہ ہوگئی اسلئے اب مجھ سے محمود اور ایاز کے اوصاف بھی نہیں آتے۔ گاؤں اجڑ گیا پس تم مجھے معذور کہو اور خراج قصہ گوئی کی امید سردست چھوڑ دو کیونکہ میرے عقل کا گاؤں اُجڑ گیا ہے تم غور تو کرو کہ جب اصول عافیت یعنی عقل و ہوش جاتی رہی تو مجھے نظم اور قافیہ قصہ جس میں آورد کی ضرورت ہے کیونکر درست ہوسکتا ہے کیونکہ غمہائے عشق میں مجھے ایک جنون تھوڑا ہی ہے بلکہ جنون در جنون در جنون ہے ایسی حالت میں قصہ کیونکر بیان کرسکتا ہوں رہی یہ نظم سو یہ تو آمد ہے جس میں غور و فکر کی ضرورت نہیں۔

یہاں تک پہنچکر مولانا کو دل تنگی لاحق ہوتی ہے کیونکہ جوشِ عشق چاہتا ہے کہ خوب دل کھول کر بھڑاس نکالو۔ اور جو منہ پر آئے کہو۔ اور اطاعت محبوب اسکی اجازت نہیں دیتی اسلئے مولانا پریشان ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بھائی! جب سے میں نے فنا میں بقا کی مشقتیں جھیلی ہیں۔ اس وقت سے اشارات مخفیہ سے میرا تو جسم گھل گیا کیونکہ جی بے اختیار یہ چاہتا ہے کہ اسرارِ عشق خوب جی کھول کر بیان کردں اور اجازت ہی نہیں اسلئے ضبط کرتا ہوں۔ اور ضبط کی تکلیف سے گھلتا ہوں۔

(فائدہ: منذ عاینت البقار فی الفنار کے اندر دو احتمال ہیں اول تو یہ کہ لفظ عاینت معائنہ سے مشتق ہو دوسرا یہ کہ معاناۃ سے مشتق ہو جسکے معنی ہیں رنج کشیدن یعنی مصیبت جھیلنا اور میرے نزدیک مقام کے مناسب احتمال ثانی ہے گو محشی نے احتمال اوّل کو اختیار کیا ہے) اسکے بعد فرط ضبط سے تنگ آکر بے اختیارانہ

کچھ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے میرے ایاز! یعنی محبوب حقیقی! میں تیرے عشق میں گھل گھل کر مثل بال کے دبلا ہوگیا ہوں اور قصہ بیان کرنے سے بھی عاجز ہوگیا ہوں اور قصہ محمود و ایاز جو حقیقت میں آپ کا اور میرا قصہ ہے اور محمود و ایاز برائے نام اور پردہ پوشی کے لیے ہیں۔ بیان کرنے سے عاجز ہوگیا ہوں۔

پس اب آپ میرا قصہ جو میں کہہ رہا تھا کہئے اور میں آپ کے عشق کا افسانہ بہت کچھ جان و دل سے کہہ چکا ہوں۔ پس اب کہ میں خود افسانہ ہوگیا ہوں آپ مجھے پڑھیئے یعنی میں تو فنا ہوکر آپ کے ذکر کے قابل نہیں رہا۔ اب آپ بمقتضائے اذکرونی اذکرکم میرا ذکر کیجئے اور یہ جو میں کہتا ہوں کہ میں نے یہ کیا وہ کیا اور میں ایسا ہوگیا ویسا ہوگیا اب آپ یہ کیجئے وہ کیجئے یہ میں نہیں کہتا بلکہ آپ ہی کہتے ہیں کیونکہ میں تو بمنزلہ کوہ طور کے ہوں اور آپ بمنزلہ موسےٰ کے۔ جو کہ کوہ طور پر کلام کرتے تھے اور میرا کلام بمنزلہ طور کے اس صدائے بازگشت کے ہے جو کہ موسےٰ علیہ السلام کی آواز سے اس میں پیدا ہوتی تھی وہ آواز گو بظاہر طور سے پیدا ہوتی تھی مگر حقیقت میں وہ کلام موسےٰ علیہ السلام کا تھا۔ ورنہ بے چارہ طور کیا جانے کہ گویائی کیا چیز ہے کیونکہ وہ تو کلاموں سے عاری ہے ہاں موسےٰ علیہ السلام ضرور بولنا جانتے ہیں اور لہٰ لتے ہیں اور پہاڑ جو کہ عاجز ہے وہ کیا بولنا جانے وہ تو اپنی حیثیت کے موافق ہی بولنا جانتا ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ موسےٰ علیہ السلام کہیں اسے دُہرائے سو اس قدر گویائی بھی موسےٰ علیہ السلام کا فیض ہے اسلئے موسےٰ اور طور کی ایسی مثال ہے جیسے روح اور جسم کہ جسم فی حد ذاتہٖ معطل محض ہے۔ ہاں روح کی عنایت سے کچھ حصہ اسکو بھی مل گیا ہے اس لئے اگر خیال کیجئے تو جسم کو روح سے وہی نسبت ہے جو اصطرلاب کو آفتاب سے ہے کیونکہ وہ روح کی حالت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے، جیسے اصطرلاب آفتاب کی حالت کے اظہار کا۔

یہاں تک مولانا نے جسم کو اصطرلاب اور روح کو آفتاب قرار دیا تھا اب مولانا ایک دوسری تشبیہ کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور جہان کو مثل آفتاب کے قرار دیکر

اس کے متعلق مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! جب ستارہ شناس تیز نظر نہیں ہوتا تو اُسکو ایک ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو اُصطرلاب قائم کرنا جانتا ہو۔ تاکہ وہ اسکے لیے اصطرلاب قائم کرے اور وہ ستارہ شناس اُس کے ذریعہ سے آفتاب کی حالت معلوم کرے ——— اب تم سمجھو کہ جو شخص اصطرلاب کے ذریعے سے حالت واقعیہ کو جان سکتا ہے اور اسکی بدوں نہیں تو وہ آسمان اور آفتاب کے متعلق کس قدر علم رکھ سکتا ہے یقیناً تم یہ کہوگے کہ بہت کم۔ اب ہم کہتے ہیں کہ تم جو اصطرلاب چشم کے ذریعے سے عالم کو دیکھتے ہو تو یقیناً تم کو بھی جہاں کی حالت بہت کم معلوم ہو سکتی ہے۔

ایسی حالت میں تمہارا یہ دعوٰے کہ ہم نے عالم کو دیکھ لیا۔ اور اس کی حالت کما حقہ معلوم کر لی بالکل غلط ہے تم نے جہاں کو اس قدر دیکھا ہے جس قدر آنکھ سے معلوم ہو سکتا ہے اور حقیقت وسرِ جہاں یہ نہیں ہے پس فضول مونچھوں پر تاؤ کیوں دیتے ہو۔ اور کیوں کہتے ہو کہ ہم نے جہان کو دیکھ لیا ہاں اگر تم جہاں کو یوں دیکھنا چاہتے ہو۔ جیسا کہ وہ ہے اور جیسا کہ اسکو دیکھنا چاہیئے ——— تو ہم اس کا طریقہ بتلاتے ہیں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ اہل اللہ کے پاس ایک سرمہ ہے جس سے اشیار کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے تم وہ سرمہ تلاش کرو تاکہ تمہاری یہ آنکھ جو بمنزلہ ایک ندی کے ہے ایک سمندر ہو جائے اور تمہاری نظر اس قدر ثاقب ہو جائے کہ صورت سے گذر کر حقیقت تک پہنچ جائے۔

اس مضمون کو یہاں تک پہنچا کر ہوش آتا ہے اور فرماتے ہیں کہ صاحبو! میں نہ کہتا تھا کہ میں دیوانہ ہو رہا ہوں اب تو تمہیں اسکی تصدیق ہو گئی کیونکہ اگر مجھے کچھ بھی عقل اور ہوش ہوتی تو یہ جنون اور پریشان گوئی کیوں ہوتی کہ کیا کہہ رہا تھا اور کیا کیا کہنے لگا۔ مگر چونکہ میرے دماغ میں عقل و ہوش نہیں اسلئے اگر میں خلط بحث کروں تو اس میں میرا کیا قصور ہے کچھ بھی نہیں۔ قصور تو اس کا ہے جس نے میری عقل کھوئی یعنی میرے محبوب کا۔ جسکے سامنے تمام عقلار کی عقول ہیچ اور معطل ہیں۔

(فائدہ: گناہ اور اپنی لفظ گناہ بنا بر مشاکلت استعمال ہوا ہے جیسے ومکروا ومکراللہ میں ومکراللہ)

چونکہ اس مضمون سے شکایت محبوب کی بو آتی تھی کہ اسنے مجھے دیوانہ کردیا اسلیئے مولانا اپنے محبوب کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے عقول کو پناہ دینے والے اور انکو فتنہ میں مبتلا کرنے والے محبوب عقول کی امید فلاح آپسے وابستہ ہے اور آپ ہی انکو فتنوں سے بچا سکتے ہیں پس اگر میرے عقل نے بیان مذکور میں غلطی کی ہو تو آپ معاف کیجیو۔ اور اسے فتنہ سے بچائیے۔ میرا مقصود اس بیان سے شکایت نہیں ہے اور جب سے آپنے مجھے دیوانہ کیا ہے میں انے کسی عقل کی خواہش نہیں کی اور جب سے آپنے مجھے دیوانگی سے زینت بخشی ہے میں نے حسن عقل پر کبھی رشک نہیں کیا۔ بلکہ مجھے تو آپ کی محبّت میں جنون ہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔

اے مخاطب! تو بھی کہہ کہ جی ہاں! بخدا یہ ہی بات ہے کیونکہ یہ بات حق ہے اور حق تیرے لیے کافی ہے۔ [فائدہ: واللہ میں واو قسمیہ ہے اور یجزیک الصواب علت ہے قل کی۔ محشی نے واللہ کو مبتدا قرار دیا ہے اور جملہ کو دعائیہ یا حالیہ قرار دیا ہے لیکن یہ میرے نزدیک صحیح نہیں) چونکہ مولانا نے فارسی کو چھوڑ کر عربی بولنا شروع کردی تھی جس سے عوام کو وحشت ہو سکتی تھی۔ اسلئے مولانا اپنے کلام کو محبوب کا کلام قرار دیکر فرماتے ہیں کہ خواہ وہ عربی بولے یا فارسی تجھے کیا؟ اور تو عربی سے کیوں وحشت کرتا ہے۔ اسلئے کہ تیرے کان اور ہوش کہاں ہیں کہ ان کے ذریعہ سے تو اس گفت گوئے عشق کو سمجھ سکے۔ اسلئے کہ اس کی شراب سخن ہر عقل کے مناسب نہیں ہے اور اس کا حلقہ کلام ہر گوش کا مسخر نہیں ہے پس جب تو اسکو سمجھ ہی نہیں سکتا تو تیرے نزدیک عربی وفارسی دونوں برابر ہیں پھر تو عربی سے کیوں وحشت کرتا ہے

" بادہ او درخورالخ سے مولانا پر پھر جنون کا غلبہ ہوگیا اسلئے فرماتے ہیں کہ میں پھر دیوانہ وار آیا ہوں۔ جاؤ جاؤ میرے لیے زنجیر لاؤ۔ اسکے بعد فرماتے ہیں کہ جی زنجیروں سے

کیا ہوتا ہے ایک چھوڑ تم دو سو زنجیریں لاؤ تو میں توڑ ڈالوں گا۔ اور کسی سے مقید نہ ہونگا اِلّا زُلفِ یار کہ وہ مجھے مقید کر سکتی ہے اور اسکو میں نہیں توڑ سکتا پس مجھے کوئی زنجیر نہیں روک سکتی نہیں مجھے وعظ و نصیحت بھی فائدہ نہیں دے سکتی کیونکہ میرے دل کے پاؤں میں عشق کی بیڑی پڑی ہے جو کہ اسکو ہر نصیحت کے قبول کرنے سے مانع ہے اچھا اب اس ذکر کو چھوڑنا چاہیئے کیونکہ اس عشق کے قصہ کی ابتدا نہیں اور جس طرح اسکی ابتدا نہیں یوں ہی انتہا بھی نہیں پس اس کا پورا بیان کر دینا ناممکن ہے۔

حکمتِ نظر کردن در چارق و پوستین کہ فلینظر

چپل اور پوستین کو دیکھنے کی حکمت کیونکہ پس انسان دیکھے

الانسانُ مِمّا خُلِق

کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے

بازگرداں قصۂ عشقِ ایاز — کاں یکے گنجے ست مالامالِ راز

ایاز کے عشق کا قصہ لوٹا — کیونکہ وہ راز سے بھرا ہوا ایک خزانہ ہے

میرود ہر روزہ در حُجرہ بدیں — تا ببیند چارقے با پوستیں

وہ ہر روز حجرہ میں اس لئے جاتا تھا — تاکہ چپل مع پوستین کے دیکھے

زانکہ ہستی سخت مستی آورد — عقل از سر، شرم از دل میبرد

کیونکہ وسعت بہت مستی لاتی ہے — سر سے عقل کو (اور) دل سے شرم کو نکالدیتی ہے

صدہزاراں قرن پیشیں راہیں — مستیِ ہستی بزد رہ زیں کمیں

اس لئے کہ لاکھوں سال پہلے اسی — وسعت کی مستی نے اس گھات سے ڈاکہ زنی کی ہے

شُد عزازیلے ازیں مستی بلیس — کہ چرا آدم شود بر من رئیس

اسی مستی کی وجہ سے عزازیل ابلیس بنا — کہ آدم میرے سردار کیوں ہوں؟

خواجہ اَم من نیز و خواجہ زادہ اَم — صد ہنر را قابل و آمادہ اَم

میں سردار ہوں اور سردار زادہ بھی ہوں — لاکھوں ہنروں کے قابل اور آمادہ ہوں

در ہنر من از کسے کم نیستم — تا بخدمت پیشِ دشمن بیستم

میں ہنر میں کسی سے کم نہیں ہوں — پھر کیوں دشمن کے سامنے دربار میں کھڑا ہوں؟

من ز آتش زادہ اَم اُو از وحل — پیشِ آتش مر وحل را چہ محل

میں آگ سے پیدا ہوا ہوں وہ کیچڑ سے — آگ کے سامنے کیچڑ کا کیا رتبہ؟

بازگرداں

ایاز کا قصہ پھر شروع کر کیونکہ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ہستی یعنی عیش و عشرت کے سامان کے ہوتے ہوئے انسان میں نہ عقل رہتی ہے نہ شرم۔

صد ہزاراں۔ قدیم زمانے سے یہ فراوانی قوموں اور لوگوں کی تباہی کا سبب بنی ہے۔

شد عزازیل۔ شیطان کو ہر طرح کا عیش و عشرت اور رتبہ کی بڑائی حاصل تھی وہی اس کی گمراہی کا سبب ہوئی۔

خواجہ۔ شیطان، ملائکہ کا معلم تھا اور آگ سے پیدا ہوا تھا جو کہ مٹی سے اعلیٰ ہے اس لئے اس نے آپ کو سردار و سردار زادہ کہا۔

دشمن۔ یعنی حضرت آدمؑ۔ وحل۔ کیچڑ۔ پیشِ آتش۔ یعنی رتبہ میں آگ سے گھٹی ہوئی ہے۔ آتو کہا۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے شیطان کی بہت عزت تھی۔ خلق۔ دو آیتوں سے ثابت ہوا کہ شیطان جنوں میں سے تھا اور جنوں کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے مشتعل۔ چونکہ شیطان آتشی ہے تو اس کا مزاج

اُو کجا بود اندراں دورے کہ من | صدرِ عالم بُودم و فخرِ زمن
اُس زمانہ میں وہ کہاں تھا؟ جبکہ میں عالم کا صدر اور زمانہ کا فخر تھا

دربیانِ آیۂ کریمہ خَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وقولہٗ تعالیٰ

آیۂ کریمہ کے بیان میں جنوں کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ کا

فی حقِ اِبلیس علیہِ اللعنۃُ - اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ

ابلیس (اُس پر لعنت ہو) کے بارے میں بیشک وہ جنوں میں سے تھا پھر بھاگ نکلا

عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ

اپنے رب کے حکم سے

شُعلہ میزد آتشِ جانِ سَفِیہ | کآتشی بُود الولدُ سِرُّ اَبِیہ
نالائق کی جان شعلہ مارتی تھی کیونکہ وہ آگ کا (بنا ہوا) تھا لڑکا باپ کا راز ہے

نے غلط گفتم کہ بُد قہرِ خُدا | عِلّتے را پیش آوردن چرا
نہیں میں نے غلط کہا بلکہ وہ خدا کا قہر تھا کوئی علت پیش کرنا کیسا؟

کارِ بے عِلّت مبرّا از عِلَل | مُستمرّ و مُستقرّ ست از ازل
(خدا کا) کام بے علت، علتوں سے پاک ہے ازل سے، دائم اور قائم ہے

در کمالِ صُنعِ پاکِ مُستحث | عِلّتِ حادث چہ گنجد با حَدث
قابلِ توجہ، پاک کام کے کمال میں حدوث کے ہوتے ہوئے حادث کی علت کی کیا گنجائش؟

سِرِّ اَب چہ بُود اَبِ ما صُنعِ او ست | صُنع مغز ست و اَب صورت چو پوست
باپ کا راز کیا ہوتا ہے؟ ہمارا باپ اُس کی صنعت ہے صنعت مغز ہے اور باپ چھلکے کی طرح صورت ہے

عشق داں اے فُندقِ تن دوستت | جانت جوید مغز و کوبد پوستت
اے فندق جیسے جسم (والے) عشق کو اپنا دوست سمجھ جو تیری جان کو مغز بنانا چاہتا ہو تیرے چھلکے کو کوٹتا ہو

دوزخی کہ پوست باشد دوستش | داد بَدَّلْنَا جُلُودًا پوستش
وہ دوزخی کھال جس کی دوست ہو ہم نے کھالوں کو بدل دیا - کی کھال اُس کو دیدی ہے

معنی و مغزت بر آتش حاکم ست | لیک آتش را قشورت ہیزم ست
تیرا جوہر اور مغز آگ پر حکمراں ہے لیکن تیرے چھلکے آگ کا ایندھن ہیں

کوزۂ چوبیں کہ در وے آبِ جو ست | قدرتِ آتش ہمہ بر ظرفِ او ست
لکڑی کا پیالہ جس میں نہر کا پانی ہے آگ کا پورا قابو اُس کے برتن پر ہے

بن آتشی ثابت ہوا۔ اَلوَلَدُ جیسا باپ ویسا بیٹا۔
[۲] نے نے۔ میں نے اُس کی نافرمانی کی علت آگ کو قرار دیا اصل علت قہرِ خدا ہے۔
[۳] کار۔ اللہ تعالیٰ کا کام علت پر مبنی نہیں ہوتا ہے۔ در کمال۔ اللہ تعالیٰ کے کمالات اور صفات ازلی ہیں کوئی امر حادث اس کی علت کیسے بن سکتا ہے تو شیطان کی نافرمانی کی علت اُس کے آتشی ہونے کو قرار دینا صحیح نہیں ہے جبکہ قدرِ ازلی میں اُس کو نافرمان قرار دیا گیا تھا اُس وقت نہ آگ تھی نہ شیطان کا آتشی ہونا تھا۔
[۴] سرِّ اب چہ بُود۔ کہا تھا اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ یعنی بیٹے کے اوصاف کے لئے باپ کے اوصاف علت ہیں۔ اب فرماتے ہیں کہ باپ خود اللہ کا بنایا ہوا ہے وہ کیا علت بن سکے گا۔ اصل اللہ کی صفت ہے باپ اُس کا ظاہری چھلکا
[۵] دوزخی۔ جو جسم و پوست کی بالیدگی کرتا ہے وہ دوزخی ہے اور اللہ تعالیٰ اُس کو دوزخ میں نئی نئی کھالیں دیگا قرآن پاک میں ہے کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ .. اُن دوزخیوں کی جب جب کھالیں پک جائیں گی ہم اُن کی کھالیں تبدیل کر دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں۔ معنی و مغز۔ انسان کی روح، روح کامل کا پر تو ہے لہٰذا وہ آگ پر حاکم ہے آگ کا ایندھن انسان کا جسم ہے۔ کوزہ جس لکڑی کے

[۱] بے تواصلِ علت۔ اور سبب خدا کی کاریگری ہے۔ عشق داں۔ عشق روح میں بالیدگی پیدا کرتا ہے اور جسم کو گھٹاتا ہے۔ فندق۔ عناب کی طرح کا ایک پھل ہے

معنیِ انساں بر آتش مالکست ۔ مالکِ دوزخ درو کے ہالکست

انسان کا جوہر آگ کا مالک ہے ۔ دوزخ کا مالک اُس میں کب ہلاک ہونے والا ہے

معنیِ ہیزم بر آتش حاکمست ۔ لیک آتش راتنِ اُو ہیزمست

ایندھن کا جوہر آگ پر حاکم ہے ۔ لیکن اُس کا جسم آگ کا ایندھن ہے

پس میفزا تو بدن معنیٰ فزا ۔ تا چو مالک باشی آتش را کیا

پس تو جسم کو نہ بڑھا، روح کو بڑھا ۔ تاکہ تو مالک کی طرح آگ کا حاکم بنے

پوستہا بر پوست می افزودۂ ۔ لاجرم چوں پوست اندر دُودۂ

تو نے چھلکے پر چھلکا بڑھایا ہے ۔ لامحالہ تو چھلکے کی طرح دھوئیں میں ہے

زانکہ آتش را علف جز پوست نیست ۔ قہرِ حق آں کبر را گردن زنیست

آگ کی خوراک چھلکے کے علاوہ نہیں ہے ۔ اللہ (تعالیٰ) کا قہر اُس تکبر کی گردن کاٹنے والا ہے

ایں تکبر از نتیجہ پوستست ۔ جاہ و مال آں کبر را زاں دوستست

یہ تکبر، پوست کا نتیجہ ہے ۔ اس لئے تکبر کو رُتبہ اور مال محبوب ہے

ایں تکبر چیست غفلت از لباب ۔ منجمد چوں غفلتِ یخ ز آفتاب

یہ تکبر کیا ہے؟ جوہر سے غفلت ۔ جمی ہوئی جیسا کہ برف کی سورج سے غفلت

چوں خبر شُد ز آفتابش یخ نماند ۔ نرم گشت و گرم گشت و تیز راند

جب اُس کو سُورج کا پتہ چلا، برف نہ رہا ۔ نرم ہو گیا اور گرم ہو گیا اور تیزی سے بہہ گیا

شُد ز دیدِ لُب جملہ تن طمع ۔ خوار و عاشق شد کہ ذُلَّ مَن طَمِع

جوہر کے دیکھ لینے سے پورا جسم لالچ بن گیا ۔ ذلیل اور عاشق بنگیا کیونکہ جس نے لالچ کیا وہ ذلیل ہوا

چوں نہ بیند مغز قانع شُد بپوست ۔ بندِ عَزَّ مَن قَنَع زندانِ اُوست

جب جوہر کو نہیں دیکھتا ہے، چھلکے پر قانع ہو جاتا ہے ۔ جس نے قناعت کی اُس نے تکبر کیا "کی بیڑی اس کا قید خانہ ہے

عزّت اینجا گبریست و ذُل دیں ۔ سنگ تا فانی نشُد کے شُد نگیں

اس جگہ عزت کافری ہے اور ذلت دیں ۔ پتھر جب تک فانی نہ ہوا، نگینہ کب بنا؟

در مقامِ سنگی وانگاہ انا ۔ وقتِ مسکیں گشتنِ تُست و فنا

تو پتھر کی جگہ ہے اور پھر تکبر ۔ (حالانکہ) تیرے مسکین بننے اور فنا کا وقت (قریب) ہے

کبر زاں جُوید ہمیشہ جاہ و مال ۔ کہ ز سرگین ست گلخن را کمال

تکبر ہمیشہ رُتبہ اور مال کا جویاں اسلئے ہے ۔ کہ بھٹی کو گوبر سے کمال (حاصل) ہے

پیالے میں پانی ہو اگر اس کو آگ پر رکھو تو پیالہ پر آگ کا اثر آئے گا۔

لہ معنیِ انسان۔ رُوح انسانی آگ کی مالک ہے تو مالک فرشتہ جہنم کا داروغہ اور حاکم ہے وہ آگ سے کیسے تباہ ہو سکتا ہے مالک۔ اُس فرشتہ کا نام ہے جو آگ کا حاکم اور داروغہ ہے۔ پوستہا۔ جبکہ تو مجسم پوست بن گیا ہے اور پوست جلنے کی چیز ہے تو تو بھی جہنم کے دھوئیں میں ہے۔ زانکہ۔ جسم پروری سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور اللہ کا قہر اُس کا قاتل ہے۔

لہ ایں تکبر۔ جسم پروری کا نتیجہ تکبر و غرور ہوتا ہے اسی لئے تکبر مال اور رتبہ کو بہت پسند کرتا ہے چونکہ یہ چیزیں تن پروری کا سبب ہیں۔ ایں تکبر۔ انسان کا تکبر اس کی ذات و صفات ... سے غفلت کا نتیجہ ہے وہ

لہ چوں نہ بیند۔ جب تک انسان کو ایک حقیقت کا مشاہدہ نہیں ہوتا وہ ظاہر پر قناعت کرتا ہے اور قناعت کی بیڑی اُس کو تکبر اور غرور میں مبتلا کر دیتی ہے۔ عزّ من قنع۔ اس محاورے کے عام معنی تو یہ ہیں کہ جو شخص دنیاوی معاملات میں قناعت اختیار کرتا ہے وہ باعزت رہتا ہے مولانا نے اس محاورے کے یہی معنی مراد نہیں لئے ہیں۔ عزت۔ مولانا فرماتے ہیں تن پروری کفر ہے اور دین ذلت کا اختیار کرنا ہے۔ سنگ۔ جسم کے پتھر کو جب تک مجاہدوں کے ذریعہ فنا نہ کیا جائیگا وہ نگ نہ بن سکے گا۔

اُس کا جماؤ ایسا ہی ہے جیسا کہ برف کا جماؤ سورج سے غفلت کی بنا پر ہے۔ لُباب خلاصہ جوہر یعنی ذاتِ باری اور صفات شُد ز دیدِ لُب۔ جب اُسکو ذات و صفات کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو انسان میں اُنکے حصول کا لالچ پیدا ہوتا ہے ورلالچی ہمیشہ ذلت اختیار کرتا ہے ذُلَّ مَن طَمِع۔ مولانا نے اس محاورے کے عام معنی سے ہٹ کر دوسرے معنی مراد لئے ہیں عام معنی تو یہ

کایں دو دایہ پوست را افزوں کنند — شحم و لحم و کبر و نخوت آگنند
کیونکہ یہ دونوں بعدہ پلانے والی کھال کو بڑھاتی ہیں — چربی اور گوشت اور تکبر اور غرور بھرتی ہیں

دیدہ را بر لبِ لب نفراشتند — پوست را زاں روئے لب پنداشتند
لوگوں نے مغز کے مغز پر نظر نہ اٹھائی — اس سبب سے چھلکے کو مغز سمجھ گئے

پیشوا ابلیس بود ایں راہ را — کو شکار آمد شبیکہ جاہ را
اس راستے کا پیشوا ابلیس تھا — جو رتبہ کے جال کا شکار بنا

مال چوں مار ست و آں جاہ اژدہا — سایۂ مرداں زمرد ایں دو را
مال سانپ جیسا ہے اور رتبہ اژدہا ہے — ان دونوں کا زمرد، مردوں کا سایہ ہے

زاں زمرد مار را دیدہ جہد — کور گردد مار و رہرو وا رہد
اس زمرد سے سانپ کی آنکھیں نکل جاتی ہیں — سانپ اندھا ہو جاتا ہے اور سالک نجات پا جاتا ہے

چوں بدیں رہ خار بنہاد آں رئیس — ہر کہ خست او گفت لعنت بر بلیس
جبکہ اس پیشوا نے اس راستہ پر کانٹے بچھائے — جو بھی زخمی ہوا اس نے کہا شیطان پر لعنت

یعنی ایں غم بر من از غدرِ وے است — غدر را آں مقتدا سابق پے است
یعنی مجھے یہ تکلیف اس کی غداری سے پہنچی — غداری کا وہ مقتدا اور پیشوا ہے

بعد ازاں خود قرن بر قرن آمدند — جملگاں بر سنتِ او پا زدند
اس کے بعد صدیوں پر صدیاں آئیں — سب اس کے طریقہ پر چل پڑے

ہر کہ بنہد سنتِ بد اے فتی — تا در افتد بعد او خلق از عمیٰ
اے نوجوان! جس نے برا راستہ قائم کیا — اسکے بعد جبکہ بھی مخلوق اندھے پن سے اس پر چلتی ہے

جمع گردد بر وے آں جملہ بزہ — کو سرے بود ست و ایشاں دم غزہ
وہ سب گناہ اس پر جمع ہو جاتا ہے — کیونکہ وہ سر تھا اور وہ دم کی جڑ تھے

لیک آدم چارق و آں پوستیں — پیش می آرد کہ ہستم من زطیں
لیکن آدم چپل اور وہ پوستین — سامنے لاتا ہے، کہ میں مٹی کا ہوں

چوں ایاز آں چارقش مورود بود — لاجرم او عاقبت محمود بود
جیسا کہ ایاز، چپل اس کا ورد تھی — لامحالہ اس کا انجام قابلِ ستائش تھا

ہستِ مطلق کارسازِ نیستی ست — کارگاہِ ہست کن جز نیست چیست
مطلق وجود، نیستی کا کارنامہ ہے — موجود ہونے کا کارخانہ نیستی کے سوا کیا ہے!

● وہ شیطان پر لعنت کرتا ہے۔ آں مقتدا۔ یعنی شیطان۔ جملگاں۔ اب جس قدر گمراہ ہیں اسی شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔

ے دیدہ را۔ چونکہ ان لوگوں نے اصل جوہر کو نہ دیکھا اس لئے وہ چھلکے کو مغز سمجھ بیٹھے۔ پیشوا۔ ان گمراہوں کا پیشوا شیطان ہے جو خود جاہ اور مرتبہ کے جال کا شکار ہو گیا۔ مال۔ مال اور رتبہ کی محبت انسان کیلئے سانپ اور اژدہا ہے بزرگوں کی محبت ان دونوں کے لئے زمرد ہے۔ زاں زمرد۔ مشہور ہے کہ زمرد کی تاثیر سے سانپ اندھا ہو جاتا ہے اور وہ انسان پر حملہ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

گے چوں۔ راہ ہدایت پر چونکہ شیطان نے کانٹے بچھائے ہیں۔ اب جس کسی کو بھی اس راہ میں اس سے تکلیف پہنچی ہے ●

لے ہر کہ۔ حدیث شریف ہے مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَیِّئَةً فَعَلَیْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ جس شخص نے کوئی بری راہ قائم کی اس پر اس کا اور ان لوگوں کا گناہ ہے جو قیامت تک اس پر عمل کریں گے۔ بزہ۔ گناہ۔ دم غزہ۔ دم کی جڑ۔ لیک آدم۔ آدم علیہ السلام نے اپنی اصل کو دیکھا اور ربنا ظلمنا انفسنا کہدیا۔ چوں ایاز۔ ایاز کا بھی اسی طرح سے اپنی غربت کی پوستین اور چپل کو دیکھنے کا معمول تھا اسی لئے اس کی عاقبت بھی پسندیدہ ہوئی۔

ے ہست مطلق۔ انسان اپنے آپ کو نیست کرے گا تب ہی اس میں صنعت خداوندی کا ورثہ ملے گی۔ ہر نوشتہ۔ لکھے ہوئے کاغذ پر کوئی نہیں لکھتا ہے جس طرح سے

بَر نوشتہ ہیچ بنویسد کسے
کبھی کوئی لکھے ہوئے پر لکھتا ہے ؟

یا نہالے کارد اندر مغرسے
یا ایک پودے کے تھانولے میں کوئی دوسرا پودا لگاتا ہے

کاغذے جوید کہ آں بنوشتہ نیست
وہ کاغذ تلاش کرتا ہے جو لکھا ہوا نہیں ہے

تخم کارد موضعے کہ کشتہ نیست
اس جگہ بیج بوتا ہے، جو بوئی ہوئی نہیں ہے

تو برادر موضعِ ناکشتہ باش
اے بھائی! تو نہ بوئی ہوئی جگہ بن جا

کاغذ اسپید نابنوشتہ باش
تو نہ لکھا ہوا سفید کاغذ بن جا

تا مشرف گردی از نون والقلم
تاکہ تو نون اور قلم سے مشرف ہو جائے

تا بکارد در تو تخم آں ذوالکرم
تاکہ وہ صاحب کرم تجھ میں بیج بوئے

خود ازیں پالودہ نالیسیدہ گیر
خود اس فالودے کو نہ چکھا ہوا بنا لے

مطبخے کہ دیدہ نادیدہ گیر
جو مطبخ تو نے دیکھا ہے اس کو بن دیکھا بنا لے

زانکہ زیں پالودہ مستیہا بود
کیونکہ اس فالودے سے مستیاں (پیدا) ہوتی ہیں

پوستین و چارق از یادت رود
پوستین اور چپل تیری یاد سے نکل جاتے ہیں

چوں در آید نزع و مرگ آہے کنی
جب نزع اور موت آتی ہے تو آہ کرتا ہے

ذکرِ دلق و چارق آنگہ کنی
تب پرانی گدڑی اور چپل کو یاد کرتا ہے

تا نگردی غرقِ موجِ زشتیے
جب تک تو کسی برائی کی موج میں غرق نہ ہوگا

کہ نباشد از پناہت کشتیے
جس میں تیری پناہ کے لئے کوئی کشتی نہ ہوگی

یاد ناری از سفینہ راستیں
تو سچائی کی کشتی کو یاد نہ کرے گا

ننگری در چارق و در پوستیں
چپل اور پوستین کو نہ دیکھے گا

چونکہ درمانی بغرقابِ بلا
جب تو مصیبت کے بھنور میں پھنس جائیگا

پس ظلمنا ورد سازی بر ولا
پھر پے در پے "میں نے ظلم کیا" کو ورد بنائے گا

دیو گوید بنگرید ایں خام را
شیطان کہتا ہے اِس بے وقوف کو دیکھو

سر برید ایں مرغِ بے ہنگام را
اس بے وقت کے (اذان دینے والے) مرغے کو ذبح کر دو

دور ایں خصلت ز فرہنگِ ایاز
یہ خصلت ایاز کی ذہانت سے بعید ہے

کہ پدید آید نمازش بے نیاز
کہ اُس کی نماز بغیر عاجزی کے ہو

او خروسِ آسماں بودہ زپیش
وہ پہلے سے آسمانی مرغ تھا

نعرہائے او ہمہ در وقتِ خویش
اُس کے سب نعرے اپنے وقت پر تھے

میں درخت پہلے سے لگا ہوا ہو اُس میں نیا پودا نہیں بویا جاتا ہے لہٰذا اپنے آپ کو فنا کر تب بقا حاصل ہوگا. کاغذے. خوشنویس سادہ کاغذ تلاش کرتا ہے، باغ بنجر زمین میں لگایا جاتا ہے. تو برادر انسان کو اپنے آپ کو نہ لکھے ہوئے کاغذ اور بنجر زمین کی طرح بنالینا چاہیئے

۴۵ تا مشرف. پھر قدرت قلمِ قدرت سے اُس پر نقش و نگار کرے گی اور اُس میں معرفت نئے پودے اُگا دے گی. خود. اپنے آپ کو دنیاوی لذتوں*

۴۶ تا نگردی. تیری یہ حالت ہے کہ جب تک تو بالکل تباہ نہ ہو جائیگا اپنی اصل حقیقت کو نہ دیکھے گا چونکہ. جب مصیبت کے بھنور میں پھنسے گا تب توبہ کرے گا. دیو. پھر شیطان تجھ پر ہنسے گا اور کہے گا کہ اب بے وقت کی توبہ اور ندامت سے کیا فائدہ ہے اُس کو ذبح کر ڈالو، جو مرغ بے وقت اذان دیتا ہے اُس کو ذبح کر دیا جاتا ہے. دور. ایاز کی یہ عادت نہ تھی کہ اُس کو وقت گذر جانے پر تنبیہ ہو اُس کی ہر نماز عجز و انکساری سے تھی اور وہ آسمانی مرغ تھا اُس کی تمام عاجزی بروقت تھی.

*سے خالی کرلے پھر غیب کی لذتیں حاصل ہوں گی. زانکہ. انسان دنیاوی لذتوں میں پھنس کر مستکبر بن جاتا ہے اور اپنی اصل حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے. چوں در آید. پھر ایسے وقت میں ندامت کا اظہار کرتا ہے کہ اُس کو اُس کا اظہار مفید نہیں ہوتا.

در معنیٔ آنکہ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا هِیَ و معنیٔ آنکہ لَوْ کُشِفَ

اس معنی کے بیان میں کہ ہمیں چیزوں کو ایسا دکھا جیسی وہ ہیں اور اس کے معنی کہ اگر

الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُّ یَقِیْنًا و معنیٔ ایں بیت

پردہ ہٹا دیا جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہو اور اس بیت کے معنی

در ہر کہ تو از دیدۂ بد می نگری — از چنبرۂ وجودِ خود می نگری

جس شخص کو تو بری نظر سے دیکھتا ہے — اپنے وجود کے حلقے سے دیکھتا ہے

و در بیانِ ایں مصرع — پایہ کژ کژ فگند سایہ

اور اس مصرع کے بیان میں — ٹیڑھا قد ٹیڑھا سایہ ڈالتا ہے

اے خروساں از وے آموزید بانگ — بانگ بہرِ حق کند نے بہرِ دانگ

اے مرغو! اس سے اذان دینا سیکھو — وہ اللہ کے لئے اذان دیتا ہے، نہ کہ پیسے کے لئے

صبحِ کاذب آید و نفریبدش — صبحِ کاذب عالمِ نیک و بدش

صبح کاذب آتی ہے اور اس کو فریب نہیں دیتی — صبح کاذب اپنے نیک و بد کے جاننے والے کو

اہلِ دنیا عقلِ ناقص داشتند — تا کہ صبحِ صادقش پنداشتند

دنیا والے ناقص عقل رکھتے تھے — حتیٰ کہ اس کو صبح صادق سمجھ بیٹھے

صبحِ کاذب کاروانہا را زدست — کہ بہ بوئے روز بیروں آمدست

صبح کاذب نے دن، قافلوں کو تباہ کیا ہے — جو دن کی امید پر باہر آ گئے ہیں

صبحِ کاذب خلق را رہبر مباد — کو دہد بس کاروانہا را بباد

خدا کرے صبح کاذب مخلوق کی راہنما نہ بنے — جو قافلوں کو برباد کر دیتی ہے

اے شدہ تو صبحِ کاذب را رہیں — صبحِ صادق را تو کاذب ہم مبیں

اے وہ شخص کہ تو صبح کاذب کا پابند ہے — صبح صادق کو بھی تو کاذب نہ سمجھ

گر نداری از نفاق و بد اماں — از چہ داری بر برادر ظنِ ہماں

اگر تجھے برے نفاق سے امن نہیں ہے — تو تو بھائی پر اس کا گمان کیوں کرتا ہے

بدگماں باشد ہمیشہ زشت کار — نامۂ خود خواند اندر حقِ یار

بدگمان ہمیشہ بدکار ہوتا ہے — دوست کے بارے میں اپنا خط پڑھتا ہے

آں خساں کاندر کژیہا ماندہ اند — انبیا را ساحر و کژ خواندہ اند

وہ کمینے جو کجی میں پھنسے ہوئے ہیں — انھوں نے انبیا کو جادوگر اور ٹیڑھا کہا ہے

---

۲ ارنا۔ یہ دعا امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب ہے مولانا نے اس مناسبت سے اس کو یہاں ذکر کیا ہے کہ ایاز کے مخالفوں کو اس کے حجرہ میں جانے کی حقیقت معلوم نہ تھی اسی لئے انھوں نے اس کو متہم کیا۔ لو کشف الغطاء۔ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقولہ ہے کہ میرا ایمان بالغیب اس درجہ کا ہے کہ اگر غیب سے پردے بھی ہٹ جائیں تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا پردوں کے ہوتے ہوئے میں ایمان اور یقین کے آخری مرتبہ پر ہوں۔ در ہر کہ۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ انسان دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے جیسا خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسرے کو سمجھتا ہے۔

۱ اہل دنیا۔ دنیادار توبہ کا صحیح وقت نہیں پہچانتے ہیں ایسے وقت توبہ کرتے ہیں جبکہ توبہ مفید نہیں رہتی۔ صبح کاذب۔ صحیح وقت کو نہ پہچاننے سے بہت سی قومیں تباہ ہوئی ہیں، قافلہ اگر کاذب صبح میں نکل پڑتا ہے تو لوٹ لیا جاتا ہے۔ صبح کاذب خدا کرے کاذب صبح کسی کی رہبر نہ بنے ورنہ وہ تباہ ہو جائے گا۔

۲ اے شدہ۔ جو شخص خود غلطی میں مبتلا ہے وہ دوسرے کو غلطی پر نہ سمجھے۔ گر نداری۔ اگر انسان خود منافق ہے تو اس کو دوسروں کو منافق نہ سمجھنا چاہیے۔ بدگماں۔ بدگمان بہت بدکار ہے [illegible] کو دوسروں کا [illegible] سمجھ کر

۵ پایہ کژ۔ اگر انسان کا خود ٹیڑھا قد ہے تو اس کا سایہ یقیناً ٹیڑھا پڑیگا۔ اے خروساں۔ جو لوگ اپنی اصلاح کرنا چاہیں ان کو اسی طرح بروقت اصلاح کرنی چاہیے جس طرح ایاز نے بروقت اپنی اصلاح کر لی تھی اس میں اخلاص تھا اور کوئی ریاکاری نہ تھی۔ صبح کاذب۔ وہ وقت کو صحیح پہچانتا تھا وقت اس کو دھوکا نہ دے سکتا تھا۔

وآں امیرانِ خسیسِ قلب ساز
اُن کمینے دھوکے باز سرداروں نے

ایں گماں بُردند بر حجرۂ ایاز
ایاز کے حجرے پر یہی گمان کیا

کو دفینہ دارد و گنج اندراں
کہ وہ دفینہ رکھتا ہے اور اُس میں خزانہ ہے

زائنہ خود منگر اندر دیگراں
اپنے آئینہ میں دوسروں کو نہ دیکھ

شاہ میدانست خود پاکیِ اُو
شاہ خود اُس کی پاکی کو جانتا ہے

بہرِ ایشاں کرد اُو آں جُست و جُو
اُس نے وہ جستجو اُن کے لئے کی تھی

کاے امیراں حجرہ بکشائید دَر
کہ اے سردارو! حجرے کا دروازہ کھول دو

نیم شب کہ باشد اُو زاں بیخبر
آدھی رات کو کیونکہ وہ اُس سے لاعلم ہوگا

تا پدید آید سگالشہائے اُو
تاکہ اُس کی تدبیریں ظاہر ہو جائیں

بعد ازاں بر ماست مالشہائے اُو
پھر اُس کی سزا ہمارے ذمہ ہے

مر شمارا دادم آں زرّ و گہُر [٥٥]
میں نے وہ زر و جواہر تمہیں دیا

مَن ازاں زر ہا نخواہم جز خبر
میں اُس زر کے بارے میں سوائے خبر کے کچھ نہیں چاہتا ہوں

ایں ہمی گفت و دلِ اُو می طپید
وہ یہ کہہ رہا تھا اور اُس کا دل تڑپ رہا تھا

از برائے آں ایازِ بے ندید
اُس بے نظیر ایاز کی وجہ سے

کہ منم کایں بر زبانم میرود
کہ میں ہوں کہ میری زبان سے جاری ہو رہا ہے

ایں جفا گر بشنود اُو چوں شود
یہ ظلم اگر وہ سُنے گا، اُس کا کیا حال ہوگا!

باز میگوید بحقِّ دینِ اُو
پھر کہتا ہے اُس کے دین کی قسم

کہ ازیں افزوں بُود تمکینِ اُو
اُس کا رُتبہ اِس سے بڑھ کر ہے

کہ بقذفِ زشتِ من طیرہ شود
کہ وہ میرے بُری تہمت لگانے سے ناراض ہو

وز غرض وز سِرِّ من غافل بُود
اور میری غرض اور راز سے غافل ہو

مُبتلا چوں دید تاویلاتِ رنج [٥٦]
مبتلا (انسان) جب رنج کی توجیہ سمجھ لیتا ہے

بُرد بیند کے شود اُو ماتِ رنج
کامیابی دیکھتا ہے، وہ رنج سے ہار نہیں دیکھتا ہے

صاحبِ تاویل ایاز صابر است
توجیہ کرنے والا، صابر، ایاز ہے

کہ بحرِ عاقبتہا ناظر است
کیونکہ وہ نتائج کے سمندر کو دیکھنے والا ہے

ہمچو یوسف خوابِ ایں زندانیاں
(حضرت) یوسفؑ کی طرح اِن قیدیوں کا خواب

ہست تعبیرش بہ پیشِ اُو عیاں
اُس کی تعبیر اُن کے سامنے ظاہر ہے

پڑھتا ہے۔ آں خساں سگفار میں چونکہ خود کمی تھی وہ ایاز کو جادوگر وغیرہ سمجھتے تھے۔

[٥٣] واں امیراں۔ سلطان محمود کے دربار کے دوسرے اُمراء جنھوں نے ایاز کی شکایت کی تھی خود مکار تھے انھوں نے حجرے کے بارے میں ایاز پر بھی مکاری کا خیال کیا۔ شاہ۔ سلطان محمود کو ایاز کی پاکی کا یقین تھا اور حجرے کی تلاشی کا حکم اُن امیروں کو اُس کی پاکی کا یقین دلانے کے لئے دیا تھا۔ کاے امیراں بسلطان

[٥٥] شا۔ بادشاہ نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جو جواہرات ملیں وہ تمہارے ہیں مجھے صرف بتا دینا۔ ایں ہمی گفت۔ بادشاہ نے یہ حکم تو دے دیا تھا لیکن وہ اِس سے بے چین تھا کہ اگر مخلص ایاز کو اِس کا علم ہوگا کہ میں نے بدگمانی کی بنیاد پر اُس کے حجرہ کی تلاشی کا حکم دیا ہے تو اُس کو کس قدر رنج ہوگا۔ باز میگوید۔ پھر بادشاہ دل میں کہتا تھا کہ ایاز کے خلوص پر یقین ہے کہ وہ اِس حکم کے بارے میں مجھ سے بدگمان نہ ہوگا بلکہ یہی سمجھے گا کہ دشمنوں پر حقیقت حال واضح کرنے کیلئے میں نے یہ حکم دیا ہے۔

[٥٦] مبتلا۔ مصیبت زدہ جب اپنی مصیبت کی کوئی بہتر توجیہ کر لیتا ہے تو وہ رنج اور غم میں شکست خوردہ نہیں ہوتا ہے۔ صاحب تاویل۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ ایاز اِس کام کی کوئی بہتر توجیہ کریگا۔ ہمچو

محمود نے اُن امیروں سے کہا کہ تم شب میں ایاز کی لاعلمی میں حجرے کا دروازہ کھول دو تاکہ اُس کے پوشیدہ حالات ظاہر ہو جائیں پھر میں اُس کو اُس کی سزا دوں گا۔ سگالشہا یعنی ایاز کے خیالات اور مال جمع کرنے کی تدبیریں۔

خواب خود را چوں نداند مردِ خیر | کے بُوَد واقف زِ سِرِّ خوابِ غیر
جب بھلا آدمی اپنے خواب کو نہیں جانتا | وہ دوسرے کے خواب کے راز سے کب واقف ہوگا؟

گر زنم صد تیغ اُو را ز امتحاں | کم نگردد وصلتِ آں مہرباں
میں اگر آزمائش کی سو تلواریں اس کے ماروں | اُس مہربان کا تعلق کم نہ ہوگا

داند اُو کاں تیغ بر خود می زنم | من وَیم اندر حقیقت اُو منم
وہ جانتا ہے کہ وہ تلواریں اپنے مار رہا ہوں | حقیقت میں میں وہ ہوں، وہ میں ہے

• تو اُس کا تعلق ضرور نہ پڑے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرا اُس کے تلوار مارنا اپنے تلوار مارنا ہے

حضرت یوسفؑ نے اپنے ساتھی قیدیوں کے خواب کی صحیح تعبیر دی تھی جس نے دیکھا تھا کہ وہ انگور نچوڑ رہا ہے اُس کو کہہ دیا تھا کہ تعبیر یہ ہے کہ تو پھر بادشاہ کا ساقی بنے گا اور جس نے دیکھا تھا کہ پرندے اُس کے سر پر کی روٹیاں کھا رہے ہیں اُس سے کہا تھا کہ تو سولی پر چڑھایا جائیگا۔ این زندانیاں جیلخانہ اور اُس کے ساتھی۔

۳ گر زنم۔ سلطان محمود نے سوچا کہ اگر میں ایاز کو ... بھی ماروں •

شرح

اچھا اب قصہ ایاز کی طرف لوٹنا چاہیئے کیونکہ وہ ایک خزانہ ہے جو اسرار سے لبریز ہے پس اُس کو بیان کر کے حسب موقع اُس کے اسرار کا استخراج کرنا چاہیئے ہاں تو وہ ہر روز اپنے حجرہ میں جاتا تھا تاکہ اپنا قدیم جوتا اور پوستین دیکھے اور غرض اُسکی یہ تھی کہ مبادا میں الطاف خسروانہ سے مغرور ہو کر اپنی حقیقت کو بھول جاؤں اور خودی اور تکبر میں مبتلا ہو جاؤں جس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے کیونکہ خُودی کا نشہ بے ڈھب ہوتا ہے نہ اُس آدمی کے دماغ میں عقل رہتی ہے اور نہ دل میں شرم اور عقل و شرم ہی اوصاف انسانیہ کا عطر ہیں پس اگر یہ نہ ہوں گے تو انسانیت ہی ختم ہو جائے گی۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی مستی، خودی بری بلا ہے اسلئے کہ اُس نے لاکھوں امم ماضیہ کا راہ مارا ہے۔ چنانچہ عزازیل اسی مستی کے سبب ابلیس سے ملقب ہوا کیونکہ اُس نے کہا کہ آدم مجھ پر کیوں سردار ہو میں خود بھی سردار ہوں اور آگ سے پیدا ہوا ہوں جو کہ جملہ عناصر پر فائق ہے اسلئے میں سردار زادہ بھی ہوں نیز ہزاروں کمالات کے مجھ میں استعداد و قابلیت بھی ہے پس میں اپنے ذاتی اور اوصافی کمالات میں کسی سے کم نہیں ہوں کہ میں ایک دشمن کے

سامنے خادمانہ کھڑا ہوں اور کیوں کھڑا ہوں میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور آدم خاک سے۔ گارے کا آگ کے سامنے کیا رتبہ ہے نیز جس زمانہ میں مجھے عزت حاصل تھی اور میں صدر عالم اور فخرِ زماں تھا اُس وقت آدم کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ والفضل للمتقدم۔ پس اس لحاظ سے بھی مجھے رئیس ہونا چاہیئے اور آدم کو مرؤوس! پھر یہ قلب میں شروع کیا کہ وہ سردار ہوا اور میں خادم۔ غرض کہ آتش غصہ سے اُس احمق کی جان کباب ہو رہی تھی اور اس کے غضب کے شعلہ بلند ہو رہے تھے کیونکہ وہ آتشی تھا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الولد سرّ لابیہ۔ اسلئے اس میں اپنے باپ کی جلنے کی صفت موجود تھی۔ نہیں میں نے غلط کہا بلکہ قہر خدا تھا جو اسے پھونک رہا تھا۔ اصلی اور سچی بات یہ ہے۔ پھر بہانہ کیوں کیا جائے اور سچی بات کیوں نہ کہی جائے۔ ہم نے سببیت فعل حق کو سچ اور صحیح اور سببیت آتش زادگی کو غلط اور بہانہ اسلئے کہا ہے کہ حق سبحانہٗ کے افعال صحیحہ غیر سقیمہ احتیاج بہ علل حادثہ سے منزہ ہیں اور ازل سے دائم و برقرار ہیں۔ جبکہ حوادث کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پس علل حادثہ کو باوجود اپنے حدوث کے حق سبحانہٗ کے افعال پاک ناشئہ عن ذات الحق وصفاتہٖ من الارادہ وغیرھا کی تکمیل میں کیا دخل ہو سکتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ شراب ہونا کوئی چیز نہیں۔ ہمارا باپ یعنی وہ شے جس سے ہم میں صفات حمیدہ یا ذمیمہ کا ظہور ہوتا ہے حق سبحانہٗ کا فعل ہے اور اصل شے اور مغز اس کا فعل ہی ہے اور ظاہری باپ پوست کی طرح نظر انداز کرنے کے قابل ہے جب گفتگو ذکر مغز و پوست مکمل ہوگئی تو اب ہم اُس کے مناسب ایک دوسرا مضمون بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے تن جو مثل فندق کے مغز یعنی روح اور پوست یعنی لحم و شحم وغیرہ پر مشتمل ہے تو عشقِ الٰہی کو اپنا دوست جان کہ وہ تیری جان کا طالب ہے جو کہ تیرا مغز ہے اور تیرے جسم کو کھلاتا ہے جو کہ تیرا پوست ہے یعنی عشق تجھے گھلا کر تیرے آثار جسمانیہ کو مضمحل کرتا اور آثار روح کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلئے وہ تیرا دوست ہے

پس تو اس سے نفرت مت کر۔ بلکہ اسکے حاصل کرنے کی فکر کر۔

اس بیان سے یہ امر معلوم ہوگیا کہ عشق طالب مغز اور معنی پوست ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ دوزخ جس کا مطلوب پوست ہے۔ حق سبحانہٗ کا حکم متعلق بہ تبدیل جلود۔ اس کو پوست ہی عطا کرتا ہے۔ جب یہ بھی معلوم ہوگیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ تمہارا مغز اور تمہارے معنی دوزخ پر حاکم ہیں۔ کما یظہر من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم حاکیا عن جہنم جُز یا مؤمن فان نورک اطفأ ناری۔ لیکن تمہارا پوست لحم وشحم وغیرہ آگ کا ایندھن ہے اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک لکڑی کا پیالہ جس میں پانی بھرا ہو کہ مظروف تو آگ پر حاکم ہے اور ظرف پر آگ کی حکومت ہے۔ علیٰ ہٰذا انسان کے معنی اور اس کا مغز آگ کے مالک ہیں اور دوزخ انکو صدمہ نہیں پہنچا سکتی ہے کیونکہ مالک دوزخ دوزخ میں نہیں جل سکتا اسکی مثال ایسی ہے جیسے کاسۂ چوبیں پُر آب کہ اسکی معنی یعنی پانی آگ پر حاکم ہیں اور اس کا جسم آگ کا ایندھن ہے [فائدہ: ہم نے معنی ہیزم الخ کو اعادۂ مضمون کوزہ چوبیں الخ قرار دیا ہے جب کہ معنی انسان الخ اعادہ ہے معنی و مغزت الخ کا۔ اور بعض محشی نے معنی ہیزم سے اسکے اجزاء مائیہ مراد لیے ہیں اور تن ہیزم سے اجزاء خاکیہ وہو ایضاً اقرب اور بعض نے ہیزم سے مراد انسان لیا ہے اور اسکی معنی سے روح اور تن سے گوشت پوست وغیرہ وہو البعد واللہ اعلم) جب امور مذکورہ ذہن نشین ہو چکے۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ تم اپنے معنی یعنی روحانیت بڑھاؤ۔ تاکہ تم کو آتشِ دوزخ ضرر نہ پہنچا سکے اور تم مالکِ دوزخ کی طرح اس پر حاکم ہو۔ لیکن اب تک تم نے ایسا نہیں کیا اور پوست پر پوست بڑھایا ہے۔ سو اگر یہی حالت رہی تو تم ضرور یوں ہی دوزخ میں ہوگے جیسے پوست آگ میں ہوتا ہے کیونکہ آگ کا چارہ تو پوست ہی ہے پس اسکو آگ میں جانا چاہیئے ــــــ دوسری وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہٗ تکبر کی گردن مارنے والے ہیں اور تکبر پیدا ہوتا ہے پوست سے۔ یہی وجہ ہے کہ تکبر کا مطلوب جاہ اور مال ہے جو کہ سامان ہیں تن پروری و نفس پروری کا۔ پس حق سبحانہٗ اس کی یوں بیخ کنی کرتے ہیں کہ پوست کو جو کہ منشا تھا کبر کا۔ آگ میں جھونک دیتے ہیں ــــــ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر نہایت بُری خصلت ہے جس سے بچنا ضروری ہے

اب ہم اس سے بچنے کی تدبیر بتلاتے ہیں سنو!

تکبر کا منشا کیا ہے۔ مُعِز موجودات یعنی حق سبحانہ سے غفلت جو غافل کے جمود کا یوں سبب ہے۔ جیسے برف کی آفتاب سے غفلت برف کے لیے موجبِ جمود ہوتی ہے۔ پس اس کا علاج یہ ہے کہ غفلت کو دور کیا جائے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب برف کو آفتاب کی خبر ہوتی ہے تو پھر وہ افسردہ نہیں رہتا۔ بلکہ نرم اور گرم اور سیال ہو کر تیز رفتار ہو جاتا ہے۔ یونہی جب کسی کو حق سبحانہ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ از سرتا پا خواہش بن کر متذلل اور عاشق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو کسی چیز کا خواہاں ہوتا ہے اسکے اندر تذلل اور تکسر پیدا ہو جاتا ہے اور تذلل اور تکسر منافی تکبر ہے پس تکبر جاتا رہتا ہے لیکن جبکہ کوئی مُعز (حق سبحانہ) کو نہیں دیکھتا تو وہ پست یعنی غیر اللہ پر قانع ہوتا ہے۔ اور غیر اللہ قید خانہ اس کا جیل خانہ بن جاتا ہے یعنی قناعت از حق اور اسکے عدم طلب کے سبب وہ خود ہی پھنس جاتا ہے۔

جب کہ تکبر کا علاج معلوم ہو گیا تو اب یہ سنو۔ کہ دنیا میں عزت تمہارے تکبر اور ذلت کا سبب ہے اور ذلت دینداری اور عزت کا۔ پس تم عزت دنیا کو چھوڑ دو اور ذلت حاصل کرو تاکہ تم کو عزت حاصل ہو۔ کیونکہ جب تک کوئی اپنے کو مٹا نہیں دیتا اُسے عزت حاصل نہیں ہوتی۔

دیکھو: پتھر نے جب تک اپنی خودی کو نہیں چھوڑا اس وقت تک نگین خاتم ہونے کا شرف اسکو حاصل نہیں ہوا۔ اور جب اپنی خودی کو چھوڑ کر آفتاب کے رنگ میں رنگ گیا اس وقت اسکو یہ شرف حاصل ہو گیا ——— افسوس! کہ تم ہنوز پتھر اور عاری عن الکمالات ہو مگر اس پر بھی خودی کو نہیں چھوڑتے اور فانی ہو کر عزت حاصل نہیں کرتے ——— صاحبو! یہ وقت تذلل اور فنا کا ہے نہ کہ تکبر اور خودی کا۔ پس تم فانی ہو جاؤ۔ تاکہ تم کو عزت حاصل ہو۔

خیر! یہ تو ہو چکا اب سنو! کہ ہم نے اوپر کہا تھا کہ تکبر طالب ہے جاہ و مال کا اب اسکی وجہ سنو وہ یہ ہے کہ وہ بمنزلہ گھوڑے کے ہے اور جاہ و مال بمنزلہ پاخانہ کے

اور قاعدہ ہے کہ گھوڑے کا کمال پاخانہ سے ہوتا ہے یوں ہی کبر کا کمال جاہ و مال سے ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں دابہ ہیں جو کہ آدمی کے اندر پوست یعنی چربی اور گوشت اور کبر و نخوت بڑھاتے اور ان سے اسکو پُر کرتے ہیں اسلیئے وہ ان کا طالب ہے اچھا اب یہ سنو کہ جب تکبر اتنی بُری چیز ہے تو لوگ تکبر کیوں کرتے ہیں۔

وجہ اسکی یہ ہے کہ انہوں نے لُب لُب یعنی مقصود حقیقی حق جل مجدہٗ کو نہیں دیکھا اسلیئے انہوں نے پوست کی طرح نکمے اور غیر مقصود تکبر کو مغز یعنی کار آمد اور مقصود سمجھ لیا اور اسکی طالب ہو گئے۔ اس راہ کا مقتدا ابلیس ہے کیونکہ وہ ہی اول دام جاہ کا شکار ہوا تھا اور اسی نے اوّل تکبر کیا تھا۔

صاحبو! مال اور جاہ دونوں نہایت بُری بلا ہیں اور جاہ مال سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ مال تو بمنزلہ سانپ کے ہے اور جاہ بمنزلہ اژدھے کے۔ لیکن سایۂ اہل اللہ ان دونوں کے لیے زمرد ہے کیونکہ اس زمرد یعنی سایہ اہل اللہ سے ان سانپوں کی آنکھیں نکل جاتی ہیں اور وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔ یعنی ان کا خطرہ دور ہو جاتا ہے اور اس طرح سالک ان کے ضرر سے بچ جاتا ہے۔

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو کہ چونکہ اس سردار یعنی ابلیس نے لوگوں کی راہ میں کانٹے رکھ دیئے اور تکبر کرکے ان کو تکبر کا طریقہ بتلا دیا۔ اور اس طرح ان کے لیے خطرہ پیدا کر دیا ہے اسی لیے جو شخص زخمی ہوتا ہے یعنی تکبر کرکے نقصانات اٹھاتا ہے تو وہ شیطان پر لعنت کرتا ہے اور مقصود اس کا یہ ہوتا ہے کہ مجھے یہ صدمہ اسکی دغابازی کی بدولت پہنچا ہے کیونکہ وہ پیشوا دغابازی میں سابق الاقدام ہے۔ نہ وہ یہ رستہ نکالتا نہ مجھے تکلیف اٹھانی پڑتی۔

الحاصل: طریق تکبر کا موجد ابلیس ہے اسکے بعد زمانے گذرتے رہے اور تمام متکبرین اسی کی روش پر چلتے رہے۔ اس کا وبال ہی ابلیس کی ہی گردن پر رہے گا۔ کیونکہ جب کوئی بُری راہ قائم کرتا ہے تاکہ لوگ اسکے بعد اندھے پن سے ٹھوکریں کھا کر گریں تو ان تمام لوگوں کا وبال اس راہ کو قائم کرنے والے کی گردن پر ہوتا ہے

کیونکہ وہ پیشوا تھا اور لوگ اسکی متبع۔ خیر! ابلیس نے تکبر کیا۔ مگر اُسکے برخلاف
آدم علیہ السلام نے اپنے پرانے جوتے اور پوستین یعنی اپنی حقیقت کو پیش نظر رکھا اور
سمجھا کہ میں گارے سے بنا ہوں۔ اور ایاز کی طرح وہ اپنے پرانے جوتے کے پاس
برابر آتے رہے یعنی اپنی حقیقت کو نہیں بھولے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تعریف کیے گئے
یہ بیان تھا آدم علیہ السلام کی ترک خودی کا۔

اب مولانا ترک خودی اور فنا کی ترغیب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ نیستی
اور عدم و فنا ہی میں تاثیر کرنے ڈھلے اور اسی میں کام کرنے ڈھلے ہیں اور کچھ حق سبحانہ ہی
کی تخصیص نہیں بلکہ جو کوئی بھی کسی شے کو وجود میں لاتا ہے۔ وہ اسکی صنعت کا کارخانہ
عدم ہی ہے۔ عدم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وجود میں تاثیر ایسی ہے۔ جیسے
لکھے ہوتے پر لکھنا۔ جہاں کوئی پودا لگا ہو وہاں پودا لگانا پس کیا کوئی لکھے ہوئے
پر لکھتا ہے۔ یا جہاں کوئی پودا لگا ہو کوئی پودا لگاتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ ایسا کاغذ۔۔
تلاش کرتا ہے جو لکھا ہوا نہ ہو۔ اور ایسی جگہ پودا لگاتا ہے جہاں کچھ بویا ہوا نہ ہو۔

یونہی حق سبحانہٗ اور دیگر موجد بھی اپنی تاثیر کے لئے عدم چاہتے ہیں۔ جب یہ
معلوم ہوگیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ تم ہی اپنی صفات کو فنا کر کے ایسے ہو جاؤ جیسے
بغیر بوئی ہوئی زمین۔ یا بے لکھا کاغذ۔ تاکہ حق سبحانہ کی تحریر اور اس کی قلم سے عزت
حاصل کرو۔ اور وہ کریم تمہارے اندر اپنی صفات کا بیج بوئے۔

حاصل یہ کہ تم خودی کو مٹاؤ۔ تاکہ تمہارے اندر اخلاق الٰہیہ اور علوم معارف
پیدا ہوں۔ اور تم فالودہ خودی جس کو تم مزہ سے کھا رہے ہو۔ نہ کھایا سمجھو اور یہ
مطبخ جو تم نے دیکھا ہے نہ دیکھا سمجھو۔ کیونکہ یہ فالودہ بہت سی سستیاں پیدا کرتا ہے۔
جن سے تم اپنے پوستین اور لیتھڑوں کو بھول جاؤ گے یعنی تم کو اپنی حقیقت یاد
نہ رہے گی لیکن جب جان کنی اور موت کا وقت ہوگا۔ اس وقت افسوس
کرو گے اور اپنے گدڑی اور لیتڑوں یعنی اپنی حقیقت کو اس وقت یاد کرو گے اور
جب تک تم برائی کی موج میں یوں غرق نہ ہو گے کہ تمہاری لیے کشتی پناہ نہ دے

اس وقت تک تم اس دافع کشتی کو یاد نہ کرو گے ۔ یعنی تم اپنے پوستین اور لیتھڑوں کو نہ دیکھو گے ۔ اور اپنی اصلیت کو یاد نہ کرو گے ۔ ہاں! جبکہ تم مصیبت کے ڈباؤ پانی میں پھنس جاؤ گے اس وقت ظلمنا کو شوق سے اپنا وظیفہ بناؤ گے لیکن اس وقت تم پر شیطان ہنسے گا ۔ اور کہے گا کہ اس ناقص کو دیکھو کہ کس وقت پر اپنی اصلیت کو یاد کرتا ہے ۔ اس مرغ بے ہنگام کا سر اڑا دینا چاہیئے مگر یہ خصلت کہ وہ مصروف خودی رہیں ۔ اور ان کی طاعات سے خشوع ہوں ۔ خاصانِ حق کی دانشمندی سے بعید ہے ۔ وہ تو پیشتر ہی سے آسمانی مُرغ کی مانند ہیں اور انکی اذانیں اپنے وقت پر ہیں ۔

خلاصہ یہ کہ اہل اللہ کی حالت اہل دنیا کے خلاف ہے کیونکہ وہ بے وقت اپنی حقیقت کو یاد کرتے ہیں اور اہل اللہ بروقت ۔ [فائدہ: ولی محمد نے در ایں خصلت الخ کو مقولہ محمود قرار دیا ہے اور ایاز سے ایاز مراد لیا ہے مگر یہ ان کی غفلت ہے ۔ اگر وہ مولانا کے شعر لیے خروساں از وے آموزید بانگ ۔ بانگ بہر حق کند نے بہر دانگ ...... میں تامل کرتے تو اس غلطی میں مبتلا نہ ہوتے)

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے مرغو! (اہلِ دنیا) خاصانِ حق سے اذان سیکھو کہ وہ خدا کے لئے اذان دیتے ہیں نہ کہ روپے کے لیے یعنی اہل اللہ کی روش اختیار کرو کہ وہ فانی فی اللہ ہیں ۔ نہ کہ مبتلائے خودی اور پابند نفس ۔ اور صبح کاذب انکو دھوکا نہیں دے سکتی ۔ صبح کاذب سے ہماری مراد دنیا ہے ۔ جو کہ ان کی بھلائی اور برائی کا عالم ہے یعنی وہ لوگ مغرور دنیا نہیں ہیں ۔ برخلاف اہلِ دنیا کے ۔ کہ وہ عقل ناقص رکھتے ہیں اسلئے انہوں نے اس دار الغرور کو اصلی گھر سمجھ لیا ۔

صبح کاذب نے بہت سے قافلوں کو غارت کیا ہے کیونکہ وہ حق کے مشابہ ہو کر ظاہر ہوئی ہے ۔ یونہی اس دنیا نے اپنی طول بقا کے سبب عالمِ باقی سے مشابہت پیدا کر کے بہت سے آدمیوں کو تباہ کیا ہے ۔ خدا نہ کرے کہ صبح کاذب مخلوق کی رہبر ہو ۔ کیونکہ وہ بہت سے قافلوں کو تباہ کر دیگی ۔ یوں ہی خدا نہ کرے ۔ نہ دنیا سے لوگ دھوکا کھائیں

ورنہ بہت سے غارت ہو جائیں گے۔
اس مضمون کو یہاں تک پہنچا کر مولانا دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جو صبح کاذب یعنی دنیا کا مجبوس ہے تو صبح صادق یعنی حقیقی اہل اللہ کو۔ صبح کاذب۔ یعنی بنی ہوئی نہ سمجھ۔ کیونکہ اگر تیرا ظاہر و باطن یکساں نہیں اور تو ریا سے خالی نہیں تو دوسروں کو ایسا نہ سمجھ۔ تیری یہ بدگمانی دلیل ہے اِس بات کی کہ تو خود بدکار ہے کیونکہ بدگمان ہمیشہ بدکار ہوتا ہے اور وہ اپنی حالت کو دوسروں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ چنانچہ جو ذلیل لوگ خود گمراہیوں میں بتلا تھے۔ وہ انبیاؑ کو ساحر اور گمراہ کہتے تھے۔ نیز ان ذلیل اور دغاباز امیروں نے ایاز کے حجرہ پر بھی یہی بدگمانی کی تھی کہ اس میں خزانہ مخفی ہے پس تم اپنے آئینہ سے دوسروں کو نہ دیکھو۔ اور جیسے خود ہو دوسروں کو بھی ویسا ہی نہ سمجھو۔ خیر! یہ گفتگو تو ہو چکی اب قصہ کی طرف عود کرنا چاہیئے۔ اچھا سُنو
بادشاہ کو جانتا تھا کہ ایاز اس جرم سے بری ہے۔ مگر امرار کی وجہ سے اس نے خانہ تلاشی کا حکم دیا اور کہا کہ اے امیرو! آدھی رات جبکہ ایاز غافل ہو۔ اس وقت حجرہ کا دروازہ کھولو۔ تاکہ اسکے خیالات ظاہر ہوجائیں اگر اس کا جرم ثابت ہوگیا تو پھر سزا ہمارے ذمہ ہے ہم اُسے سزا دیں گے اور سونا موتی جو کچھ ملے سب تمہارا۔ میں تو اطلاع چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہہ رہا تھا مگر اس کا دل بے مثل ایاز کی طرف بے قرار تھا اور کہا کہ ارے میرے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں۔ اگر ایاز کو اس زیادتی کا علم ہوجائے تو کیا ہو۔ پھر کہتا تھا کہ اسکی اطاعت کی قسم۔ اسکی کوہ وقاری اس سے بالاتر ہے کہ وہ میری تہمت سے برانگیختہ ہوجائے اور میری غرض اور باطنی خیال سے غافل رہے وہ ہرگز غافل نہیں ہوسکتا۔ اور جب غافل نہیں ہوسکتا تو خفا بھی نہیں ہوسکتا۔
کیونکہ قاعدہ ہے کہ کسی مصیبت زدہ کو اسکی مصیبت کی مصلحت معلوم ہوتی ہے تو وہ اسکو اپنی کامیابی سمجھتا ہے اور اس سے شکستہ نہیں ہوتا۔ پس چونکہ ایاز صابر اس واقعہ کی مصلحت سے واقف ہے کیونکہ وہ مست انجام نہیں ہے اسلئے وہ خفا نہ ہوگا ہم نے

یہ کیوں کہا کہ ایاز واقف ہے اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ یوسف کی طرح ان قیدیوں یعنی امیروں کے جواب یعنی کارروائی کی تعبیر یعنی حقیقت سے واقف ہے اور وہ جانتا ہے کہ حقیقت اسکی حسد یا بدگمانی ہے تو وہ اپنے خواب (معاملہ) کی تعبیر (حقیقت) سے کیوں نہ واقف ہوگا اور کیوں نہ سمجھے گا کہ محمودؔ کے یہ کارروائی بنا پر مصلحت ہے کیونکہ جو شخص اپنے خواب کی تعبیر یعنی اپنے حاسد کی حقیقت نہ جانتا ہو تو وہ دوسروں کے خواب کی تعبیر اور دوسروں کے معاملہ کی حقیقت کیا جان سکتا ہے اور ایاز دوسروں کے معاملہ کی حقیقت سے تو بخوبی واقف ہے پس وہ ضرور اپنے معاملہ کی حقیقت بھی جانتا ہوگا اور جبکہ وہ سمجھتا ہوگا کہ یہ ایک امتحان ہے تو پھر وہ ناخوش نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر امتحان میں اسکی سو تلواریں بھی ماروں تب بھی اس شفیق کا تعلق کم نہ ہوگا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ تلواریں میں اپنے مار رہا ہوں اسلئے کہ حقیقت میں میں وہی ہوں اور وہ ہیں پس ان کی تلوار مارنا اپنے مارنا ہے

دربیانِ اتحادِ عاشق و معشوق از روئے حقیقت اگرچہ
حقیقت کے اعتبار سے عاشق اور معشوق کے اتحاد کے بیان میں اگرچہ

مُتضادؔ اند از روئے آنکہ نیاز ضدِ بے نیازی ست چنانکہ آئینہ
وہ اس اعتبار سے متضاد ہیں کہ نیاز، بے نیازی کی ضد ہے جیساکہ آئینہ

بے صورت و سادہ است و بیصورتی ضدِ صورت ست لیکن
بغیر صورت کا اور سادہ ہے اور صورت کا ہونا صورت کی ضد ہے لیکن

میانِ ایشان اِتحادے ست در حقیقت کہ شرح آں دراز ست
درحقیقت ان میں ایسا اتحاد ہے جس کی شرح دراز ہے

وَالعَاقِلُ تَكفِيهِ الإِشَارَةُ
اور عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے

دربیان. اب مولانا نے اسی مناسبت سے عاشق اور معشوق کے اتحاد کو بیان کیا ہے۔

لہ متضاد. بظاہر عاشق و معشوق میں تضاد ہے ایک طرف نیاز ہے دوسری طرف بے نیازی ہے جیساکہ آئینہ بے صورت ہے اور جو صورت اُس کے اندر آتی ہے بظاہر ان دونوں میں تضاد ہے لیکن حقیقتاً دونوں میں اتحاد ہے اُس کی مجنوں کے قصّہ سے تشریح کرتے ہیں۔
مجنوں. ایک بار مجنوں بیمار ہوگیا عشق کی شدت نے اُس کے خون میں جوش پیدا کر دیا جس سے اُس کے گلے میں خناق (گلے کا ورم) پیدا ہوگیا۔

جسمِ مجنوں را زرنجِ دُورِیے　　اندر آمد ناگہاں رنجورِیے
فراق کی تکلیف سے مجنوں کے جسم [illegible] میں اچانک بیماری پیدا ہوگئی

خون بجوش آمد ز شعلۂ اشتیاق
شوق کی چنگاری سے خون جوش میں آگیا

تا پدید آمد بداں مجنوں خناق
عشق کے اثر سے مجنوں کے گلے میں خناق پیدا ہوگیا

پس[۲] طبیب آمد بدار و کردنش
اس کا علاج کرنے کے لئے طبیب آیا

گفت چارہ نیست ہیچ از رگ زنش
اس نے کہا فصد کرنے کے علاوہ کوئی علاج نہیں ہے

رگ زدن باید برائے دفع خوں
خون کے دفع کرنے کیلئے فصد کرنی چاہیئے

رگ زنے آمد بدانجا ذوفنوں
چنانچہ وہاں ایک ہوشمند نقاد آیا

بازوش بست و گرفت آں نیش او
اس نے اس کا بازو باندھا اور اسکو انکے سامنے پکڑا

بانگ بر زد در زماں آں عشق خو
فوراً وہ عشق مزاج چیخا

مزد خود بستان و ترک فصد کن
اپنی فیس لے لے، اور فصد نہ کر

گر بمیرم گو برو جسم کہن
اگر میں مر جاؤں، کہہ دے پرانا جسم چلا جائے

گفت[۳] آخر از چہ می ترسی ازیں
اس نے کہا آخر تو اس سے کیوں ڈرتا ہے؟

چوں نمی ترسی تو از شیر عریں
جبکہ تو کچھار کے شیر سے نہیں ڈرتا ہے

شیر و گرگ و خرس و ہر یوز و ددہ
شیر اور بھیڑیا اور ریچھ اور ہر چیتا اور درندہ

گرد بر گرد تو شب گرد آمدہ
تیرے چاروں طرف رات کو چکر لگاتا ہے

می نیابد شاں ز تو بوئے بشر
تجھ میں سے انہیں انسان کی بو نہیں آتی ہے

ز انبہی عشق و وجد اندر جگر
(تیرے) جگر کے اندر عشق اور غم کی کثرت سے

گرگ[۱] و خرس و شیر داند عشق چیست
بھیڑیا اور ریچھ اور شیر جانتا ہے کہ عشق کیا ہے

کم ز سگ باشد کہ از عشق او عمی ست
جو شخص عشق سے خالی ہے وہ کتے سے کم ہے

گر رگ عشقے نبودے کلب را
اگر کتے میں عشق کی رگ نہ ہوتی

کے بجستے کلب کہف قلب را
تو کتا (اہل) دل کے غار کو کب ڈھونڈتا

ہم ز جنس او بصورت چوں سگاں
اس کے ہم جنس بھی کتوں کی صورت میں

گر نشد مشہور ہست اندر جہاں
دنیا میں ہیں اگرچہ مشہور نہیں ہوئے ہیں

تو نبردی بوئی دل در جنس خویش
تو نے اپنی (ہم) جنس کے دل کی خوشبو نہ پائی

کے بری تو بوئے دل از گرگ و میش
تو بھیڑیے اور بھیڑ کے دل کی خوشبو کب حاصل کرسکتا ہے؟

گر نبودے[۲] عشق ہستی کے بدے
اگر عشق نہ ہوتا، تو وجود کب ہوتا؟

کے زدے ناں بر تو و تو کے شدے
روٹی تجھ سے کب ملتی اور تو کب ہوتا

نان تو شد از چہ ز عشق و اشتہے
تیری روٹی کس چیز سے بنی؟ عشق اور خواہش سے

ورنہ ناں را کے بدے تا جاں رہے
ورنہ روٹی کا راستہ جان تک کب ہوتا؟

۲ھ پس طبیب۔ طبیب نے کہا خون کو کم کرنے کیلئے فصد کرنا ضروری ہے لہٰذا فصد کرنے والے کو بلایا جائے بازوش۔ فصد کرنے کیلئے جب اس کا بازو باندھا تو مجنوں شور مچانے لگا اور کہا کہ خواہ میں مرجاؤں فصد نہ کرو۔

۳ھ گفت۔ نقاد نے کہا تو جنگلوں میں مارا مارا پھرتا ہے اور درندوں سے بھی نہیں ڈرتا ایک نشتر سے کیوں ڈر رہا ہے عریں۔ شیر کی کچھار۔ یوز۔ چیتا۔ ددہ۔ درندہ۔ می نیابد۔ چونکہ عشق اور غم نے تیرا جگر جلا دیا ہے ان درندوں کو تجھ میں سے انسان کی بو نہیں آتی ہے اور وہ تجھے اپنا دشمن سمجھ کر تجھ پر حملہ نہیں کرتے ہیں۔

۱ھ گرگ۔ مولانا فرماتے ہیں جبکہ حیوانات بھی عشق سے آشنا ہیں تو اگر انسان میں یہ جذبہ نہ ہو تو وہ کتے سے بھی بدتر ہے۔ گر رگے۔ اصحاب کہف کے کتے قطمیر کو عشق ہی غار میں لے گیا تھا۔ قلب۔ یعنی اہل دل اصحاب کہف۔ ہم زجنس۔ اور کتے بھی قطمیر کی طرح ہیں، مشہور نہیں ہوئے ہیں۔ تو نبردی۔ تو نے انسان کے دل کے عشق کو نہ پہچانا تو درندوں کے دل کی حالت کیا جان سکتا ہے۔

۲ھ گر نبودے۔ مولانا کے نزدیک عالم کے وجود کی بنیاد عشق ہے اور پوری کائنات میں باہمی عشق اور جذب و انجذاب ہے۔ ناں۔ اگر روٹی اور انسان میں باہمی تعلق نہ ہوتا تو روٹی زندہ انسان کا جزو کیسے بنتی۔ عشق ہی نے

عشق نانِ مُردہ راجاں می کُند
عشق ہی مُردہ روٹی کو جان (دار) بناتا ہے

جاں کہ فانی بُود جاوِیداں کُند
جو جان فانی تھی اُس کو جاودانی بنادیتا ہے

گفت مجنوں من نمیترسم زنیش
مجنوں نے کہا میں نشتر سے نہیں ڈرتا ہوں

صبرِ من از کوہِ سنگیں ہست بیش
میرا صبر پتھریلے پہاڑ سے بڑھا ہوا ہے

مَنبلم بے زخم ناساید تنم
میں مصیبت کا مارا ہوں بغیر زخم کے میرے جسم کو آرام نہیں ملتا

عاشقم بر زخمہا بَر می تنم
میں عاشق ہوں زخموں کا چسکہ لگا ہوا ہوں

لیک از لیلیٰ وجودِ مَن پُرست
لیکن میرا وجود لیلیٰ سے بھرا ہوا ہے

ایں صدف پُر از صفاتِ آں دُرست
یہ سیپ اُس موتی کی صفات سے پُر ہے

ترسم اے فصّاد! اگر فصدم کُنی
اے فصاد! اگر تو میرے فصد لگائیگا میں ڈرتا ہوں

نیش را ناگاہ بر لیلیٰ زَنی
اچانک تو لیلیٰ کے نشتر مارے گا

داند آں عقلے کہ اُو دل روشنے ست
وہ عقل جس کا دل روشن ہے سمجھتی ہے

درمیانِ لیلیٰ و من فرق نیست
(کہ) مجھ میں اور لیلیٰ میں فرق نہیں ہے

مَن کیم لیلیٰ و لیلیٰ کیست مَن
میں کون! لیلیٰ، اور لیلیٰ کون ہے! میں

ما دُو رُوحیم آمدہ دَر یک بَدن
ہم دو روحیں ہیں جو ایک جسم میں آگئی ہیں

اُس مُردہ روٹی کو زندہ انسان کا جزو بنادیا گیا ہے مجنوں۔ مجنوں نے فصاد سے کہا میں نشتر لگنے سے نہیں ڈرتا ہوں میرا صبر پہاڑ سے بھی زیادہ ہے اور زخم کھانا میری عادت ہے اسی سے میرے جسم کو آرام ملتا ہے لیکن۔ چونکہ اب میں اپنے آپ کو فنا کرچکا ہوں اور میرے اس جسم میں صرف لیلیٰ ہے تو یہ نشتر میرے نہ لگے گا بلکہ لیلیٰ کے لگے گا۔ دانا عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اب لیلیٰ میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے میں لیلیٰ ہوں اور لیلیٰ میں ہوں دو روحیں ایک بدن میں ہیں

شرح

اچھا اب سُنو! جس سے مصرع بالا "من دیم اندر حقیقت او منم" کی تائید ہو۔ وہ یہ ہے کہ رنج فراق سے مجنوں کے جسم میں ایک بیماری پیدا ہوگئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے ــــ کہ جوش اشتیاق سے خون میں جوش آگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجنوں کو خناق ہوگیا جب وہ بیمار ہوگیا تو ایک طبیب اس کے معالجہ کے لئے آیا اور اس نے تجویز کیا کہ بجز فصد کے اس کا کچھ علاج نہیں پس اخراج خون کے لیے فصد لینا چاہیئے اس تجویز پر ایک ہوشیار جراح کو بلایا گیا بس وہ آیا۔ اور آکر اس نے حسب قاعدہ بازو پر پٹی باندھی اور ہاتھ کو اپنی طرف بڑھایا جب مجنوں نے یہ دیکھا تو فوراً اس نے کہا کہ تم اپنی مزدوری لے لو۔ اور فصد نہ کرو اگر مر جاؤں تو کیا ہے ایک بوسیدہ جسم جاتا رہے گا۔ بلا سے جاتا رہے۔
جراح یہ سنکر متحیر ہوا اور اس نے سوال کیا کہ تم جبکہ شیر ببر سے بھی نہیں

ڈرتے تو فصد سے کیوں ڈرتے ہو۔ نیز شیر بھیڑیا، ریچھ اور ہر قسم کے درندے رات کو تمہارے گرداگرد جمع ہوتے ہیں مگر وہ تم کو نہیں کھاتے کیونکہ وہ اس وجہ سے کہ تمہارے اندر آدمی کی بُو نہیں پاتے کہ تمہارے جگر میں عشق وشوق کا ہجوم ہے اور اسلئے گویا کہ تم مجسّم عشق وشوق ہو پس جبکہ تم مجسّم عشق ہو تو تم ڈرتے کیوں ہو

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھیڑیا، ریچھ اور شیر وغیرہ جانتے ہیں کہ عشق کیا چیز ہے اور اس کا ادب کرتے ہیں اسلئے انہوں نے مجنوں کو ضرر نہیں پہنچایا پس جو شخص عشق بالخصوص عشق الٰہی سے ناواقف اور اس کی قدر جانتا ہو اور اُسے حاصل نہ کرے وُہ کتے سے بدتر ہے۔ کیونکہ کتّا صرف عشق الٰہی سے واقف ہی نہیں بلکہ وہ اسکو حاصل بھی ہے کیونکہ اگر اس میں عشق الٰہی کی آگ نہ ہوتی تو سگ اصحاب کہف پناہ دل کا طالب کیوں ہوتا اور اہل دل کے ساتھ کیوں رہتا۔ ایک اُسی پر کیا انحصار ہے اس کی ہجنس عاشق حق اور صورت میں کتوں کے مشابہ جہاں میں اور بھی کتّے ہیں گو مشہور نہیں ہیں۔ اگر تم کہو کہ ہمیں تو ایک ہی نظر نہیں آتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمہیں اپنے ہمجنسوں میں تو اہل دل کا پتہ ہے ہی نہیں۔ ایسے حالت میں تمہیں بھیڑیوں اور بھیڑوں وغیرہ میں ان کا کیا پتہ لگ سکتا ہے۔ الغرض تم کو کا عشق الٰہی حاصل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مطلق عشق عجیب چیز ہے۔ کیونکہ اگر عشق نہ ہوتا تو عالم نیست سے ہست نہ ہوتا۔ پس وہ عشق ہی ہے جس سے وجود عالم ہے۔

(فائدہ: مولانا نے اس مقام پر حدیث کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق کی طرف اشارہ فرمایا ہے)

نیز اگر عشق نہ ہوتا۔ تو نہ تم سے روٹی اتصال پیدا کرتی۔ اور نہ جزو انسان بن کر انسان بنتی پس روٹی جو انسان بنی ہے تو کیوں عشق یعنی بھوک کی بدولت ورنہ روٹی کی روح تک رسائی کیونکر ہو سکتی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ عشق نہایت عجیب شے ہے کہ وہ بے جان روٹی کو جان بنا دیتا ہے اور جان جو کہ بدون عشق کے فانی تھی اور اس کو دائم البقا کر دیتا ہے اور جب مطلق عشق کی یہ حالت ہے تو عشق الٰہی کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

تھیں یہ مضمون استطرادی تو ہو چکا۔ اب سنو! کہ مجنوں نے جراح کے سوال کے جواب میں کہا کہ مجھے نشتر سے ڈر نہیں لگتا کیونکہ میرا صبر تو پہاڑ سے زیادہ وزنی ہے میں تو مثل مرہم کے ہوں کہ بدوں زخم کے مجھے چین ہی نہیں آتا اور میں تو عاشق ہوں اور زخموں سے مجھے کام ہے مگر میرا وجود لیلےٰ سے پُر ہے اور یہ صدف جسم لانے موتی .... لیلیٰ کی صفات سے لبریز ہے۔ پس لے جراح! اگر تو میرے فصد کریگا۔ تو مجھے ڈر ہے کہ تو لیلےٰ کے نشتر نہ مار دے۔ کیونکہ وہ عقل جو دل روشن رکھتے ہیں جانتے ہیں کہ مجھ میں اور لیلیٰ میں کچھ فرق نہیں ہے۔ میں کون ہوں؟ لیلیٰ۔ اور لیلیٰ کون ہے؟ میں اور گویا کہ ہم دو روحیں ہیں جو ایک قالب میں اکٹھے ہیں

معشوقے[1] از عاشق پُرسید کہ خود را دوست تر میداری یا مَرا

ایک معشوق نے عاشق سے دریافت کیا تو اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے یا مجھے

گفت من از خود مُردہ اَم وبتو زندہ اَم از خود واز صفاتِ خود

اُس نے کہا میں اپنے اعتبار سے مُردہ ہوں اور تیرے ذریعہ سے زندہ ہوں اپنے آپ سے اور اپنی

نیست شُدہ اَم وبتو ہست شُدہ اَم علمِ خود را فراموش کردہ اَم و

صفات کے اعتبار سے معدوم ہوگیا ہوں اور تیرے ذریعہ سے موجود ہوا ہوں میں نے اپنا علم بُھلا دیا ہے اور

از علمِ تو عالِم شُدہ اَم قدرتِ خود را بباد دادہ اَم واز قدرتِ

تیرے علم کے ذریعہ عالم بن گیا ہوں میں نے اپنی قدرت کو برباد کردیا ہے اور تیری قدرت

تو قادر شُدہ اَم اگر خود را دوست دارم تُرا دوست داشتہ

کے ذریعہ صاحب قدرت ہوگیا ہوں اگر اپنے آپ کو دوست رکھتا ہوں تو تجھے دوست

باشم واگر تُرا دوست داشتہ باشم خود را دوست داشتہ باشم

رکھتا ہوں اور اگر تجھے دوست رکھتا ہوں تو اپنے آپ کو دوست رکھتا ہوں

ہرکہ[2] را آئینۂ یقیں باشد

جس کو یقین کا آئینہ حاصل ہو

گرچہ خود بیں خدائے بیں باشد

اگرچہ وہ خود بین ہے وہ خدا بین ہوگا

اُخْرُجْ بِصِفَاتِیْ اِلٰی خَلْقِیْ مَنْ رَّاٰکَ فَقَدْ رَاٰنِیْ وَمَنْ

میری مخلوق کی طرف میری صفات میں نکل جس نے تجھے دیکھا تو بیشک اُسنے مجھے دیکھا اور جس نے

قَصَدَکَ قَصَدَنِیْ وَمَنْ اَحَبَّکَ اَحَبَّنِیْ وَقِسْ عَلٰی ھٰذَا

تیرا قصد کیا اُسنے میرا قصد کیا اور جس نے تجھ سے محبت کی اُسنے مجھ سے محبت کی اور اسی پر قیاس کرلے

[1] معشوقے۔ اب لانا عاشق ومعشوق کے اتحاد کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔ کسی معشوق نے عاشق سے دریافت کیا کہ تو مجھ سے زیادہ محبت کرتا ہے یا اپنے آپ سے؟ اُس نے کہا میں اپنی تمام صفات گم کرچکا ہوں اب تیرے علم سے عالم، تیری قدرت سے قادر ہوں۔ لہٰذا اگر تجھے دوست رکھتا ہوں تو اپنے آپکو دوست رکھتا ہوں اور اپنے آپکو دوست رکھتا ہوں تو تجھے دوست رکھتا ہوں اب دوئی ختم ہوگئی ہے لہٰذا یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

[2] ہرکہ۔ جسکو ذات وصفات باری پر یقین کامل حاصل ہوگیا چونکہ وہ خودی کو ختم کرچکا ہے لہٰذا اُسکی خود بینی بھی خدا بینی ہے۔ اُخرج۔ جب ایک انسان فرائض ونوافل کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کرتا ہے اور خدائی اخلاق سے متخلق ہوجاتا ہے تو اُس انسان کو دیکھنا خدا کو دیکھنا ہے۔

گفت معشوقے بعاشق زامتحاں
امتحاناً، ایک معشوق نے عاشق سے کہا

درصبوحی[۵۴] کاے فلاں ابنِ فلاں
صبح کی شراب کے وقت کہ اے فلاں، فلاں کے بیٹے

مر مرا تو دوست تر داری عجب
تو مجھے عجیب زیادہ دوست رکھتا ہے

یا کہ خود را راست گویا ذا الکُرَب
یا اپنے آپ کو سچ بتا اے غمزدہ!

گفت من در تو چناں فانی شدم
اُس نے کہا میں تجھ میں ایسا فنا ہوگیا ہوں

کہ پُرم من از تو از سر تا قدم
کہ سر سے پاؤں تک تجھ سے پُر ہوں

برمن[۵۵] از ہستیِ من جُز نام نیست
مجھ میں میرے وجود کا سوائے نام کے کچھ نہیں ہے

در وجودم جُز تو اے خوش کام نیست
اے خوش نصیب! میرے وجود میں تیرے سوا کچھ نہیں ہے

زاں سبب فانی شدم من اینچنیں
اس لئے میں ایسا فانی ہوگیا ہوں

ہمچو سرکہ در تو بحرِ انگبیں
جیسا کہ سرکہ اے شہد کے سمندر! تجھ میں

ہمچو سنگے کو شود کُل لعلِ ناب
اُس پتھر کی طرح جو مجسّم خالص لعل بن گیا ہو

پُر شود اُو از صفاتِ آفتاب
وہ سورج کی صفات سے پُر ہوجاتا ہے

وصفِ آں سنگی نماند اندرو
اُس میں پتھرپن کی صفت نہیں رہتی ہے

پُر شود از وصفِ خور اُو پشت و رُو
وہ آگے اور پیچھے سورج کے وصف سے پُر ہوجاتا ہے

بعد[۵۶] ازاں گر دوست دارد خویش را
اس کے بعد اگر وہ اپنے آپکو دوست رکھتا ہے

دوستیِ خور بُود آں اے فتی
اے نوجوان! وہ سورج سے دوستی ہوتی ہے

ور کہ خور را دوست دارد اُو بجاں
اگر وہ (دل و) جان سے سورج کو دوست رکھتا ہو

دوستیِ خویش باشد بیگماں
بے شک اپنے دوستی ہوتی ہے

خواہ خود را دوست دارد لعلِ ناب
خالص لعل، خواہ اپنے آپ کو دوست رکھے

خواہ یا اُو دوست دارد آفتاب
یا خواہ وہ سورج کو دوست رکھے

اندریں دو دوستی خود فرق نیست
اِن دونوں دوستیوں میں فرق نہیں ہے

ہر دو جانب جُز ضیائے شرق نیست
دونوں جانب سورج کی روشنی کے علاوہ کچھ نہیں ہے

تا[۵۷] نشد اُو لعل خور را دشمن ست
جب تک وہ لعل نہیں بنا، سورج کا دشمن ہے

زانکہ یک من نیست اینجا دو من ست
کیونکہ ایک وجود نہیں ہے یہاں دو وجود ہیں

زانکہ ظلمانی ست سنگ اے باحضور
اِس لئے کہ اے باشعور! پتھر تاریک ہے

ہست ظلمانی حقیقت ضدِ نور
تاریک حقیقتاً نور کی ضد ہے

خویش را گر دوست دارد کافر ست
اگر اپنے آپکو دوست رکھتا ہے تو کافر ہے

زانکہ اُو مَنّاعِ شمسِ اکبر ست
کیوں کہ وہ شمس اکبر کا منکر ہے

[۵۴] صبوحی۔ صبح کے وقت کی شراب۔ گفت۔ عاشق نے کہا کہ میں تجھ میں اپنے آپ کو فنا کرچکا اب تو اور میں دو شخص نہیں ہیں کہ اُن کے بارے میں محبت کی کمی اور زیادتی کا سوال ہوسکے۔

[۵۵] برمن۔ میرے وجود کا نام ہی نام ہے ورنہ اُس وجود میں دراصل تو ہے۔ سرکہ۔ سرکہ کو اگر شہد کے سمندر میں ڈال دیا جائے تو سرکہ کا محض نام ہی نام رہجائیگا ورنہ وہ سب شہد میں ملکر شہد بن گیا ہے۔ پتھر۔ جس جسم میں کسی دوسرے جسم کی پوری صفات آجائیں تو اب اُس پہلے جسم کا نام ہی نام باقی رہیگا پتھر نے جب سورج کی صفات کو اس درجہ قبول کرلیا کہ اُس میں پتھرپن نہ رہا اور وہ سورج کی صفات کو قبول کرکے لعل بن گیا تو اب وہ صرف نام کا پتھر ہے اُس میں پتھر کی صفت باقی نہیں ہے۔

[۵۶] بعد ازاں۔ لعل اگر اپنے آپ سے محبت کرے تو وہ سورج ہی سے محبت کہلائیگی۔ ور۔ اگر وہ لعل، سورج سے محبت کرے گا تو اُس کی وہ محبت خود اُس کی اپنی ذات سے محبت کہلائے گی۔ اب اُس کی اپنی ذات سے دوستی اور سورج سے دوستی میں کوئی فرق نہیں ہے اِسلئے کہ اُس میں اور سورج میں صفات کی یکسانیت ہے۔

[۵۷] تا نشد۔ ہاں اگر وہ پتھر ابھی لعل نہیں بنا ہے تو اُس میں اور سورج میں تضاد ہے پتھر میں تاریکی ہے اور سورج میں صفائی اور روشنی ہے۔ خویش را۔ اگر اِس حالت میں وہ پتھر اپنے آپ سے محبت کریگا تو وہ سورج کا کافر ہے۔ اُس کا اپنے وجود کا اقرار، سورج کے غیر کے وجود کا اقرار ہے۔

پس نشاید کہ بگوید سنگ انا — اُو ہمہ تاریکی ست و در فنا

پس مناسب نہیں ہے کہ پتھر "انا" کہے — وہ مجسم تاریکی اور فنا میں ہے

گفت[1] فرعونے اَنا الحق گشت پست — گفت منصورے اَنا الحق و برست

کسی فرعون نے اَنا الحق کہا وہ پست ہوا — کسی منصور نے اَنا الحق کہا وہ بالا ہے

آں اَنا را لعنۃ اللہ در عقب — وِیں اَنا را رحمۃ اللہ اے محب

اُس اَنا کے لئے اللہ (تعالیٰ) کی لعنت در پے ہے — اور یہ اَنا اے دوست! اللہ (تعالیٰ) کی رحمت ہے

زانکہ اُو سنگِ سیہ بُد ایں عقیق — آں عدوِّ نور بُود و ایں عشیق

کیونکہ وہ سیاہ پتھر تھا، یہ عقیق ہے — وہ نور کا دشمن تھا اور یہ عاشق ہے

ایں اَنا ہُو بُود در سِر اے فضول — زاتحادِ نور نز راہِ حُلول

اے بیہودہ! یہ "اَنا" درحقیقت "ہو" تھی — نور کے اتحاد کی وجہ سے، نہ کہ حلول کے طور پر

جہد[2] کُن تا سنگیت کمتر شود — تا بلعلی سنگِ تو انور شود

تو کوشش کر تاکہ تیرا پتھر پن کم ہو جائے — تاکہ تیرا پتھر لعل بننے سے روشن ہو جائے

صبر کُن اندر جہاد و در عنا — دمبدم می بیں بقا اندر فنا

مجاہدہ اور مشقت میں صبر کر — لمحہ بہ لمحہ فنا میں بقا دیکھ

وصفِ سنگی ہر زماں کم میشود — وصفِ لعلی در تو محکم میشود

پتھر پن کی صفت ہر لمحہ کم ہو گی — تجھ میں لعل پن کی صفت مضبوط ہو جائے گی

وصفِ ہستی میرود از پیکرت — وصفِ مستی میفزاید در سرت

تیرے جسم میں سے وجود کی صفت نکل جائیگی — تیرے باطن میں مستی کی صفت بڑھ جائے گی

سمع شو یکبارگی تو گوشوار — تا ز حلقہ لعل یابی گوشوار

تو کان کی طرح فوراً سماعت بن جا — تاکہ تجھے لعل کے حلقہ کا گوشوارہ مل جائے

ہمچو[3] چہ کَن خاک می کَن گر کسی — زیں تنِ خاکی کہ در آبے رسی

اگر تو مرد ہے تو کنواں کھودنے والے کی طرح مٹی کھود — اِس مٹی کے جسم کی، تاکہ تو پانی تک پہنچ جائے

گر رسد جذبِ خدا آبِ معیں — چاہ ناکندہ بجوشد از زمیں

اگر خدا کا جذب آگیا، تو جاری پانی — کنواں کھودے بغیر زمین سے جوش مارے گا

کارِ کے میکُن تو و کاہل مباش — اندک اندک خاکِ چہ را میتراش

کچھ کام کر، اور کاہل نہ بن — تھوڑی تھوڑی کنویں کی مٹی کھود

چاہئے تاکہ وہ آبِ حیات تک پہنچ سکے۔ اگر چہ بندہ مجاہدے کے ساتھ اگر حضرت حق کی جانب سے جذب شروع ہو جاتا ہے تو پھر مقصد تک پہنچنے کے لئے زیادہ مجاہدوں کی ضرورت نہیں رہتی۔

[1] گفت۔ کسی فرعون کا "انا الحق" کہنا اس وجہ سے کفر ہے اور منصوری کا یہ کلمہ کہنا عین ایمان ہے۔ آں انا۔ اگر کوئی فرعونی صفت والا شخص انا الحق کہے تو وہ ملعون ہے اور کوئی منصور مفتوح کی صفات والا انسان یہی کلمہ کہے تو اس پر خدا کی رحمت ہے۔ زانکہ۔ جبکہ انسان اللہ کی صفات سے متصف نہیں ہے تو اس میں اور اللہ تعالیٰ میں تضاد ہے۔ ایں انا۔ متصف بصفاتِ خداوندی کا انا الحق کہنا درحقیقت ہو الحق کہنا ہے اس "انا" اور "ہو" میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ نور اور صفات کے اعتبار سے دونوں میں اتحاد ہے۔ حلول۔ ذاتِ باری کو کسی انسانی شکل میں ماننا حلول ہے جو کفر ہے۔

[2] جہد کن۔ مجاہدوں کے ذریعہ اپنے پتھر پن کو دور کر کے لعل بننے کی کوشش کر پھر تجھے رفتہ رفتہ اپنی صفات کو فنا کر کے اللہ کی صفات کے ذریعہ بقا حاصل ہو گا۔ وصف۔ تیرے وجود کے اوصاف رفتہ رفتہ فنا ہو جائینگے صفاتِ خداوندی کا تیرے اندر جماؤ ہو جائے گا۔ سمع۔ تو کان کی طرح مجسم سماعت بنجا اور اِن نصیحتوں کو قبول کر کے صفاتِ خداوندی کو حلقہ بگوش بنالے۔

[3] ہمچو۔ اگر انسان میں انسانیت ہے تو اُس کو کنواں کھودنے والے کی طرح مجاہدے کے ذریعہ اپنے جسم کی کھدائی کرنی

کارؔ میکن گوشِ ماں از بہرِ آب پانی کے لئے کام کر، کان بن جا	اَندک اَندک دور کُن خاک و تُراب تھوڑی تھوڑی خاک اور مٹی ہٹا
ہر کہ رنجے دید گنجے شُد پدید جس نے تکلیف اٹھائی، خزانہ ظاہر ہوا	ہر کہ جِدّے کرد در جَدّے رسید جس نے کوشش کی، نصیبہ کو پہنچ گیا
گفت پیغمبرؐ رکوع ست و سجود پیغمبرؐ نے فرمایا ہے: رکوع اور سجدہ	بر درِ حق کوفتن حَلقہ وجود اللہ (تعالیٰ) کے در پر مراد کی کنڈی کھٹکھٹانا ہے
حلقہؔ آں در ہر آنکو میزند جو شخص اُس دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹاتا ہے	بہرِ اُو دولت سرے بیروں کند اُس کے لئے دولت باہر آتی ہے

لہ کاری کن۔ انسان کو بجا طور شروع کرنا چاہیئے اور مقصد کے حصول کا منتظر رہنا چاہیئے۔ ہر کہ ... محنت کو رائیگاں نہیں کرتا ہے جو کوشش کرتا ہے وہ پالیتا ہے۔ گفت۔ عبادتیں اِس لئے کی جاتی ہیں تاکہ درِ حق کھلے اور انسان کو تقرب حاصل ہو، زنجیر بجا کر دروازہ کھلوایا جاتا ہے۔ عبادت بھی زنجیر بجانا ہے۔

ٹہ حلقہ۔ مشہور مقولہ ہے مَن دَقَّ بَابَ الکَرِیمِ انفتح

جو کسی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اُس کے لئے دروازہ کھلتا ہے

شرح

ایک معشوق نے ایک روز صبح کے وقت امتحاناً اپنے عاشق سے دریافت کیا کہ تم مجھے زیادہ چاہتے ہو (اگر یہ ہے تو تعجب کی بات ہے) یا اپنے کو اے مُبتلائے رنج جو بات ہو سچ سچ کہدو! اُس نے جواب دیا کہ میں آپ کے اندر اس قدر فنا ہوں کہ میں سر سے پاؤں تک آپ کی صفات سے لبریز ہوں میرے اندر میری ہستی کا صرف نام باقی ہے اور کچھ نہیں اور میرے اندر سوائے آپکے اور کچھ نہیں۔ لہٰذا میں آپکے اندر یوں فنا ہوں جیسے کہ آپ جو کہ بھرا انگبیں ہیں۔ سرکہ کھائیں اور وہ جزوِ بدن بن کر آپکے اندر فنا ہو جاتے۔

اب مولانا ایک اور مثال سے مقولہ عاشق کی تائید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک پتھر جو کہ سراسر خالص لعل ہو جائے اور صفات آفتاب سے پُر ہو جائے اور وصفِ حجریت اُسکے زائل ہو جائے اور اوپر نیچے غرض کہ ہر طرف صفات آفتاب سے پُر ہو جاتے اسکے بعد اگر وہ اپنے کو دوست رکھے گا تو وہ آفتاب ہی کی دوستی ہو گی۔ اور اگر آفتاب کو دوست رکھے گا تو وہ اپنی دوستی ہو گی۔

الحاصل خاص لعل خواہ اپنے کو چاہے یا آفتاب کو۔ ان دونوں چاہتوں میں کچھ فرق نہیں کیونکہ گو ذاتیں ہر دو کے متباین ہیں مگر صفت دونوں کی ایک ہے اسلئے کہ دونوں جگہ آفتاب ہی کی روشنی ہے جو منشا ہے ماہیت کا۔ لیکن جب تک پتھر لعل نہ ہوا اس وقت

تک وہ آفتاب کا دشمن ہے کیونکہ یہاں ایک ہستی نہیں بلکہ دو ہستیاں ہیں اسلئے کہ پتھر ظلماتی ہے اور آفتاب سراپا نور لہٰذا دونوں میں تضاد ہے اسلئے ظلماتی نور کی ضد ہے ایسی حالت میں اگر وہ اپنے کو دوست رکھے تو وہ بمنزلہ کافر کے ہے کیونکہ وہ جلیل القدر آفتاب کا مزاحم ہے کہ وہ اس کو اپنے میں فنا کرنا چاہتا ہے اور یہ فنا ہونا نہیں چاہتا اور اس طرح اُسکی مزاحمت اور مقابلہ کرتا ہے —— جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ جو شخص فنافی الحق نہیں ہے اسکو اناالحق نہ کہنا چاہیئے کیونکہ وہ سراسر ظلمت اور فانی ہے نہ کہ باقی ببقاء الحق۔ لیکن اگر کوئی فانی فی الحق اور باقی ببقاء حق ہو۔ تو اس کا انا الحق کہنا فی نفسہٖ صحیح ہے (گو شریعت حالت صحو میں اسکی اجازت نہیں دیتی) یہی وجہ ہے کہ فرعون نے انا الحق کہا تو وہ ذلیل ہوا۔ اور منصور نے حالت سُکر میں انا الحق کہا تو وہ ناجی ہوئے اور اُس اَنا پر لعنت الٰہی مرتب ہوئی اور اس پر رحمتِ الٰہی۔ کیونکہ فرعون غیر فانی اور بمنزلہ کالے پتھر کے تھا جو کہ اپنے لیے آفتابِ حقیقی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور منصور فانی اور بمنزلہ عقیق کے تھا جو کہ نعرۂ اناالشمس لگاتا اور وہ دشمن آفتابِ حقیقی تھا اور یہ عاشق آفتاب حقیقی۔

پس مقولہ فرعون کے یہ معنی ہیں کہ میں ہی آفتاب حقیقی اور خدا ہوں اور آفتاب حقیقی اور خدا کوئی چیز نہیں۔ اور مقولہ منصور کے یہ معنیٰ ہیں کہ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے وہ آفتاب حقیقی اور خدا ہے لہٰذا فرعون مستحق لعنت تھا۔ اور منصور مستحق رحمت۔ کیونکہ منصور حقیقت میں خدا ہی تھا اس کی معنیٰ یہ نہیں کہ خدا منصور میں نعوذ باللہ حلول کر گیا تھا۔ بلکہ یہ اتحاد بایں معنی تھا کہ وہ متخلق باخلاق اللہ اور متصف بصفاتِ حق اور فانی فی الحق و باقی ببقائہٖ تھا۔ پس یہ اتحاد حقیقی نہ تھا۔ بلکہ عرفی تھا۔ جیسے کہ اہل محاورہ کہتے ہیں کہ فلاں اور فلاں دو تھوڑا ہی ہیں وہ دونوں ایک ہیں۔ فافہم ولاتزل۔

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم کوشش کرو کہ تمہاری حجریت اور ظلمانیت کم ہو اور صفت لعلیت و تنور اور آفتاب حقیقی کے ساتھ ہم رنگی تم میں زائد ہو اور اس سے تم منور ہو جاؤ اور صورت اس کی یہ ہے کہ تم مجاہدات

ومشاق میں صبر کرو اور استقلال کے ساتھ مخالفت نفس پر کمر بستہ ہو جاؤ پھر دیکھنا کہ اس فنا میں تمہیں لحظہ بلحظہ ایک نئی بقا حاصل ہوگی اور تمہارے اندر سے صفت نقص ہر وقت نکل رہی ہوگی اور صفتِ کمال پختہ ہو رہی ہوگی اور صفتِ خودی جو تم میں ہے زائل ہوتا ہوگا اور وصف عشق الٰہی اور اسمیں سرشاری کی کیفیت تمہارے سر میں بڑھتی ہوگی۔ بس تم کان کی طرح سراسر سماعت بن جاؤ یعنے جو کچھ تم سے شیخ کہے اس کو بدوں چون وچرا کے مان لو۔ اس سے تم لعل کی بالی کان میں پہنو گے یعنی تم صفت کمال سے ملتبس ہو گئے اور اگر تم آدمی ہو تو چاہ کن کی طرح اپنے جسم خاکی سے مٹی کھودتے رہو۔ تاکہ ایک روز تم پانی تک پہنچ جاؤ یعنی تم مجاہدات و ریاضات سے اپنے جسم کو گھلاتے رہو تاکہ ایک چشمہ معرفتِ الٰہی تمہارے اندر سے پھوٹے اور تمہاری مطلوب تم کو مل جائے۔ یہ امور گو موقوف علیہ بمعنی لولاہ لا متنع نہیں ہیں کیونکہ اگر جذبۂ خداوندی پہنچ جائے تو چشمۂ معرفت بدوں مجاہدات و ریاضات کے بھی مل سکتا۔ مگر اکثر عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ بدوں ریاضات و مجاہدات کے وہ ایسا کرتے نہیں اسلئے تم کچھ نہ کچھ کرتے رہو اور ہاتھ پاؤں توڑ کے نہ بیٹھو اگر زیادہ نہ ہو سکے تھوڑا تھوڑا ہی مجاہدات کرتے رہو۔ غرض تم کام کرتے رہو اور چشمۂ رحمت کے منتظر رہو۔ اور تھوڑے تھوڑے مجاہدات کرتے رہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک روز تم کو تمہارا مطلوب حاصل ہوگا کیونکہ عادت اللہ جاری ہے کہ جو شخص تکلیف اُٹھاتا ہے اس کو حصول مطلوب کا خزانہ مل جاتا ہے اور جو شخص کوشش کرتا ہے دولت اسکو مل جاتی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے دروازہ پر زنجیر وجود کھڑکھڑانا۔ رکوع اور سجدہ (کثرات نوافل مع پابندی فرائض) ہے۔ پس کثرتِ صلوٰۃ کو اپنا دستور العمل بناؤ۔ اس طریقہ سے تم حق سبحانہٗ کے دروازہ پر زنجیر کھڑکھڑاؤ گے اور تم کو ایک عظیم الشان دولت ملے گی کیونکہ جو کوئی اس دروازہ کی زنجیر کھڑکھڑاتا ہے اسکو ایک عظیم الشان دولت حاصل ہوتی ہے۔

اب سمجھو! کہ اس زنجیر کے کھڑکھڑانے کا کیا قاعدہ ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رکوع وسجود یعنی کثرتِ صلوٰۃ حق سبحانہٗ کے دروازہ پر طلب بقاء روحانی کے لیے زنجیر کھڑکھڑانا ہے پس تم کثرتِ صلوٰۃ کرو تاکہ تم کو بقاء روحانی حاصل ہو۔

آمدنِ آں امیرانِ نمّام باسرہنگاں نیم شب وکُشادنِ
ان چغلخور امیروں مع سپاہیوں کے آدھی رات کو آنا اور ایاز کا حجرہ
حُجرۂ ایاز و دیدن چارق و پوستین را آویختہ وگمان
کھولنا اور چپل اور پوستین کو لٹکا ہوا دیکھنا اور خیال کرنا کہ یہ
بُردن کہ آں مکریست و رُوپوش وخانہ را حُفرہ کردن ہر
مکاری اور آڑ ہے اور گھر کے ہر اس گوشہ کو کھودنا جس کا
گوشہ کہ گمان آمد وچاہ کُناں آوردن و دیوار ہارا سُوراخ
انھیں خیال آیا اور کنواں کھودنے والوں کو لانا اور دیواروں میں سوراخ
کردن وچیزے نایافتن وخجل و نومید شُدن چنانکہ [۵۳]
کرنا اور کسی چیز کو نہ پانا اور شرمندہ اور ناامید ہونا جیسا کہ انبیاء
بدگمانان وخیال اندیشاں درکارِ انبیا و اولیا کہ میگفتند کہ
اور اولیاء کے معاملہ میں بدگمانوں اور سوچنے والوں جو کہتے تھے کہ
ساحراند وخویشتن ساختہ اند وتصدُّر میجویند بعدازِ
جادوگر ہیں اور اپنے آپ کو بنائے ہوئے ہیں اور بڑائی چاہتے ہیں جستجو کے
تفحّص خجل شدنِ ایشان سُود ندارد
بعد ان کا شرمندہ ہونا مفید نہیں ہے

آں امیراں بردرِ حُجرہ شُدند — طالبِ گنج و زر و خمرہ شُدند
وہ امیر حجرے کے دروازہ پر آئے — خزانہ اور سونے اور مٹکی کے طلبگار بنے

قفل را برمیکشادند از ہوس — بادو صد فرہنگ و دانش چند کس
ہوس سے انھوں نے تالا کھولا — چند اشخاص کی سینکڑوں عقلوں اور سمجھ کے ساتھ

زانکہ [۵۴] قفلِ صعب و پیچیدہ بُود — ازمیانِ قفلہا بگزیدہ بُود
کیونکہ اس نے مضبوط تالا لگا رکھا تھا — تالوں میں سے منتخب کیا تھا

نے زبخلِ سیم ومال وزرِ خام — ازبرائے کتمِ آں سِراز عوام
چاندی اور مال اور خالص سونے کے بخل کی وجہ سے نہیں — (بلکہ) اس راز کو عوام سے چھپانے کے لئے

کہ گروہے برخیالِ بدتنند — قومِ دیگر نام سالوسم کُنند
کہ ایک جماعت بُرے خیال پر قائم ہو جائیگی — دوسری قوم میرا نام مکار رکھے گی

پیشِ باہمت بُود اسرارِ جاں — ازخساں محفوظ تراز لعلِ کاں
جان کے راز، باہمت کے سامنے — کمینوں سے، کان کے لعل سے زیادہ محفوظ ہوتے ہیں

زرُوپوش یعنی ایاز نے چپل اور پوستین اس لئے لٹکا دی ہے کہ مخفی خزانہ کی جانب لوگوں کا دھیان نہ جائے۔

۵۳ چنانکہ۔ یہ لوگ ایاز کے معاملہ میں ایسے ہی شرمندہ ہوئے جس طرح انبیاء اور اولیاء کے منکر آخر میں ایسے وقت شرمندہ ہوئے ہیں جبکہ ان کی شرمندگی ان کے لئے مفید نہیں ہوتی ہے۔ تصدُّر۔ صدر کا مقام حاصل کرنا خود بڑی۔

۵۴ زانکہ۔ ایاز نے حجرہ پر ایسا سخت قفل لگایا تھا جس کا کھلنا آسان نہ تھا۔ نے زبخل۔ مضبوط قفل کسی بخل کی وجہ سے نہ لگایا تھا بلکہ اپنا یہ راز چھپانے کیلئے لگایا تھا۔ قومِ دیگر۔ اگر لوگوں کو چپل اور پوستین کا حال معلوم ہوگا تو اسکو مکاری پر محمول کرینگے۔ پیش۔ باہمت لوگ اپنے باطنی احوال کی لعل وجواہر سے بھی زیادہ حفاظت کرتے ہیں۔ پرزہ۔ بیوقوفوں کے نزدیک سونا جان سے بہتر ہے مقصد روپے پیسے کو جان کی حیات سمجھتے ہیں۔

زر به از جان ست پیشِ ابلہاں — زر نثارِ جاں بُود پیشِ شہاں

بیوقوفوں کے نزدیک سونا جان سے بہتر ہے — شاہوں کے نزدیک سونا جان کی خیرات ہے

می‌شتابیدند[۵۲] تفا از حرصِ زر — عقلِ شاں میگفت نے آہستہ تر

وہ سونے کے لالچ میں تیز دوڑتے تھے — اُن کی عقل کہتی تھی - نہیں - بہت آہستہ

حرص تازد بیہدہ سُوئے سراب — عقل گوید نیک بیں کاں نیست آب

سراب کی جانب لالچ بیکار دوڑتا ہے — عقل کہتی ہے اچھی طرح دیکھ، وہ پانی نہیں ہے

حرص غالب بُود و زر چوں جاں شدہ — نعرۂ عقل آں زماں پنہاں شدہ

لالچ غالب تھا اور سونا جان کی طرح بن گیا تھا — اُس وقت عقل کی آواز دب گئی تھی

حرص غالب بُود بر زر ہمچو جاں — گفت این ست این متاعِ رائگاں

جان جیسے سونے پر حرص غالب تھی — اُس نے کہا یہی ہے یہ بیہودہ چیز

گشتہ صد تو حرص و غوغا ہائے او — گشتہ پنہاں حکمت و ایمائے او

حرص اور اُس کا شور سَو گنا بن گیا — دانائی اور اُس کا اشارہ چھپ گیا

تاکہ[۵۳] در چاہِ غرور اندر فتد — آنکہ از حکمت ملامت نشنود

تاکہ دھوکے کے کنویں کے اندر گرے — وہ جو دانائی کی ملامت نہیں سنتا

چوں ز بندِ دام بادِ او شکست — نفسِ لوّامہ بر و یابید دست

جب جال کے پھندے کی وجہ سے اُسکا غرور ٹوٹا — لوّامہ نفس نے اُس پر قابو پالیا

تا[۵۴] بدیوارِ بلا ناید سرش — نشنود پندِ دل آں گوشِ کرش

جب تک اُسکا سر مصیبت کی دیوار تک نہیں آتا ہے — اُسکا بہرا کان دل کی نصیحت نہیں سنتا ہے

کودکاں را حرصِ لوزینہ و شکر — از نصیحتہا کُند دو گوش کر

بادام کے حلوے اور شکر کا لالچ بچوں کے — دونوں کان کو نصیحتوں سے بہرا بنا دیتا ہے

چونکہ دردِ دُنبلش آغاز شُد — در نصیحت ہر دو گوشش باز شد

جب اُس کے پھوڑے کا درد شروع ہوا — اُس کے دونوں کان نصیحت کے لئے کھلے

حُجرہ را با حرص و صد گونہ ہوس — باز کردند آں زماں آں چند کس

حجرہ کو سیکڑوں ہوس اور حرص سے — اُن چند شخصوں نے اُس وقت کھولا

اندر افتادند بر ہم ز ازدحام — ہمچو[۵۵] اندر دوغ گندیدہ ہوام

ازدحام سے اکٹھے اندر گھسے — جس طرح بھنگے سڑی ہوئی چھاچھ میں

عاشقانہ در فتد با کرّ و فر — خوردن امکاں نے و بستہ ہر دو پر

شان و شوکت سے، عاشقانہ گرتا ہے — کھانے کا اِمکان نہیں اور دونوں پر بندھے ہوئے ہیں

بنگریدند از یسار و از یمیں — چارقے بدریدہ بُود و پوستیں

انھوں نے بائیں اور دائیں جانب دیکھا — پھٹی ہوئی چپل اور پوستیں تھی

---

۵۲ می‌شتابید۔ لالچ اُن کو دوڑا رہا تھا اور عقل آہستہ روی کی تعلیم دے رہی تھی جو حرص تازد۔ حرص انسان کو غیر واقعی نفع کی طرف دوڑاتی ہے عقل اسکو سمجھاتی ہے سراب۔ وہ ریت جو دُور سے پانی نظر آئے۔ حرص۔ انپر حرص کا غلبہ تھا اور عقل کی آواز دب گئی تھی۔ غالب بُود۔ سونا جو اُن کیلئے جان کی طرح تھا اُسپر حرص غالب تھی اُسنے عقل کی آواز کو بیکار بتایا۔ حکمت عقل کی دانائی اور اُسکے اشارے اُن لوگوں سے مخفی ہوگئے تھے۔

۵۳ تاکہ۔ حکمت کے اشارے اسلئے پوشیدہ ہو جاتے ہیں کہ یہ شخص دھوکے میں مبتلا ہو جائے۔ یہ لالچی شخص جب پھنس جاتا ہے تو اُس کا غرور ٹوٹتا ہے اور پھر اُسکا نفس اُسکو ملامت کرتا ہے نفسِ لوّامہ۔ نورِ دل کی روشنی

۵۴ تا بدیوار۔ جب تک مصائب کی دیوار سے اُسکا سر نہیں ٹکراتا ہے اُس وقت تک یہ دل کی نصیحت نہیں سنتا ہے۔ کودکاں۔ اُس شخص کی مثال بچوں کی سی ہے جو مٹھائی کے لالچ میں کوئی نصیحت نہیں سنتے ہیں۔ چونکہ۔ جب مٹھائی کھانے سے پھوڑے اور پھنسیاں نکلتی ہیں تب بچے کے کان کھلتے ہیں۔ حجرہ۔ اب پھر ایاز کے حجرے کے کھولنے کا ذکر شروع کیا ہے۔

۵۵ ہمچو۔ وہ لوگ ازدحام کرکے ایاز کے حجرہ میں اسطرح گھسے جس طرح بھنگے کھٹی چھاچھ میں گرتے ہیں کہ وہ نہ اُس میں سے کچھ کھا سکتے ہیں اور نہ صحیح سالم باہر نکل سکتے ہیں۔ یہی حال اُن لوگوں کا تھا کہ اُنکو

بازگفتند ایں مکاں بے نوش نیست [۵۳]
انھوں نے پھر کہا یہ جگہ بغیر شہد کے نہیں ہے

چارق اینجا جز پئے روپوش نیست
اِس جگہ چپل آڑ کے سوا نہیں ہے

ہیں بیاور سیخہائے تیز را
خبردار! تیز سلاخیں لا

اِمتحاں کن حفرہ و کاریز را
گڑھے اور نالی کا امتحان لے

ہر طرف کندند و جستند آں فریق
اُن لوگوں نے ہر طرف کھودا اور تلاشی لی

حفرہا کردند و گوہائے عمیق
گڑھے اور گہرے غار ڈال دیئے

حفرہاشاں بانگ میداد آں زماں
اُن کو اُس وقت گڑھوں نے پکارا

کندہائے خالییم اے گندگاں
اے گندو! ہم خالی خندقیں ہیں

زاں سگالش شرم ہم میداشتند
اِس بدگمانی سے اُن کو شرم بھی آرہی تھی

کندہا را بازمی انباشتند
انھوں نے خندقوں کو دوبارہ بھر دیا

باز در دیوارہا سوراخہا
پھر دیواروں میں سوراخ

ہمچنیں کردند از جہل و عمیٰ
نادانی اور اندھے پن سے اِسی طرح کئے

بے عدد لاحول [۵۵] در ہر سینہ
ہر سینہ میں بے شمار "لاحول" تھی

ماند مرغ حرص شاں بے چینہ
اُن کی حرص کا پرند بغیر گسنگی کے رہ گیا

زاں ضلالتہائے یاوہ تازشاں
اُن کی بیہودہ دوڑ کی گمراہیاں

حفرہ و دیوار و در غماز شاں
گڑھا اور دیوار اور دروازہ اُنکے چغلخور

ممکن اندائے آں دیوار نے
اُس دیوار کی لپائی ممکن نہ تھی

با ایاز امکان ہیچ انکار نے
ایاز کے سامنے انکار کا کوئی امکان نہ تھا

گر خداع بیگناہی میدہند
اگر وہ اپنی بے گناہی کا دھوکا دیں

حائط و عرصہ گواہی میدہند
دیوار اور صحن گواہی دے رہے ہیں

جملہ در حیرت کہ چہ عذر آورند
سب حیرت میں تھے کہ کیا عذر کریں

تا ازیں گرداب جاں بیروں کنند
تاکہ اِس بھنور سے جان کو باہر نکالیں

عاقبت [۵۶] نومید دست و لب گزاں
انجام کار ناامید اور ہاتھ اور ہونٹ کاٹتے ہوئے

چوں زناں دو دست بر سرہا زناں
عورتوں کی طرح دوہتڑ سر پر مارتے ہوئے

بازگردیدند سوئے شہریار
شاہ کی طرف واپس ہو گئے

پُر ز گرد و روئے زرد و شرمسار
گرد سے بھرے ہوئے، چہرے زرد اور شرمندہ

وہاں مال بھی ہاتھ نہ آیا اور رُسوا ہوگئے۔

۵۳ بازگفتند۔ گڑھے میں مال نہ پانے کے باوجود انھوں نے کہا کہ یہ جگہ مال سے خالی نہیں ہوسکتی چپل اور پوستین تو مال کو چھپانے کے لئے ایک آڑ ہے۔ سیخہا۔ یعنی کھودنے کے لئے کُدالیں۔ کاریز۔ نالی۔ گو۔ کُوہا۔ گڑھے۔ حفرہا۔ گڑھے اُن سے کہہ رہے تھے کہ اے ناپاک خیالات والو ہم خالی گڑھے ہیں۔ زاں۔ اب وہ اپنے خیالات پر شرمندہ تھے انھوں نے گڑھوں کا پاٹنا شروع کر دیا۔

۵۵ لاحول۔ وہ اپنے کام پر لاحول پڑھ رہے تھے۔ غماز۔ اُن کو اپنے کاموں کو چھپانا ممکن نہ تھا دیواروں کے سوراخ اور زمین کے گڑھے اُن کی چغلی کھا رہے تھے۔ ممکن۔ ان گڑھوں اور سوراخوں کو اس طرح اب بند بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ایاز کے سامنے اِن حرکتوں کا انکار ممکن ہو لہٰذا وہ سب حیران تھے اور در و دیوار کی گواہی سے ڈر رہے تھے۔

۵۶ عاقبت۔ انجام کار وہ محروم واپس ہوئے اور عورتوں کی طرح سروں پر دوہتڑ مار رہے

بازگشتن نمامان از حجرۂ ایاز بسوئے شاہ توبرہ تہی و خجل ہمچو
چغلخوروں کا ایاز کے حجرے سے بادشاہ کی طرف خالی توبرہ اور شرمندہ ہوکر پہنچنا جیسا

بدگمانان در حق انبیا علیہم السلام در وقف ظہور برأت و
کہ انبیاء علیہم السلام سے بدگمانی کرنے والے اُن کی برأت اور پاکی کے ظاہر

پاکی ایشاں کہ یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ و
ہوجانے کے وقت کہ اس دن جبکہ کچھ چہرے سفید اور کچھ چہرے کالے ہوجائیں گے اور

قولہٗ تعالٰی یوم القیامۃ تری الذین کذبوا علی اللہ وجوہہم مسودۃ
اللہ تعالٰی کا قول قیامت کے روز تو دیکھیگا ان لوگوں کو جنہوں نے خدا پر جھوٹ بولا تھا انکے چہرے کالے ہونگے

شاہ۲ قاصد گفت ہیں احوال چیست — کہ بغلتاں از زر و ہمیاں تہیست

بادشاہ نے قصداً کہا ہاں کیا احوال ہیں؟ — کہ تمہاری بغلیں ہمیانی اور سونے سے خالی ہیں

ور نہاں کردید دینار و تسو — فر و شادی در رخ و رخسار کو

اگر تم نے اشرفیاں اور دمڑیاں چھپا رکھی ہیں — تو منہ اور رخسار پر شان اور خوشی کہاں ہے؟

گرچہ پنہاں بیخ ہر بیخ آورست — برگ سیماہم وجوہہم اخضرست

اگرچہ ہر جڑدار (درخت) کی جڑ پوشیدہ ہے — سبز پتے "ان کے چہروں پر نشان ہے" کا مصداق ہیں

آنچہ خورد آں بیخ از زہر و زقند — نک منادی میکند شاخ بلند

جو کچھ زہر اور شکر اس جڑ نے کھایا ہے — اب بلند شاخ پکار رہی ہے

بیخ اگر بے برگ و از مایہ تہیست — برگہائے سبز بر اشجار چیست

جڑ اگر بغیر پتے کے اور سرمائے سے خالی ہے — درختوں پر سبز پتے کیسے ہیں؟

بر زبان بیخ گل مہرے نہد — شاخ دست و پا گواہی میدہد

جڑ کی زبان پر مٹی مہر لگا دیتی ہے — شاخ، ہاتھ پاؤں ہیں جو گواہی دیتے ہیں

آں امیراں جملہ در عذر آمدند — ہمچو سایہ پیش مہ ساجد شدند

اُن سب سرداروں نے معذرت کی — سایہ کی طرح چاند کے سامنے سجدہ کرنے والے بن گئے

عذر آں گرمی و لاف و ما و من — پیش شہ رفتند با تیغ و کفن

اس جوش اور شیخی اور انانیت سے عذر کے لئے — تلوار اور کفن لے کر شاہ کے سامنے گئے

از۳ خجالت جملہ انگشتاں گزاں — ہر یکے میگفت کے شاہ جہاں

شرمندگی سے انگلیاں کاٹتے ہوئے — ہر ایک کہہ رہا تھا، کہ اے شاہ جہاں!

گر بریزی خوں حلالستت حلال — ور ببخشی ہست انعام و نوال

اگر تو خون بہائے تیرے لئے حلال ہی حلال ہے — اگر تو معاف کردے انعام اور عطا ہے

تے۔ بازگشتن۔ وہ لوگ خالی ہاتھ اور شرمندہ اسی طرح تھے جس طرح کفار ہونگے جبکہ انبیا اور رسولوں کی برأت ظاہر ہوگی اور بداعمالوں کے چہرے سیاہ اور نیکوکاروں کے سفید ہو جائیں گے۔

۲ شاہ۔ شاہ نے قصداً ان سے دریافت کیا کہ تمہاری بغلیں۔ ہمیانی زر و جواہر سے کیوں خالی ہیں اگر تم یہ بھی کہو کہ وہ ہم نے چھپائے ہیں تو بھی اُن کے آثار چہروں پر ضرور ہونے چاہئیں تھے۔

۵ گرچہ۔ جڑ زمین میں چھپی ہوئی ہوتی ہے لیکن اس کے آثار پتوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ برگ۔ چھپے ہوئے اعمال کے اثرات نیکوں کے چہروں پر ظاہر ہوں گے کلام پاک میں ہے۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود یعنی سجدوں کے آثار انکے چہروں سے نمایاں ہیں۔ آنچہ۔ پتوں سے جڑ کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔

۶ بیخ۔ جڑ میں اگر زندگی نہ ہو تو درخت پر سبز پتے نہیں آسکتے ہیں۔ برزبان۔ مٹی نے جڑ کے منہ پر مہر لگا دی ہو لیکن اس کی شاخیں جو اس کے ہاتھ پاؤں ہیں گواہی دے رہے ہیں۔ عذر۔ مجرم کے لئے قاعدہ تھا کہ تیغ و کفن لے کر بادشاہ کے سامنے جاتا تھا اور اس طور پر سزا پر اپنی آمادگی ظاہر کرتا تھا۔

۳ ازخجالت۔ ہر شخص شرمندگی سے انگلیاں کاٹ رہا تھا۔ اور بادشاہ سے کہہ رہا تھا کہ اگر

کردہ ایم آنہا کہ از ما می سزید
ہم نے وہ کیا جو ہمارے لائق تھا
تا چہ فرمائی تو اے شاہِ مجید
اے بزرگ بادشاہ! اب آپ کیا فرماتے ہیں؟

گر بہ بخشی جرمِ ما اے دلفروز
اے دل کو روشن کرنیوالے! اگر تو ہمارا جرم بخشدے
شب شبیہا کردہ باشد روز روز
(تو ایسا ہوگا) کہ رات نے رات پن کیا، دن نے دن پن

گر بہ بخشی یافت نومیدی کُشاد
اگر تو بخش دیگا تو مایوسی نے کشادگی حاصل کی
ورنہ صد چوں ما فدائے شاہ باد
ورنہ ہم جیسے سینکڑوں بادشاہ پر قربان ہیں

گفت شہ نے ایں نواز و ایں گداز
بادشاہ نے کہا نہیں یہ نوازش اور یہ سزا
من نخواہم کرد ہست آنِ ایاز
میں نہ کروں گا یہ ایاز کی ملکیت ہے

اُمید سے بدل جائے گی ورنہ ہماری جان آپ پر قربان ہے۔ گفت۔ بادشاہ نے کہا اس معاملہ میں سزا اور عطا میرا کام نہیں ہے، ایاز کا کام ہے۔

حوالہ کردنِ بادشاہ قبولِ توبۂ نمّاماں و حجرہ کُشایاں و سزا دادن و اَدب کردنِ ایشاں با ایاز کہ یعنی ایں جنایت بر عرضِ اُو رفتہ است عُذرِ او پذیرد

بادشاہ کا چغلخوروں اور حجرہ کھولنے والوں کی توبہ کو قبول کرنا اور سزا دینا اور اُن کو تنبیہ کرنا، ایاز کے سُپرد کرنا کیونکہ یہ زیادتی اُس کی آبرو پر ہوئی تو اس کا عُذر وہ قبول کرے

ایں جنایت بر تن و عرض ویست
یہ ظلم اُس پر اور اُس کی آبرو پر ہوا ہے
زخم بر رگہائے آں نیکو پے ست
زخم اُس نیک خصلت کی رگوں پر لگا ہے

گرچہ نفسِ واحدیم از روئے جاں
اگرچہ جان کے اعتبار سے ہم ایک ذات ہیں
ظاہر اُو دُریم ازیں سود و زیاں
اس نفع اور نقصان کے اعتبار سے بظاہر ہم دُور ہیں

تہمتے بر بندہ شہ را عار نیست
غلام پر تہمت، شاہ کی ذلت نہیں ہے
جز مزیدِ حلم و استظہار نیست
مزید حلم اور بھروسہ کے سوا کچھ نہیں ہے

متہم را شاہ چوں قاروں کند
جبکہ شاہ تہمت کردہ کو قارون بنا دیتا ہے
بیگنہ را تو نظر کن چوں کند
تو غور کر، بے قصور کو وہ کیا بنائے گا؟

شاہ را غافل مداں از کارِ کس
شاہ کو کسی کے کام سے غافل نہ سمجھ
مانعِ اظہارِ آں حلم ست و بس
اُسکے ظاہر کرنے کے لئے فقط حلم مانع ہے

من ھُنَا یَشفَعُ بہ پیشِ علمِ اُو
اُسکے علم کے آگے وہاں کون ہے جو سفارش کرسکے؟
لااُبالی وار اِلّا حلمِ اُو
لاپرواہی کے ساتھ سوائے اُس کے حلم کے

ہمیں قتل کر دیا جائے تو ہم اسی کے قابل ہیں اگر آپ معاف کر دیں تو آپ کا کرم ہے۔ شب شبیہا۔ رات اپنا کام کرتی ہے اور دن اپنا ہمارے تاریک کارنامے ہیں اور آپ کی معافی پُر نور ہے۔ گر بہ بخشی۔ اگر آپ معاف کریں گے تو ہماری مایوسی

سلہ حوالہ۔ بادشاہ نے ایاز کو بلا کر اُن امیروں کو اُسکے حوالے کر دیا۔ ایں جنایت۔ بادشاہ نے کہا تمہارا ظلم و زیادتی ایاز کے جسم اور آبرو پر ہوئی ہے۔ گرچہ۔ اگرچہ ایاز اور میں دو نہیں ہیں لیکن اس معاملہ میں یگانگت نہیں ہے۔ تہمتے۔ اگر بادشاہ کے غلام پر کوئی تہمت لگائے تو بادشاہ ذلیل نہیں ہوتا ہے، غلام ذلیل ہوتا ہے لہٰذا اس معاملہ کا تعلق باوجود یگانگت کے ایاز ہی سے ہے۔

سلہ جز۔ اگر کوئی شاہ کا جرم بھی کرتا ہے تو وہ اُس کے حلم کے بھروسہ پر کرتا ہے۔ شاہ۔ شاہ کو جرم کا علم بھی ہوتا ہے تو اپنے حلم کی وجہ سے اُس کا اظہار نہیں کرتا ہے۔ من ھُنا۔ چونکہ بادشاہ کو مجرم کا پورا علم ہوتا ہے تو سفارش صرف اُس کے حلم کی چلتی ہے۔ آں گنہ۔ شاہ کے حلم کی وجہ سے خطاکار کو ہمت ہو جاتی ہے ورنہ ہیبت اُس کو خطا کرنے کا موقع نہ دے۔

آں گنہ اوّل زحلمش میجہد — ورنہ ہیبت آں مجالش کے دہد

خطا، پہلے پہل اُسکے حلم کی بنیاد پر صادر ہوئی ہے — ورنہ خوف اُس کو کب گنجائش دیتا؟

خونبہائے جرم نفسِ قاتلہ — ہست بر حلمش دیت بر عاقلہ

قاتل نفس کے جرم کا خونبہا — اُسکی بُردباری پر ہے (جیساکہ) عاقلہ پر دیت

مست و بیخود نفسِ مازاں حلم بُود — دیو در مستی کلاہ از وے ربُود

ہمارا نفس اس حلم سے مست اور بیخود تھا — مستی میں، شیطان اُس کی ٹوپی لے بھاگا

گر نہ ساقیِ حلم بودے بادہ ریز — دیو با آدمؑ کجا کردے ستیز

اگر حلم کا ساقی شراب چھلکانے والا نہ ہوتا — شیطان، آدمؑ سے کب جھگڑا کرتا؟

گاہ علمِ آدمؑ ملائک را کہ بُود — اُوستادِ علم و نقادِ نقود

ملائکہ کے اعتبار سے آدمؑ کے علم کا جو مرتبہ تھا — علم کے اُستاد، اور نقدوں کو پرکھنے والے تھے

چونکہ در جنت شرابِ حلم خورد — شد زیک بازیِ شیطاں رُوی زرد

چونکہ اُنھوں نے جنت میں حلم کی شراب پی — شیطان کے ایک داؤں سے شرمندہ ہوگئے

آں بلاذرہائے تعلیمِ ودود — زیرک و دانا و چستش کردہ بُود

اللہ (تعالیٰ) کی تعلیم کے بھلانووں نے — اُنکو ذہین اور عقلمند اور چست کر دیا تھا

باز آں افیونِ حلمِ سختِ اُو — دُزد را آورد سُوئے رختِ اُو

پھر اُس کے انتہائی حلم کی افیون نے — اُنکے سامان کی جانب چور کو روانہ کر دیا

عقل آمد سُوئے حلمش مستجیر — ساقیم تو بُودہ دستم بگیر

عقل، اُسکے حلم کی جانب پناہ پکڑتی ہوئی آئی — میرا ساقی تو تھا میری دستگیری کر

فرمودنِ شاہ ایاز را کہ اختیار کُن از عفو و مکافات کہ از عدل

بادشاہ کا ایاز سے فرمانا کہ بدلے اور معاف کرنے میں سے جو بھی پسند کرے اختیار کر کیونکہ انصاف

و لطف ہر چہ کُنی اینجا صوابست و در ہر یکے را مصلحتہاست

اور مہربانی میں سے جو بھی تو کریگا اس مقام پر درست ہے اور ہر ایک میں مصلحتیں ہیں

کہ در ہر عدل ہزار لطف درجست وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ

اسلئے کہ انصاف میں ہزاروں مہربانیاں درج ہیں اور تمہارے لئے بدلہ لینے میں زندگی ہے

آنکس کہ کراہت میدارد قصاص را در یں یک حیات

جو شخص بدلہ لینے کو ناپسند کرتا ہے اُس میں قاتل کی ایک زندگی

قاتل نظر میکند و در صد ہزار حیات کہ معصوم و محفوف

پر نظر کرتا ہے اور وہ اُن لاکھوں زندگیوں کو جو سزا کے خوف کے

خواہد شدن در حصنِ بیم سیاست نمی نگرد

قلعے میں محفوظ اور مامون ہوگی، نہیں دیکھتا ہے

سے خونبہائے۔ اگر کوئی قتل میں خطا کرتا ہے تو اُس کے رشتہ داروں کو دیت دینی پڑتی ہے چونکہ قاتل انہی رشتہ داروں کے سہارے کی امید پر قتل کرتا ہے، اسی طرح خطاکار شاہ کے حلم کے سہارے خطا کرتا ہے تو اسکی خطا کی ذمہ داری بھی شاہ کے حلم پر آتی ہے۔ مست۔ شاہ کے حلم کی مستی خطاکار پر طاری ہو جاتی

ھ گاہ۔ آدمؑ کو ملائکہ سے زیادہ علم حاصل تھا لہٰذا شیطان اُنکو دھوکہ نہ دے سکتا تھا لیکن چونکہ آدمؑ نے جنت میں اللہ کے حلم کا جام پی لیا تھا تو اُن سے خطا سرزد ہوگئی۔ بلاذر۔ بھلانوا اُس کو مذبّر کرکے کھانا ذہن کے لئے بہت مفید ہے۔ باز آں۔ حضرت آدمؑ نے اللہ تعالیٰ کے حلم کی افیون کھائی جس سے اُن پر غفلت طاری ہوگئی۔ عقل۔ پھر اُس غلطی سے اُن کی عقل نے اللہ کی بُردباری سے پناہ پکڑ لی۔

جو اس حالت میں شیطان اُن کو بے آبرو کر دیتا ہے۔ اگر حضرت آدمؑ کو حلم خداوندی پر بھروسہ نہ ہوتا تو شیطان ان کو کافر بنا کر نکال دیتا تھا۔

ے فرمودن۔ بادشاہ نے ایاز سے کہا اب تو جو چاہے کر۔ معاف کردے یا بدلہ لے لے عدل کر یعنی بدلہ لے لے یا مہربانی کر اور یہ بھی سمجھ لے کہ عدل یعنی بدلہ لینے میں سیکڑوں مہربانیاں پوشیدہ ہیں اس لئے کہ قصاص کے ڈر سے جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں اسی لئے قرآن نے قصاص کو حیات قرار دیا ہے جو شخص معاف کرتا ہے وہ قاتل کی ایک جان کی طرف تو دھیان دیتا ہو

کن میانِ مجرماں حکم اے ایاز ‏ ‏ اے ایازِ پاک با صد احتراز
اے ایاز! مجرموں کا فیصلہ کر ‏ ‏ سیکڑوں پرہیزگاریوں کے ذریعہ پاک، اے ایاز!

گر دو صد بارت بجوشم در عمل ‏ ‏ در کفِ جوششت نیابم یک دغل
اگر میں تجھے دو سو بار بھی کام میں جوش دلاؤں ‏ ‏ تیرے جوش کے جھاگ میں ایک خرابی (بھی) نہ پاؤں

ز امتحاں شرمندہ خلقے بے شمار ‏ ‏ ز امتحانہا جملہ از تو شرمسار
آزمائش سے بے شمار مخلوق شرمندہ ہوئی ہے ‏ ‏ آزمائشوں کی وجہ سے سب تجھ سے شرمندہ ہیں

بحرِ بے قعر ست تنہا علم نیست ‏ ‏ کوہ و صد کوہ است ایں خود حلم نیست
صرف علم ہی نہیں ہے، بلکہ اتھا سمندر ہے ‏ ‏ یہ علم ہی نہیں ہے، پہاڑ اور سیکڑوں پہاڑ ہے

گفت من دانم عطائے تست ایں ‏ ‏ ورنہ من آں چارقم واں پوستیں
اس نے کہا میں جانتا ہوں یہ آپکی دین ہے ‏ ‏ ورنہ میں تو وہی چپل اور وہی پوستین ہوں

بہرِ ایں پیغمبر ایں را شرح ساخت ‏ ‏ ہر کہ خود بشناخت یزداں را شناخت
اسی لئے پیغمبر نے اس کی شرح کی ہے ‏ ‏ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے خدا کو پہچان لیا

چارقت نطفہ ست و خونت پوستیں ‏ ‏ باقی اے خواجہ عطائے اوست ایں
تیرا چپل نطفہ ہے اور تیرا خون پوستین ہے ‏ ‏ اے جناب! باقی یہ اس کی دین ہے

بہرِ آں دادست تا جوئی دگر ‏ ‏ تو مگو کہ نیستش جز ایں قدر
تجھے اسلئے دیا ہے تاکہ تو اور طلب کرے ‏ ‏ تو نہ کہہ کہ اسکے پاس اتنے سوا نہیں ہے

زاں نماید چند سیب آں باغباں ‏ ‏ تا بدانی دخل و نخلِ بوستاں
باغباں چند سیب اس لئے دکھاتا ہے ‏ ‏ تاکہ تو باغ کی آمدنی اور درختوں کو سمجھ سکے

کفِ گندم زاں دہد خریار را ‏ ‏ تا بداند گندمِ انبار را
ایک مٹھی گیہوں خریدار کو اس لئے دیتا ہے ‏ ‏ تاکہ وہ ڈھیر کے گیہوں کو سمجھ جائے

نکتۂ زاں شرح گوید اوستاد ‏ ‏ تا شناسی علمِ او را مستزاد
استاد اس شرح میں سے ایک نکتہ بیان کرتا ہے ‏ ‏ تاکہ تو اس کے علم کو مزید سمجھ جائے

ور بگوئی خود ہمینش بود و بس ‏ ‏ دورت اندازد چناں کز ریش خس
اگر تو کہے کہ اس کے پاس بس یہی تھا ‏ ‏ تجھے اس طرح دور پھینک دیگا جسطرح داڑھی سے تنکا

اے ایاز اکنوں بیا و داد دہ ‏ ‏ دادِ نادر در جہاں بنیاد نہ
اے ایاز! اب آ اور انصاف کر ‏ ‏ دنیا میں عجیب انصاف کی بنیاد رکھدے

مجرمانت مستحقِ کشتنند ‏ ‏ در طمع بر عفو و حلمت می تنند
تیرے مجرم گردن زدنی ہیں ‏ ‏ اور تیری معافی اور حلم کے لالچ پر قایم ہیں

لیکن ان جانوں کی طرف نظر نہیں کرتا ہے جو قصاص کے ڈر سے محفوظ رہتی ہیں۔

۵۳ گر دو صد۔ انسان جوش میں راہ اعتدال چھوڑ بیٹھتا ہے لیکن ایاز سے یہ ممکن نہیں ہے۔

۵۱ ز امتحاں۔ غلطیات کا امتحان کرکے بہت سے لوگ شرمندہ ہوئے ہیں اب یہ لوگ بھی اسی طور پر شرمندہ ہیں۔ بحر۔ ایاز صرف دریائے علم ہی نہیں ہے بلکہ وہ علم کا بے تھاہ دریا ہے وہ صرف بُردباری ہی نہیں ہو بلکہ بُردباری کا پہاڑ در پہاڑ ہے۔ گفت۔ ایاز نے شاہ کی باتوں پر کہا کہ میرا ہر رتبہ آپکی عطا اور دین ہے ورنہ میری حقیقت تو وہی چپل اور پوستین ہے۔

۵۲ بہر آیں۔ حدیث شریف ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے اپنے خدا کو پہچان لیا۔ چارقت۔ جس طرح ایاز کی چپل اور پوستین اُسکی ابتدا رتھی اور بقیہ عروج شاہی عطیہ تھا اسی طرح انسان کی اصل مرد کا نطفہ اور عورت کے رحم کا خون ہے۔ بہر آں۔ یہ دنیاوی عطا اس لئے کی ہو تاکہ تو انکو دیکھکر اخروی عطا کا طلبگار بنے۔ زاں۔ دنیاوی عطا آخرت کا نمونہ ہے جس طرح چند سیب باغ کے نمونے کے طور پر دکھلائے جاتے ہیں۔

۵۵ کف۔ گیہوں کے ڈھیر کی بانگی دکھا دی جاتی ہے۔ نکتہ۔ اُستاد ایک معمولی نکتہ بیان

تاکہ[۵۱] رحمت غالب آید یا غضب — آبِ کوثر غالب آید یا لہب

تاکہ (دیکھیں) کہ رحمت غالب آتی ہے یا غصہ — آبِ کوثر غالب آتا ہے یا لپٹ

از پئے مردم ربائی ہر دو ہست — شاخِ حِلم و خشم از عہدِ اَلَسْت

انسانوں کی کشش کے لئے دونوں ہیں — حِلم اور غصہ کی شاخ عہدِ اَلَسْت (کے وقت) سے

بہرِ ایں لفظِ اَلَسْتُ مُستبیں — نفی و اِثبا تست در لفظے قریں

اِسی لئے واضح لفظ اَلَسْتُ میں — نفی اور اِثبات ایک لفظ میں ملا ہوا ہے

زانکہ اِستفہام اِثبا تست ایں — لیک در وے لفظِ لَیْسَ شُد دفیں

کیونکہ استفہام یہ اِثبات ہے — لیکن اُس میں لَیْسَ کا لفظ چھپا ہوا ہے

ترک کُن تا ماند ایں تقریرِ خام — کاسۂ[۵۲] خاصاں منہ بر خوانِ عام

رہنے دے، تاکہ یہ تقریر ناقص رہے — خواص کا پیالہ عوام کے دسترخوان پر نہ رکھ

قہر و لطفے چوں صبا و چوں وبا — آں یکے آہن ربا ویں کہربا[۵۳]

قہر اور مہر صبا اور وبا کی طرح ہے — ایک مقناطیس اور یہ کہربا ہے

میکشد حق راستاں را تا رشد — قسمِ باطل باطلاں را میکشد

اللہ (تعالیٰ) سچوں کو ہدایت کیجانب کھینچتا ہو — باطل فریق، بُرے لوگوں کو کھینچتا ہے

معدہ حلوائی بُوَد حلوا کشد — معدہ صفرائی بُوَد سِرکا کَشد

حلوے والا معدہ ہو تو حلوے کو کھینچتا ہے — صفرے والا معدہ ہو تو سرکہ کو کھینچتا ہے

فرشِ سُوزاں سَردی از جالش بَرد — فرشِ افسردہ حرارت را خورد

گرم فرش بیٹھنے والے کی ٹھنڈک دور کردیتا ہو — ٹھنڈا فرش، گرمی کو کھا جاتا ہے

دوست بینی از تو رحمت می جہد — خصم بینی از تو سطوت می جہد

تو دوست کو دیکھتا ہے تو تجھ سے رحمت ٹپکتی ہو — تو دشمن کو دیکھتا ہے تو تجھ میں سے دبدبہ ٹپکتا ہے

کرتا ہے تاکہ شاگرد اُسکے علوم کو جان کر اُن کا طالب بنے۔ قد۔ اگر شاگرد اُستاد کے نکتہ کو سُن کر یہ کہدے کہ بس اُستاد کے پاس اِس نکتہ کے علاوہ اور کوئی علم نہیں ہے تو اُستاد اُس کو درس سے نکال دیتا ہے۔ اے ایاز۔ بادشاہ نے ایاز سے کہا۔ مجرمانت۔ یہ چغلخور قتل کے مستحق ہیں لیکن تیری بردباری اور عفو کے طالب ہیں۔

[۵۱] تاکہ۔ اب یہ دیکھنا ہے تو اُن پر رحم کرتا ہے یا عتاب نازل کرتا ہے، رحم آبِ کوثر اور عتاب لپٹ ہے۔ از پئے۔ روزِ ازل سے حِلم و غصہ دونوں صفتیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ کرتی ہیں۔ بہرِ ایں۔ حِلم اور خشم کی صفت کی طرف اشارے کے لئے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ میں نفی بھی ہے اور اثبات بھی ہے۔ زانکہ۔ اَلَسْتُ میں ہمزۂ اِستفہام انکار کے لئے جو اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ میں داخل ہے جو خود انکار کے معنی میں ہے اور انکار کا انکار اثبات ہوتا ہے لہٰذا اِس سے اللہ کی ربوبیت ثابت ہو گئی جس کا مقتضی حِلم ہے اور لَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے معنی ہیں "میں تمہارا رب نہیں ہوں" تو ربوبیت کے انکار کا مقتضی غصہ ہے لہٰذا یہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا جملہ دونوں صفتوں کیطرف اشارہ ہے۔

[۵۲] کاسۂ خاصاں۔ اب یہ بات کہ ربوبیت کا نہ ہونا محض احدیت محض کی بات ہے تو یہ خواص کو بھلانے کی ہے عوام کے سامنے اِس کی تقریر مناسب نہیں ہے۔ قہر و لطفے اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں صفتیں صبا اور وبا کی طرح ہیں صبا پرورش کرتی ہے، وبا فنا کرتی ہے اِن میں سے ایک مقناطیس ہے جو لوہے کو کھینچتا ہے یعنی صفتِ قہر سنگ دلوں کے لئے ہے اور دوسری صفت حِلم اور لطف یہ کہربا کیطرح

ہے جو نرم قلوب کو اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ آہن ربا۔ مقناطیس پتھر کو کھینچتا ہے۔

[۵۳] کہربا وہ پتھر جو تنکے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ میکشد۔ دنیا میں حضرتِ حق کی دونوں صفتوں کا ظہور ہے اُسکا ہادی ہونا راست بازوں کی کشش کرتا ہے اور اُسکا مُضِل ہونا غلط کاروں کی کشش کرتا ہو، غرض کہ اعیانِ ثابتہ میں جیسی جسکی استعداد ہے اُسکے مطابق اسکا میلان ہو۔ معدہ۔ دنیا میں ہر چیز کی کشش اپنی ہم جنس کیطرف ہو۔ معدہ کا یہی حال ہے فرش کا یہی حال ہو دوست اور دشمن کا یہی حال ہو نور و نار کا یہی حال ہے۔

نور بینی روشنی بیروں جہد　　نار بینی یا دُخاں ظلمت دہد
تو نور دیکھتا ہے، تو روشنی باہر آتی ہے　　تو آگ یا دھواں دیکھتا ہے تو تاریکی پیدا ہوتی ہے

خصم[۵۱] و یار و نور و نار و فخر و عار　　تخت و دار و برد و حار و ورد و خار
دشمن اور دوست، نور اور نار، فخر اور ذلت　　تخت اور سولی، ٹھنڈا اور گرم، پھول اور کانٹا

مور و مار و پود و تار و زیر و زار　　ہر یکے با جنسِ خود برمی شمار
چیونٹی اور سانپ، تانا اور بانا، گانا اور رونا　　ہر ایک کو اپنی جنس کے ساتھ گن لے

تعجیل فرمودنِ بادشاہ ایاز را کہ زود ایں حکم را بہ فیصل رساں

بادشاہ کا ایاز کو جلدی کرنے کا حکم دینا کہ جلد اس حکم کا فیصلہ کر دے

وَ منتظر مدار وَالْاَیَّامُ بَیْنَنَا مگو کہ اَلْاِنْتِظَارُ مَوْتٌ اَحْمَرُ و جواب

اور منتظر نہ رکھ اور "ہمارے پاس بہت وقت ہے" نہ کہہ کیونکہ انتظار سرخ موت ہے اور ایاز

گفتنِ ایاز بادشاہ را و عجز آوردنِ او

کا بادشاہ کو جواب دینا　　اور اس کا معذوری ظاہر کرنا

اے ایاز ایں کار را زوتر گذار　　زانکہ نوعِ انتقام ست انتظار
اے ایاز! یہ کام جلد کر دے　　کیونکہ انتظار (بھی) ایک قسم کا بدلہ ہے

گفت[۵۲] اے شہ جملگی فرمان تراست　　با وجودِ آفتاب اختر فناست
اس نے کہا اے بادشاہ! سب حکم آپ کا ہی ہے　　سورج کے ہوتے ہوئے، ستارہ معدوم ہے

زہرہ کہ بود یا عطارد یا شہاب　　کہ بروں آید بہ پیشِ آفتاب
زہرہ یا عطارد یا شہاب کون ہوتا ہے؟　　کہ سورج کے سامنے باہر آئے

گر ز دلق و پوستیں بگذشتمے　　کے چنیں تخمِ ملامت کشتمے
اگر میں گدڑی اور پوستین سے (آگے) بڑھتا　　تو ملامت کا ایسا بیج کب بوتا؟

قفل کردن بر درِ حجرہ چہ بود　　درمیانِ صد خیالاتِ حسود
حجرہ کے دروازے پر قفل لگانا کیا تھا؟　　حاسد کے سیکڑوں خیالات کے درمیان

دست[۵۳] در کردہ درونِ آبجو　　ہر یکے زیشاں کلوخِ خشک جو
نہر کے پانی میں ہاتھ ڈبوئے ہوئے　　ان میں سے ہر ایک خشک ڈھیلا تلاش کرنے والا ہے

پس کلوخِ خشک در جو کے بود　　ماہیِ با آب عاصی کے شود
تو نہر میں خشک ڈھیلا کہاں ہوتا ہے؟　　مچھلی، پانی کی نافرمان کب ہوتی ہے؟

بر منِ مسکیں جفا دارند ظن　　کہ وفا را شرم می آید ز من
مجھ ایسے عاجز پر ناحق بدگمانی کرتے ہیں　　کہ وفا کو مجھ سے شرم آتی ہے

---

[۵۱] خصم - غرض کہ کائنات میں سے ہر ایک چیز اپنی جنس کی کوشش کر رہی ہے۔ تعجیل فرمودن - شاہ نے ایاز سے کہا کہ مجرموں کا جلد فیصلہ کر۔ انتظار کی تکلیف موت سے زیادہ ہے مشہور مقولہ ہے اَلْاِنْتِظَارُ اَشَدُّ مِنَ الْمَوْتِ والایام۔ معاملہ کو ٹالنے کا داعیہ یہی ہوتا ہے کہ انسان سوچتا ہے کہ اس کام کے کرنے کا بہت وقت ہے۔ زانکہ۔ مجرم کو انتظار میں رکھنا بھی ایک قسم کی سزا ہے۔

[۵۲] گفت۔ ایاز نے عذر کیا کہ مجرموں کا فیصلہ کرنا شاہ کا کام ہے، شاہ کے سامنے میری مثال ایسی ہی ہے جیسی زہرہ اور عطارد، اور شہاب ثاقب کی سورج کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے۔ گر ز دلق۔ اگر میں اپنی حقیقت چپل اور گدڑی سے زیادہ سمجھتا تو اس چپل اور گدڑی کی حفاظت کر کے اس حالت میں کیوں مبتلا ہوتا کہ دشمن مجھے ملامت کریں اور حاسد طرح طرح خیالات قائم کریں۔

[۵۳] دست در کردہ۔ ان حاسدوں کی حالت تو اس شخص کی سی ہے جو نہر میں ہاتھ اسلئے ڈالے کہ اس میں سے خشک ڈھیلا نکال لے تو۔ نہر میں خشک ڈھیلا تلاش کرنا اور گیلی کو خشک زمین میں تلاش کرنا یکساں ہے۔ بر منِ ان حاسدوں نے مجھ کو صاحب جفا سمجھا اور ایسا بے وفا سمجھا جس سے وفا کو شرم آئے۔

گر نبودے[1] زحمتِ نامحرمے　　چند حرفے از وفا واگفتمے
اگر نامحرم کی پریشانی نہ ہوتی　　تو میں وفا کے بارے میں چند باتیں کہتا

چوں جہانے شبہت و اشکال جوست　　حرف میرانیم ما بیروں ز پوست
چوں کہ دنیا شبہ اور اشکال کی طلبگار ہے　　ہم چھلکے سے باہر کی گفتگو کرتے ہیں

گر تو خود را بشکنی مغزے شوی　　داستانِ مغزِ نغزے بشنوی
اگر تو اپنے آپ کو شکست کریگا، مغز بنجائیگا　　تو عمدہ مغز کی باتیں سنے گا

جوز[2] را در پوستہا آوازہاست　　مغز و روغن را خود آوازے کجاست
اخروٹوں کے چھلکوں میں رہتے ہوئے آوازیں ہیں　　مغز اور روغن کی خود آواز کہاں ہے

دارد آوازے نہ اندر خوردِ گوش　　ہست آوازش نہاں در گوشِ ہوش
وہ آواز رکھتا ہے لیکن کان کے لائق نہیں ہے　　اس کی آواز ہوش کے کان میں پوشیدہ ہے

گر نہ خوش آوازیِ مغزے بود　　ژغژغِ آوازِ قشری کہ شنود
اگر مغز کی خوش آوازی نہ ہوتی　　چھلکے کا کھڑکا کون سنتا!

ژغژغِ آں زاں تحمل میکنی　　تا کہ خاموشانہ بر مغزے زنی
اُس کی کھٹ کھٹ کو تو اسلئے برداشت کرتا ہے　　تاکہ چھلکے سے مغز تک پہنچ جائے

چند گا ہے[3] بے لب و بے گوش شو　　وانگہاں چوں لب حریفِ نوش شو
کچھ مدت تک بغیر ہونٹ اور کان کے بن جا　　پھر ہونٹ کی طرح شہد کا ساتھی بن

چند گفتی نظم و نثر و راز فاش　　خواجہ یک روز امتحاں کن گنگ باش
تونے نظم اور نثر اور راز کھول کر بہت کہے　　صاحب! ایک روز آزمالے، گونگا بن جا

چند پختی تلخ و تیز و شور و گز　　ہم یکے بار امتحاں شیریں بپز
تونے کڑوی اور تیز اور کھاری اور کسیلی بہت پکائی　　ایک دن امتحان کے لئے میٹھی (بھی) پکالے

چند خوردی چرب و شیریں از طعام　　امتحاں کن چند روزے در صیام
تونے میٹھا اور روغنی بہت کھانا کھایا　　چند دن روزے میں آزمالے

چند شبہا خواب را گشتی اسیر　　یک شبے بیدار شو دولت بگیر
تو بہت سی راتوں میں نیند کا قیدی بنا　　ایک رات بیدار رہ، دولت حاصل کرلے

روزہا[4] بردی بسر در ہزل و جد　　روز کے دو جہد را شو مستعد
تونے بہت سے دن سنجیدہ بات اور مذاق میں گزارے　　دو روز کوشش کے لئے مستعد بن جا

[1] گر نبودے۔ مولانا فرماتے ہیں سننے والے قابل نہیں ہیں ورنہ میں وفا کے مضمون کو واضح کرکے بیان کرتا۔ چوں جہانے۔ چونکہ عوام حقائق کے بیان میں شبہے اور اشکال پیش کرنے لگے ہیں اس لئے ان کو وہ سمجھانا مشکل ہے لہٰذا ہم معمولی باتیں اُن کو سنا دیتے ہیں۔ گر تو۔ اگر تم مجاہدوں کے ذریعہ اپنے جسم کے چھلکے کو توڑ دوگے تو مغز بن جاؤگے پھر مغز کی بات سمجھ لوگے۔

[2] جوز۔ جب تک اخروٹ کی گری چھلکے میں ہے تو وہ بجتا ہے جب چھلکا ٹوٹ جائے تو پھر وہ کھڑکھڑاہٹ ختم ہوجاتی ہے۔ دارد۔ مغز میں بھی آواز ہے لیکن جسم کے کان سے سننے کی نہیں ہے وہ عقل کے کان سے سننے کی ہے۔ گر نہ۔ اگر مغز میں آواز نہ ہو تو چھلکے کی آواز کو سننا کون پسند کرے۔ ژغژغ۔ چھلکے کی آواز اس لئے برداشت کی جاتی ہے کہ مغز تک رسائی ہوجائے۔

[3] چند گا ہے۔ انسان مجاہدوں سے لب و گوش بن جائے تب اُس کا لب اسرار کا شہد چکھتا ہے۔ چند گفتی۔ انسان ہر وقت بولتا ہے کبھی نظم کہتا ہے کبھی نثر، کسی دن آزمائشی طور پر وہ خاموش بھی ہوکر دیکھے تو خاموشی کے فوائد سامنے آئیں گے۔

چند پختی۔ روزمرہ کی عادت کے خلاف کچھ مجاہدہ کر، لذیذ کھانے بہت کھائے ہیں کچھ دن روزے رکھکر دیکھ، راتوں کو خوب سویا ہے کبھی بیداری کی دولت بھی حاصل کر

[4] روزہا۔ عمر کا زیادہ حصہ جد و ہزل میں گذارا ہے اب کچھ مجاہدہ کرکے دیکھ

شرح

اب مولانا پھر قصہ ایاز کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امراء ایاز کے حجرہ کے دروازہ پر گئے اور خزانہ اور زر اور مال کے مٹکے کے متلاشی ہوئے ان میں سے چند آدمیوں نے بہت ہوشیاری سے مال کی ہوس میں قفل کھولا۔ "بہت ہوشیاری سے" ہم نے اسلئے کہا کہ حجرہ کو بہت مضبوط قفل لگا ہوا تھا جو کہ بہت سے قفلوں میں چھانٹا گیا تھا۔ اس استحکام کا منشأ چاندی، سونے اور مال و دولت کے متعلق بُخل نہ تھا۔ بلکہ اس کا سبب راز کا عوام سے چھپانا تھا کیونکہ اُس کو خیال تھا کہ افشائے راز کی صورت میں کچھ لوگ مجھ پر دنائت طبع کا الزام لگائیں گے اور کہیں گے کہ اس ریاست پر بھی یہ پُرانے لیھڑوں اور پوستین کو اپنے سے جُدا کرنا نہیں چاہتا اور کچھ لوگ مجھے مکّار کہیں گے اور کہیں گے کہ یہ عجز و انکسار اس کا محض دکھاوے کے لیے ہے ــــ اب مولانا فرماتے ہیں کہ ارباب ہمت اسرار کی جو کہ بمنزلہ جان کے ہیں لعل کانی سے زیادہ حفاظت کرتے ہیں کیونکہ احمق لوگ مال کو جان سے اچھا سمجھتے ہیں اور عالی ہمت لوگ مال کو جان کا صدقہ جانتے ہیں اسکے بعد مولانا پھر قصہ کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ لوگ مال کی طمع میں سرگرم سعی تھے مگر ان کی عقل کہہ رہی تھی کہ اتنی جدو جہد نہ کرو۔ کیونکہ تمہاری محنت تمام برباد جائے گی۔ قاعدہ ہے کہ حرص تو سراب اور بے حقیقت اشیاء کے لئے فضول جدو جہد کرتی ہے اور عقل اُس سے کہا کرتی ہے کہ غور سے دیکھ یہ مال ... اور مطلوب واقعی نہیں ہے محض دھوکا ہے پس تو فضول کوشش نہ کر مگر ان پر حرص کا غلبہ تھا اور مال فرطِ محبوبیت سے بمنزلہ جان کے ہو گیا تھا اسلئے عقل کی آواز مخفی ہو گئی تھی اور سنائی نہ دیتی تھی اور جان کی مانند عزیز سونے کی حرص غالب تھی اور کہہ رہی تھی کہ ارے مال مفت یہ موجود ہے جلد لو۔

الغرض: حرص اور اس کا شور بہت بہت بڑھ گیا اور عقل اور اس کا فتوا اس شور میں دب گیا تھا۔ اور وہ اسکو نہ سنتے گو اس وقت وہ عقل کی نصیحت نہیں سنتی مگر جب ان کی جان پر بنے گی اسوقت اُس کی ملامت سنیں گے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب آدمی دھوکے کے کنوئیں میں گرتا ہے اس وقت وہ عقل کی ملامت

(جوکہ وہ اس کو کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارے کمبخت! میں تجھے روکتی نہ تھی مگر تو نے میری ایک نہ سُنی) سنتا ہے اور جبکہ جال کے پھندے میں پھنس کر اس کا جوش و خروش ختم ہو جاتا ہے اس وقت عقل کی طرح نفس لوّامہ ہی اس پر قابو پاتا ہے اور اسے ملامت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے بہت بُرا کیا کہ ایسا کام کیا لیکن جب تک اس کا سر مصیبت کی دیوار سے نہیں ٹکراتا اس وقت تک اس کے بہرے کان دل کی نصیحت نہیں سنتے اسلئے اسکی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے بے سمجھ بچے کہ ان کو بادام کی مٹھائی اور شکر کی حرص دونوں بہرا بنا دیتی ہے اور اسلئے وہ ماں باپ کی نصیحت نہیں سُن سکتے مگر جب کہ اُس کو پھوڑے پھنسی کی تکلیف شروع ہوتی ہے اور اُس وقت نصیحت کے باب میں ان کے کان کھُلتے ہیں اور تب وہ نصیحت سنتے ہیں۔

خیر یہ مضمون تو ہو چکا اب قصہ سُنو! اُن چند شخصوں نے جنہوں نے قُفل کھولا تھا بہت کچھ حرص و ہوس کے ساتھ حُجرہ کھولا اور بھیڑ کے سبب حُجرہ میں یوں اُوپر تلے گرے جیسے چھاچھ پیکساں گرتی ہیں کہ وہ بہت زور کے ساتھ عاشقانہ اس میں گرتی ہیں اور کھا سکتی نہیں اور پَر بھی بندھ جاتے ہیں اسلئے اڑ بھی نہیں سکتے۔ یوں ہی وہ لوگ شوق سے حجرہ میں داخل ہوئے مگر ملا کچھ بھی نہیں اور جان کے لالے پڑ گئے انہوں نے حجرہ میں گھُس کر دائیں بائیں غرض ہر طرف نظر کی مگر ان کو کچھ نظر نہ آیا۔ صرف پھٹے جوتے اور پوستین رکھا ہوا تھا اُس کے بعد انہوں نے کہا کہ اس میں دولت ضرور ہے اور یہ لیتھڑے اور پوستین اس کے اخفاء کے لیے ہیں تاکہ اگر کوئی دیکھے تو سمجھے کہ یہاں کیا ہو گا یہاں تو لیتھڑے اور پوستین پڑا ہُوا ہے ارے کوئی پھاوڑیاں لاؤ اور کھود کر گڑھوں کو دیکھو ان میں مال بھرا ہو گا اسکے بعد پھاوڑیاں آئیں اور ہر طرف انہوں نے کھودا اور گہرے گڑھے کر دیے۔ مگر یہ گڑھے بزبانِ حال ان سے کہہ رہے تھے کہ ارے خبیثو! ہم تو خالی گڑھے ہیں یہ دیکھ کر ان کو افسوس بھی ہوتا تھا اور ندامت بھی ہوتی تھی اور گڑھوں کو پاٹ دیتے تھے اسکے بعد انہوں نے اپنے نادانی سے دیواروں کو کھودا اور ان میں گڑھے کر دیئے لیکن وہاں سے ان کو کچھ نہ ملا۔ غرض کہ جب انکو کچھ نہیں ملا تو

دل ہی دل میں بہت کچھ لاحول ولاقوۃ کر رہے تھے کیونکہ ان کے مرغ حرص کو خوراک نہ ملی تھی یہ مصیبت تو تھی ہی اس سے بڑھ کر مصیبت یہ تھی کہ گڑھے اور دیوار ودران کے لاحاصل غلط کاریوں کے چغلیاں کھا رہی تھیں۔

اور وہ نہ دیوار وغیرہ کے گڑھوں کو پر کرکے ان کو بحالہا کر سکتے تھے اور نہ ایاز کے سامنے منہ کر سکتے تھے کیونکہ اگر وہ اپنی بے گناہی ظاہر کرکے اُسے فریب دیتے تھے تو صحن حجرہ اور اسکی دیواریں ان کے خلاف شہادت دینے کو موجود ہیں لہٰذا وہ سب متحیر تھے کہ کیا بہانہ کریں کہ اس گرداب بلا سے جان بچالیں جب کوئی صورت نظر نہ آئی تو ناامید ہوگئے اور حسرت افسوس کرتے ہوئے اور سروں پر عورتوں کی طرح دوہتڑیں مارتے ہوئے گرد میں بھرے ہوئے۔ منہ پر زردیاں چھائی ہوئیں نادم وشرمندہ بادشاہ کی جانب لوٹے۔ بادشاہ کو ان کی ناکامی سے پہلے ہی سے واقف تھا۔ مگر جب اس نے ان کو خالی ہاتھ دیکھا تو جان بوجھ کران کی تجہیل وتحمیق کے لئے دریافت کیا کہ کیا بات ہے کہ تمہاری بغلیں اشرفیوں اوران کی تھیلیوں سے خالی ہیں۔ اگر تم نے اشرفیاں اور تسو (ایک سکہ ہے) چھپا لئے ہیں تو چہرہ اور رخساروں پر خوشی کی رونق اور بشاشت کیوں نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ تم کو کچھ ملا ہی نہیں۔ ورنہ تم لاکھ چھپاتے مگر وہ چھپ نہیں سکتا تھا اور تمہارا چہرہ کہہ دیتا کہ ان کے پاس مال ہے۔ دیکھو! اگرچہ ہر جڑ دار کی جڑ زمین میں چھپی ہوتی ہے مگر اس کے پتے جو کہ سیماھم فی وجوھھم کا مصداق ہیں سبز ہوتے ہیں اور وہ جڑ کی حالت ظاہر کرتے ہیں۔ ایضاً۔ جڑ نے جو کچھ موافق یا مخالف غذا کھائی ہے اسکی اونچی شاخ ببانگ دُہل اس کا اعلان کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ ہری بھری ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جڑ کو غذائے موافق ملی ہے ورنہ ثابت ہوتا ہے کہ جڑ نے غذائے ناموافق کھائی ہے۔

غرضکہ پتوں کے سرسبزی سے معلوم ہوتا ہے کہ جڑ ہری ہے اور اسکو غذائے موافق ملی ہے ورنہ اگر جڑ بے سامان اور بے بضاعت ہو۔ تو یہ ہرے بھرے پتے درختوں پر کیسے ہیں۔ حاصل یہ ہے گو مٹی جڑ کے منہ پر مُہر کر دیتی ہے یعنی گو مٹی میں مخفی ہونے کے سبب اسکی حالت نہیں معلوم ہو سکتی۔ مگر اس کی شاخ اس کے لئے بمنزلہ ہاتھ پاؤں

سے کہ ہے گواہی دیتی ہے کہ جڑ کی حالت اچھی ہے پس یوں ہی اگر تمہارے پاس
بھی مال ہوتا تو تمہارے حالت اسکو ظاہر کرتی یہ سنکر ان تمام امیروں نے معذرت
کی اور سایہ کی طرح بادشاہ کے سامنے خاک مذلت پر گر گئے اور اپنے جوش و خروش
اور لاف وگزاف اور تکبر کی معذرت میں شرم کے دانتوں میں انگلیاں منہ میں دبائے
ہوئے بادشاہ کے سامنے تیغ وکفن لے کر حاضر ہوئے ان میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ
اے شاہ ہفت کشور! اگر آپ ہمارا خون بہائیں تو آپکے لیے جائز ہے۔ کیونکہ ہم نے
جُرم ہی ایسا کیا ہے اور اگر آپ معاف کردیں تو یہ آپ کا احسان اور بخشش ہے
ہم جس لائق تھے وہ ہم نے کیا اب جو حضور کا حکم ہو۔ اگر حضور ہمارا قصور معاف فرمادیں
تو یہ آپ کی شایان شان ہے کیونکہ ہم بمنزلہ رات کے اور آپ بمنزلہ دن کے۔ رات
تاریکی پھیلاتی ہے کیونکہ جو اسکو یہ ہی شایاں ہے اور دن تمام تاریکیوں کو دور کر کے
دھو دیتا ہے اسلئے کہ اسکو یہ ہی زیبا ہے پس اگر آپ معاف فرمادیں تو ہمارے
ناامیدی دور ہو جائے گی۔ ورنہ ایک ہم کیا ہم جیسے سینکڑوں حضور پر قربان ہم جان
دینے کو تیار ہیں اسکے جواب میں بادشاہ نے کہا کہ یہ نوازش اور یہ رحم میں نہ کروں گا
کیونکہ یہ ایاز کا حق ہے یہ تعدی تم نے اسکی جان اور اسکی آبرو پر کی ہے اور یہ زخم اسکی
رگوں پر ہے گو جان کے لحاظ سے ہم دونوں ایک جان ہیں اور اس کا نقصان میرا نقصان
ہے اور اس کا نفع میرا نفع۔ میرا عفو اس کا عفو ہے اور میری سزا اسکی سزا۔

مگر باعتبار ظاہر کے نفع ونقصان میں ایک دوسرے سے دور ہیں لہٰذا جو
کچھ کریگا ایاز کرے گا ——— اب مولانا فرماتے ہیں کہ کیا غلام خاص سلطانی پر تہمت
لگانا بادشاہ کے لئے موجب عار نہیں ہے ضرور ہے لان ضرب الغلام اھانۃ المولیٰ، مگر
باایں ہمہ محمود جو انتقام نہیں لیتا اور اس معاملہ کو ایاز کے سپرد کرتا ہے۔ اس کا منشا بجز
حلم اور ظہور حقیقت ایاز کی خواہش کے اور کچھ نہیں۔ یعنی ایک سبب تو اس کا
بادشاہ کا نہایت درجہ حلیم ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اس واقعہ
سے ایاز کی خصوصیت اور اس کا فانی فی السلطان ہونا ظاہر ہو جائے (فائدہ

کہتے ہیں بندہ اس کی محشیّن نے عجیب عجیب تقریریں کی ہیں مگر میرے نزدیک یہ مطلب ٹھیک اور بے تکلف اور چسپاں ہے جو میں نے عرض کیا ہے واللہ اعلم)

یہاں سے مولانا حق سبحانہٗ کے حلم اور کرم کی طرف انتقال فرماتے ہیں کہ سلطان محمود کا حلم تو تم کو معلوم ہوگیا اب تم حق سبحانہٗ کے حلم کی کیفیت سُنو! اس کا حلم اس درجہ ہے کہ وہ مجرموں کو دولت کثیر عطا فرماتا ہے پس جبکہ مجرموں کے ساتھ اس کا یہ برتاؤ ہے کہ وہ انکو دولت مند بناتا ہے تو اب تم غور کرلو کہ پاکبازوں کے ساتھ اس کا کیا برتاؤ ہوگا اور ان کو کیا کچھ عطا نہ فرمائے گا تم یہ نہ سمجھنا کہ مجرموں کو جو اسنے دولت مند بنایا ہے تو شاید اسلیے بنایا ہو کہ اسکو ان کے جرائم کا علم نہ ہو کیونکہ وہ کسی کے کام سے غافل نہیں ہے (وَمَا اللہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْن) لیکن وہ جو لوگوں کے جرائم کو ظاہر نہیں کرتا اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کا حلم اُسے ایسا کرنے سے روکتا ہے پس جبکہ وہ ایسا حلیم ہے تو یہاں کس کی مجال ہے کہ اس کے علم محیط کے سامنے بے باکانہ کسی کی سفارش کرے کیونکہ ایسا وہ کر سکتا ہے جو خود مجرم نہ ہو یا اُسکی جرم کا علم حق سبحانہٗ کو نہ ہو اور ایسا کوئی ہے نہیں۔ لہذا کوئی سفارش ہی نہیں کرسکتا۔ بجز اس کے حلم کے وہ بے شک سفارش کرسکتا ہے اور وہی کرتا ہے اور کریگا۔ کیونکہ ابتدا میں گناہ حلم ہی کے سبب صادر ہوتا ہے۔ ورنہ ہیبت حق سبحانہٗ کسی کو گناہ نہیں کرنے دے سکتے۔ پس نفس قاتل یعنی مجرم کے جرم کا خون بہا اور اس کی تلافی یوں ہی اسکے حلم کے ذمہ ہے دیت عاقلہ پر ہوتی ہے اور وہ خون بہا اور تلافی شفاعت ہے پس شفاعت اُسکی ذمہ ہوگی۔

[فائدہ: آن گنہ اوّل زحلمش می جہد ورنہ ہیبت آں بحالش کے دہد
خون بہائے جرم نفس قاتلہ ٭ ہست بر حلمش دیت بر عاقلہ۔ یہ دونوں شعر مولانا کے ایسے ہیں جیسے کوئی قصوروار کسی سے اپنے قصور کی معافی چاہتا ہے تو کہتا ہے۔ کرم ہائے تومارا کرد گستاخ۔ پس جس طرح اس قصوروار کا مقصود اس مقولہ سے اپنی براءت ظاہر کرنا۔ اور گناہ کو مخاطب کے سر رکھنا نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے

قصور کا اقرار اور مخاطب کے مزید کرم کا بیان کرکے اسکو مہربان کرنا ہوتا ہے یوں ہی مولانا کا مقصود بھی یہ نہیں ہے کہ بندہ کو بے قصور قرار دیکر اسکے جرم کا بار حلم حق سبحانہٗ پر رکھ دیا جائے - بلکہ مقصود اس سے حق سبحانہٗ کے حلم بے غایت کا بیان اور اس امر کا اظہار ہے کہ ذنوب عباد کی معافی حلم حق ہی سے ہوسکتی ہے ورنہ نہ حلم حق سبحانہٗ اس درجہ میں گناہ کا سبب ہے کہ بندہ بے قصور قرار پا جائے اور گناہ کا بار حلم پر جا پڑے اور نہ تلافی کا بار حلم کے ذمہ ہے کیونکہ گو حلم حق سبحانہٗ ایک درجہ میں گناہ کا سبب ہے مگر اس کا اختیار عبد پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ جو کہ مناط جرم ہے - اور جبکہ حلم حق ملجی نہیں ہے تو معافی اس کے ذمہ بھی نہیں ہے -

رہی یہ بات کہ ملجی تو عاقلہ قاتل بھی نہیں ہیں پس سے جس طرح ان کے ذمہ دیت اسلئے ہوتی ہے کہ وہ فی الجملہ معین جرم ہیں کہ انہوں نے سہل انکاری سے کام لیا اور قاتل کی حفاظت نہ کی - یوں ہی حلم حق بھی فی الجملہ معین ہے اسلئے تلافی اس کے ذمہ ہونی چاہیئے اس کا جواب یہ ہے کہ عاقلہ مکلف ہے اسکی کہ وہ ترک حفاظت سے قتل پر اسکی اعانت نہ کریں - بس جبکہ انہوں نے حفاظت نہ کی اور اس طرح جرم پر قاتل کی اعانت کی تو وہ بھی شریک جرم ہوئے پس خون بہا انکے ذمہ ہوا۔

رہا حلم حق سبحانہٗ سو اسکے ذمہ ترک اعانت نہیں ہے کیونکہ اگر حلم نہ ہو تو عباد طاعت پر مقسور ہوجائیں اور امتحان عباد جو مقصود تھا وہ فوت ہوجائے اسکو خوب سمجھ لینا چاہیئے اور دھوکا نہ کھانا چاہیئے ـــــ یہ تقریر تو اس تقدیر پر تھی کہ آں گنہ اول الخ الی البیت الثانی - علت ہوں شفاعت حلم کی - کما اختارہ بعض المحشین - اور اگر ان دونوں شعروں کو مضمون مستقل کہا جائے اور یوں کہا جائے کہ بیت اول سے مولانا کا مقصود حق سبحانہٗ کے حلم کا مزید بیان ہے اور مطلب یہ ہے کہ اوپر ہم نے مجرموں کو دولت دینے سے حق سبحانہٗ کے علم پر استدلال کیا تھا۔ اب ہم نفس صدور معصیت سے حق سبحانہٗ کے حلم پر استدلال کرتے ہیں

اور بیت ثانی سے مقصود اظہار رجار رحمت ہے اور مطلب یہ ہے کہ خونیوں کے عزیز واقارب خون بہا ادا کر کے ان کو رہائی دلا دیتے ہیں اور گنہگاروں کو نجات دلانے والا حلم حق سبحانہٗ ہے اور کوئی نہیں لہٰذا وہ مجرموں کے لیے ایسا ہے جیسے خونیوں کے لئے ان کے عزیز واقارب۔ پس گنہگاروں کے جرم کا خون بہا یوں ہی حلم حق پر ہے جیسے خونیوں کے قتل کی دیت ان کے عزیز واقارب پر ہوتی ہے یعنی جس طرح خونیوں کے عزیز واقارب ان کو رہائی دلاتے ہیں یوں ہی گنہگاروں کو حلم حق سبحانہٗ نجات دلائے گا۔ تو اب کچھ اشکال نہ ہوگا۔ واللہ اعلم)

بات یہ ہے کہ حلم حق سبحانہ نے ہمارے نفس کو مست اور بے خود کر رکھا ہے اسلئے شیطان نشہ میں اسکی سر سے ٹوپی اُتار لیتا ہے یعنی حلم حق سبحانہٗ کے سبب ہم پر غفلت طاری ہوتی ہے اور اس غفلت میں شیطان کو اپنی کارروائی کا موقع مل جاتا ہے اور وہ اپنا کام کر گزرتا ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کو اسنے دھوکا دیا تھا وہ بھی اسے نشۂ غفلت کی حالت میں دیا تھا ورنہ اگر ساقی حلم خداوندی انکو شراب غفلت نہ پلاتا ہوتا تو شیطان کی کیا مجال تھی کہ وہ آدم علیہ السلام سے برسر جنگ ہوتا۔

پس سمجھنا چاہیئے کہ وہ شراب غفلت جو کہ حلم خداوندی پلاتا ہے نہایت خطرناک ہے۔ دیکھو آدم علیہ السلام جو کہ علم کے موقع پر فرشتوں کے استاد اور کھرے کھوٹے کے پرکھنے والے تھے جبکہ انہوں نے حلم حق کے ہاتھ سے شراب غفلت پی تو شیطان کے ایک جھٹکے کے بھی نہ ہوئی اور ایک ہی چال میں آزردہ ہوگئے۔ حق سبحانہٗ کی تعلیم کے بہلاؤوں نے انکو ہوشیار اور دانا اور چُست کر دیا تھا۔ مگر اسکے بعد اسکی حلم کے نعیز افیون نے ان کو مست کر دیا جس سے چور یعنی شیطان کو اسکے سامان طاعت کے اڑانے کا موقع مل گیا اور وہ اڑا لے گیا۔ ان واقعات سے متاثر ہو کر عقل اس کے حلم سے پناہ مانگتی ہے اور کہتی ہے کہ میرا ساقی اور مجھے غفلت کی شراب پلانیوالا تو ہی ہے۔ پس حالت مستی وغفلت میں تو ہی میرا ہاتھ پکڑ کر اور میری مدد کر کہ لغزش نہ کھاؤں۔

خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو! کہ محمود نے عذر خواہوں کو جواب دیکر
ایاز سے کہا کہ ملے پاکباز اور نہایت محتاط ایاز تو ان مجرموں کے متعلق جو چاہے حکم
صادر کر۔ انہوں نے تجھ پر خیانت کا الزام لگایا ہے حالانکہ تو نہایت بادفا ہے اگر میں
تجھے عمل کے بارہ میں دو سو بار بھی جوش دوں۔ تو تیرے کف جوش میں ایک مرتبہ
بھی دھوکا نہ پاؤں گا۔ یعنی اگر میں تیرا دو سو مرتبہ بھی امتحان کروں گا تو ایک مرتبہ بھی
میں کھوٹ نہ ظاہر ہوگا اسلئے کہا جاتا ہے کہ بے شمار مخلوق کو امتحان سے
شرمندگی حاصل ہوتی ہے کیونکہ جانچنے کے بعد ان میں کھوٹ نکلتا ہے مگر میں جس قدر
تیری آزمائشیں کرتا ہوں سب کی سب کو تجھ سے شرمندگی حاصل ہوتی ہے تیرا علم
علم نہیں بلکہ ایک سمندر ہے جس کی تہہ نہیں اور تیرا حلم حلم نہیں بلکہ ایک پہاڑ۔ بلکہ سو پہاڑ
ہے۔ غرضکہ تو اوصاف کمال کا مجموعہ ہے، تیرے اوصاف کہاں تک بیان کروں
یہ سنکر ایاز نے عرض کیا کہ یہ سب حضور کا فیض صحبت ہے میری حقیقت تو پھٹے لیتھڑے
اور پرانا پوستین ہے۔

دیکھو! چونکہ ایاز اپنی حقیقت کو جانتا تھا اسلئے اس نے محمود کو پہچانا اور سمجھا
کہ وہ میرا منعم اور محسن ہے اسی لئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ یعنی جس نے اپنے کو جان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا
کیونکہ جب وہ سمجھے گا کہ میری حقیقت چند قطرہ منی اور کچھ خون حیض ہے تو وہ سمجھے گا کہ
میرے کمالات موہوب حق سبحانہٗ ہیں لہٰذا وہ حق سبحانہٗ کی عظمت اور وقعت کریگا اور اپنے
کو اس کے سامنے ہیچ سمجھے گا۔ پس اے لوگو! تم بمنزلہ ایاز کے ہو اور حق سبحانہٗ بمنزلہ محمود
کے تمہارا جوتا نطفہ ہے اور تمہارا پوستین خون حیض۔ اور جو کچھ وہ حق سبحانہٗ کا دیا ہوا ہے
[فائدہ: کہ خون اور نطفہ بھی عطائے حق سبحانہٗ ہے۔ مگر انکی خست اور دنائت کی وجہ سے ان کو حق سبحانہٗ کی
طرف نسبت نہیں کیا گیا اور یہ کمالات اس نے تمہیں اسلئے دیے ہیں کہ تمہیں اس کا خزانۂ قدرت معلوم ہو جائے
اور تم اس سے دیگر کمالات کے طالب ہو پس تم بزبان قال یا بزبان حال نہ کہنا کہ اسکے سوا اس کے پاس کچھ نہیں ہے یعنی تم طلب کو ترک

نکرنا۔ دیکھو! باغبان چند سیب اسی لیے دکھلاتا ہے۔ کہ باغ کے درختوں اور اسکی
پھلوں کی حالت معلوم ہو جائے اور تاجر گدھے والے خریدار کو اسلئے مٹھی بھر گیہوں
دکھلاتا ہے کہ اس سے اسے گیہوں کا ڈھیر معلوم ہو جائے اور استاد تمہارے سامنے اسلئے
ایک نکتہ بیان کرتا ہے کہ اس سے تمہیں اس کا علم زائد معلوم ہو جائے۔ ایسی حالت میں اگر تم
یہ کہو کہ بس اسکے پاس یہ ہی تھا تو وہ تم کو یوں الگ کر دیگا جیسے ڈاڑھی سے تنکا۔

پس حق سبحانہ نے بھی تمہیں اپنے کمالات مقدورہ کا نمونہ دکھلایا ہے تاکہ تم اور
کمالات کو اس سے طلب کرو۔ ایسی حالت میں اگر تم یہ سمجھو۔ کہ اور اسکے پاس ہے ہی کیا جس
کو طلب کیا جائے تو اس کا نتیجہ لامحالہ محرومی ہو گا۔

خیر یہ مضمون استطرادی تو ختم ہوا۔ اب قصہ سنو! محمود نے کہا کہ اے ایاز آؤ اور
اور انصاف کرو۔ اور عالم میں ایک عجیب انصاف کی بنیاد قائم کرو تمہارے مجرم مستحق قتل ہیں مگر
وہ تم سے امیدوار حلم و معافی ہیں۔ اب دیکھیں تمہارا رحم غضب پر غالب آتا ہے یا غضب رحم
پر۔ اور آبِ کوثر رحمت شعلہ غضب کو فنا کرتا ہے۔ یا شعلہ غضب آب کوثر رحمت کو۔

اب مولانا رحم و قہرِ حق کے بیان کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
عہد الست سے حق سبحانہ کی دونوں صفتوں حلم و غضب کا ظہور ہے تاکہ کچھ لوگ رغبتاً
اُس کی طرف منجذب ہوں اور کچھ لوگ رہبتاً ـــــ چنانچہ لفظ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ
جو کہ عہد الست میں استعمال کیا گیا تھا۔ اسلئے ظاہر ہوا تھا کہ اُس سے اُسکی صفت حلم
اور صفتِ قہر دونوں ظاہر ہوں کیونکہ ایک فقرہ میں نفی و اثبات دونوں مجتمع ہیں اسلئے
کہ استفہام دال بر اثبات ہے اور اس میں لفظ لَيْسَ بھی موجود ہے جو کہ دال بر نفی
ہے۔ پس مدلول استفہام اثباتِ الوہیت ہے جو کہ دلالت کرتا ہے خوشنودی اور
رضا پر۔ اور لَيْسَ کا مدلول نفی ربوبیت ہے جو کہ دلالت کرتا ہے ناخوشی اور قہر پر
کیونکہ اصل جملہ لَسْتُ بِرَبِّكُمْ تھا جو نفی ربوبیت پر دلالت کرتا تھا اُسکے بعد حرف
اُس پر استفہام داخل ہوا جس نے اُسے منفی سے مثبت بنا دیا۔

توضیح اسکی یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ جب باپ اپنے بیٹے سے یا بھائی اپنے بھائی

سے یا استاد اپنے شاگرد سے نہایت ناخوش ہوتا ہے تو وہ مجازاً اپنے اس تعلق کی نفی کر دیتا ہے جو ان دونوں میں آپس میں ہوتا ہے۔ مثلاً باپ کہتا ہے کہ میں تیرا باپ نہیں وغیرہ وغیرہ - اور مقصود اس سے کمال ناخوشی کا اظہار ہوتا ہے یوں ہی حق سبحانہٗ نفی ربوبیت کے لیے لَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرمانا اس کے کمال ناخوشی پر دال ہوگا اور چونکہ انا ربکم ضد ہے لست بربکم کی اسلئے وہ اس کی ضد پر دلالت کریگا (ہٰذا ماعندی و للمحشیین تقریرات اخر ان شئت فارجع الی الحواشی) اچھا اس تقریر کو چھوڑو کیونکہ یہ دقائق خواص کے سمجھنے کے ہیں نہ کہ عوام کے - پس تم اس خواص کے پیالہ کو عام دسترخوان پر نہ رکھو - اور حلم و قہر کے متعلق عام فہم مضمون کہا کرو۔

اچھا سنو! قہر اور لطف ایسے ہیں جیسے صبا اور وبا - یعنی ایک ان میں سے خوش کُن ہے اور دوسرا تباہ کن اور ایک ان میں سے لو ہے یعنی سرکشوں کو جذب کرتا ہے اور دوسرا گھاس یعنی عاجزوں اور مسکینوں کو - اور وجہ اس تفرقہ کی اختلاف مناسبت ہے پس جو جس کی مناسب ہے وہ اسی کو کھینچتا ہے اس بناء پر قہر لوہے کو کھینچتا ہے اور لطف گھاس کو - اور جذب مناسب للمناسب کچھ قہر و لطف ہی کے ساتھ مخصوص نہیں - بلکہ عام ہے چنانچہ حق ٹھیک لوگوں کو کھینچکر ہدایت تک پہنچاتا ہے - اور باطل اہلِ باطل کو کھینچتا ہے اور معدہ اگر مناسب شیرینی ہے تو شیرینی کو کھینچتا ہے اور اگر اس میں صفرا کا اثر ہے تو سکبا کو کھینچتا ہے (فائدہ: سکبا ایک قسم کا سالن ہے جو کہ سرکہ میں بھگوئے ہوئے دلیہ اور گوشت اور میوہ جات سے تیار کیا جاتا ہے - اور فرش گرم آدمی سے سردی کو کھاجاتا ہے اور ٹھنڈا فرش آدمی کی حرارت کو کھاجاتا ہے اور اگر تم کو دوست نظر پڑتا ہے تو تم سے عنائت اور مہربانی کا ظہور ہوتا ہے اور اگر مخالف نظر آتا ہے تو تم سے حملہ کا ظہور ہوتا ہے اور اگر تم نور دیکھو اس سے روشنی نکلے گی اور اگر آگ اور دھواں دیکھو تو اس سے تاریکی پیدا ہوگی - (دھوئیں سے تو تاریکی پیدا ہونا ظاہر ہے رہی آگ سو اس سے تاریکی کا پیدا ہونا بواسطہ دُخان ہے)

الحاصل دشمن اور دوست، نور اور نار - شق اور نمار - تخت اور سولی سرد اور گرم گلی اور خار چیونٹی اور سانپ - تانا بانا، خوشی و غم - غرضکہ جو کچھ بھی ہے سب کو ان کے مجانسات

کے ساتھ شمار کر لو ـــــــ یہ مضمون استطرادی تھا اب قصہ سنو! محمود نے کہا کہ اے ایاز! اس کام کو جلد کر دو۔ کیونکہ انتظار بھی گونہ انتقام ہے پس اگر تم نے ان کو بالکل معاف کرنا چاہا تو ایسا کرنا ناممکن ہو جائے گا کیونکہ ایک حد تک ..... یہ لوگ سزا بھگت چکے ہونگے۔ ایاز نے کہا کہ آپ کو اختیار کلی ہے آپکے سامنے میں کیا چیز ہوں کیونکہ آفتاب کے سامنے ستارے فانی ہوتے ہیں اور ان کے آثار کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ زہرہ یا عطارد یا شہاب کی کیا مجال ہے کہ وہ آفتاب کے سامنے طلوع ہو سکے۔ حضور والا اگر میں ایسا کرتا اور اپنے چیتھڑوں اور پوستین کو چھوڑ دیتا تو میں یہ ملامت کا بیج ہی کیوں بوتا اور حجرہ کے دروازہ پر ان حساد کے گوناگوں خیالات کے۔ درمیان جس کی حالت بیان ہوگئی قفل ہی کیوں لگاتا اور ان کو بدظنی کا موقع کاہے کو دیتا۔ اُن حاسدوں کی حالت یہ ہے کہ وہ ندی میں ہاتھ ڈال کر اس میں خشک ڈھیلا ڈھونڈتے ہیں یعنی وہ میرے اندر نافرمانی شاہ عالی جاہ کو فضول تلاش کرتے ہیں کیونکہ ندی میں خشک ڈھیلا اور مجھ میں نافرمانی کہاں۔ میں تو مچھلی ہوں اور آپ پانی۔ بھلا مچھلی بھی پانی کی نافرمانی کرتی ہے۔ یہ لوگ مجھ غریب پر بے وفائی کا گمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ میری وفا کی یہ حالت ہے کہ خود وفا مجھ سے شرماتی ہے اور کہتی ہے کہ میں اس شخص کے حوصلہ کے مطابق نہیں ہوں۔ اگر نامحرموں کے مصیبت نہ ہوتی تو میں وفا کا کچھ بیان کرتا لیکن نامحرم نہیں اسلیے میں اس کا بیان ترک کرتا ہوں۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ چونکہ ایک عالم اس بلا میں مبتلا ہے کہ وہ اپنی نافہمی کے سبب اہلِ حقائق کے ذہن ... میں شبہات اور اعتراضات پیدا کرتا ہے اسلئے ہم بھی ظاہر بیں یعنی لوگوں کے سامنے پوست کا ذکر کرتے ہیں اور بیان مغز کو ترک کرتے ہیں۔ اگر تم شکستگی حاصل کر لو اور اس طرح مغز ہو جاؤ یعنی نفس کو مغلوب کر کے روح کو غالب کر لو تو اس وقت تم مغز اور حقیقت کا بیان سُن سکتے ہو اور راز اس کا یہ ہے کہ حقائق ذوقی چیزیں ہیں نہ کہ قالی۔ کیونکہ آوازیں چھلکوں میں ہوا کرتی ہیں نہ کہ مغز .. اور مغز مغز یعنی روغن میں۔ پس اصوات سے ظاہری باتوں سے تعلق ہوگا نہ کہ حقائق کو۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مغز میں بالکل آواز نہیں ہوتی اُن میں آواز ہوتی ہے مگر وہ کان سے سُننے

کے لائق نہیں ہوتے بلکہ وہ عقل کے کان میں مخفی ہوتی ہے۔ اور اس آواز کو عقل کے کان سنتے ہیں۔ وہ آواز نہایت دل کش ہوتی ہے جو عقل کے کان میں پہنچتی اور آدمی کو چھلکے کی چٹا چٹ سننے پر مجبور کرتی ہے۔ ورنہ اگر مغز کے رسیلی آواز نہ ہو تو پھر چھلکوں کی بیہودہ چٹ چٹ کون سنے۔ پس مغز بزبان حال اپنی خوبی بیان کرتا ہے اور عقل اس کا احساس کرے اور مغز کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور طریق حصول یہ ہوتا ہے کہ چھلکے کو توڑا جائے اور اس میں سے مغز نکالا جائے پس آدمی چھلکے کو توڑتا ہے اور اسکے آواز سنتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مغز میں بھی آواز ہے اور اسی آواز کے سبب آدمی چھلکے کی چٹ چٹ سنتا ہے۔ پس اگر تم مغز حاصل کرنا چاہو تو اس کا طریق یہ ہے کہ کچھ دنوں ایسے ہو جاؤ جیسے کہ نہ تمہارے ہونٹ ہیں نہ کان یعنی خلوت اختیار کرو نہ کسی سے کچھ کہو نہ کسی کی سنو۔ جب ایک معتد بہ زمانہ تک ایسا کرلو تو پھر مزے سے غذائے روحانی یوں کھاؤ جیسے لب غذائے جسمانی کھاتا ہے۔

دیکھو: تم بہت عرصہ تک نظم اور نثر اور اسرار کو واضح طور پر بیان کر چکے ہو اب کچھ عرصہ کے لئے گونگے بھی ہو جاؤ اور خاموشی کا بھی امتحان کرلو اور تم بہت کچھ کڑوے اور تیز اور کھاری اور کسیلے کھانے پکا چکے ہو۔ ایک بار امتحان کے لیے میٹھا ہی پکا لو یعنی تم بہت کچھ باتیں کر چکے ہو۔ جو کہ فی الحقیقت بدذائقہ ہیں۔ اب ذرا سکوت بھی اختیار کرکے دیکھ لو جو کہ نہایت لذیذ شے ہے اور تم نہایت مرغن اور شیریں کھانے کھا چکے ہو کچھ دنوں روزے بھی رکھ کر دیکھ لو۔ دیکھو تو سہی ان میں کیا لطف ہے اور تم بہت راتوں میں سو چکے ایک رات جاگ کر ہی دولت حاصل کرلو۔ اور بہت سے دن تم نے ہزل وجد میں بسر کر دیے ہیں اب ذرا دو ایک دن مجاہدہ کے لئے بھی تیار ہو جاؤ۔

ختم شد ربع ثانی کلید مثنوی